معارفِ رضا

سنہ ۱۹۸۹ء

شمارہ نہم

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، پاکستان

معارف رضا

شمارہ نہم ۱۹۸۹ء / ۱۴۱۰ھ

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ)

۲۳۴/۷ تیسری منزل نشیمن بلڈنگ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

نمبر شمار
۱
۲
۳
۴
۵
۶
۷
۸
۹
۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸

رسالہ ـــــــــ معارف رضا

شمارہ ـــــــــ نہم ۱۹۸۹ء / ۱۴۱۰ھ

اشاعتِ اوّل ـــــــــ ایک ہزار

قیمت ـــــــــ روپے

ناشر ـــــــــ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی

مطبوعہ ـــــــــ
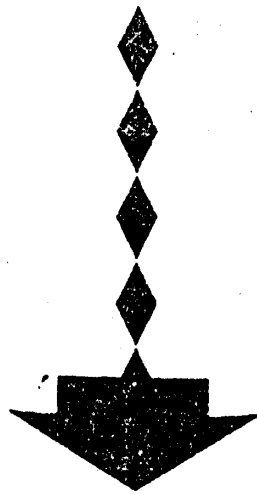
ملنے کا پتہ

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، ۲۳۴ نشیمن بلڈنگ اسٹریچن روڈ۔ کراچی

مشمولات

نمبر شمار	مضامین	مصنف	صفحہ نمبر
۱	حمد باری تعالےٰ	امام احمد رضا محدث بریلوی	
۲	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	〃 〃 〃 〃 〃 〃	
۳	منقبت درشان امام احمد رضا	محمد ظفر الدین بہاری	
۴	اداریہ		
۵	فاتحہ کا ثبوت	امام احمد رضا محدث بریلوی	۱۲۶
۶	چودہویں صدی کے مجدّد	علامہ محمد ظفر الدین بہاری	۴۵
۷	امام احمد رضا کی کہانی انہی کی زبانی	علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی	۶۷
۸	قرآن، سائنس اور امام احمد رضا	پروفیسر مجید اللہ قادری	۸۱
۹	فاضل بریلوی کی طبی بصیرت	حکیم محمد سعید دہلوی	۹۹
۱۰	قرآن پاک کے اردو تراجم کا تقابلی جائزہ	صاحبزادہ وجاہت رسول قادری	۱۰۵
۱۱	کنز الایمان ارباب علم و دانش کی نظر میں	عبدالستار طاہر	۱۲۱
۱۲	فقہی شاہکار	پروفیسر نور الدین جامی	۱۴۱
۱۳	امام احمد رضا علما مشائخ کے مرجع فتاویٰ	مفتی محمود اختر قادری	۱۵۳
۱۴	امام احمد رضا اور تصوّف	علامہ محمد احمد مصباحی	۱۶۱
۱۵	امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	۱۸۵
۱۶	تحریک پاکستان میں امام احمد رضا کا مقام	رائے کمال محمد	۱۹۳
۱۷	امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری	پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم	۲۰۹
۱۸	ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین بہاری	ڈاکٹر حسن رضا اعظمی	۲۲۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

امام احمد رضا قدس سرہٗ

الحمد للہ رب الکون والبشر ۔۔۔ حمدٌ یدوم دواما غیر منحصر

وافضل الصلوات الزاکیات علی ۔۔۔ خیر البریّہ منجی النّاس من سقر

بک العیاذ الٰہی ان اشا حکما ۔۔۔ سواک یا ربنا یا منزل النّذر

الاتقال الی المختار من مضر ۔۔۔ صلی الالہ علی المختار من مضر

ان شئت فانھض الی الفاروق نألہ ۔۔۔ فالحق یظھر من الفاظہ الغرر

ھلم اسرع نسئال عند حیدرۃ ۔۔۔ ان لا تقول تحاکمنا الی عمر

اسمع کلام اولی العرفان والعلما ۔۔۔ ففیہم الاسوۃ الحسنیٰ لمعتبر

ان کان عندک برھان فابدلنا ۔۔۔ ام لا امام سوی الامرار والبطر

مالی اراک سلیطاً تشتم العلما ۔۔۔ ان الشتیمۃ یا ھذا من الکبر

العبد یثنی علی المولی بمحمدۃ ۔۔۔ اشھی من الدر بل اشھی من الدرر

امام احمد رضا قدس سرہٗ

طوبےٰ میں سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثمان و حیدر ہر ایک اس کی شاخ

شاخِ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب میں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

اپنے اِن باغوں کا صدقہ وہ رحمت کا پانی دے
جس سے نخلِ دل میں ہو پیدا پیارے تیری وِلا کی شاخ

ظاہر و باطن اوّل و آخر زیبِ فروع و زینِ اصول
باغِ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتّی شاخ

آل احمد خذ بیدی یا سیّد حمزہ کن مددی
وقتِ خزانِ عمرِ رضا ہو برگِ ہدیٰ سے نہ عاری شاخ

علامہ محمد ظفر الدین بہاری

منقبت

در شانِ امامِ اہلِ سنّت مجدّدِ دین وملّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَیُّہَا الْبَحْرُ الْغَطَمْطَمُ اَیُّہَا الْحِبْرُ الْعَلَمُ
اَنْتَ شَیْخُ الْکُلِّ فِی الْکُلِّ سَیِّدِیْ اَحْمَدُ رَضَا

اَنْتَ مِفْضَالٌ کِرَامٌ اَنْتَ مِقْدَامٌ ہُمَامٌ
رُحْلَۃَ قَرْمٍ ہُمَامٌ سَیِّدِیْ اَحْمَدُ رَضَا

اِنْتِسَابِیْ مِنْکَ یَکْفِیْنِیْ لِحُسْنِ الْخَاتِمَہ
اَنْتَ لِیْ نُوْرٌ لِّقَبْرِیْ سَیِّدِیْ اَحْمَدُ رَضَا!

اَنْتَ مَاْوٰنَا الْفَخِیْمُ اَنْتَ مَلْجَانَا الْعَظِیْمُ
اَنْتَ مَوْلَانَا الْکَرِیْمُ سَیِّدِیْ اَحْمَدُ رَضَا

اَنْتَ کَنْزٌ لِّیْ لِیَوْمِیْ اَنْتَ ذُخْرِیْ فِیْ غَدِیْ
اَنْتَ غَوْثِیْ اَنْتَ غَیْثِیْ سَیِّدِیْ اَحْمَدُ رَضَا

اداریہ

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن = گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

مردِ مومن کا معیارِ زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے اور اسوۂ رسول کی یہ شان ہے کہ اس میں فرصت کے لمحات نہیں۔ مردِ مومن کا مقصود اقامت دین، تزکیۂ نفس، تعلیم علم وحکمت اور رضائے محبوب کا حصول ہے۔ وہ زندگی کے آخری سانس تک اسی مقصد کی تکمیل کی تگ و دو میں مصروف رہتا ہے۔

"اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ بلاشبہ ایک ایسے ہی مردِ مومن تھے۔ اُن کی کتابِ زندگی کے اوراق ہمیں بتاتے ہیں کہ انھوں نے اپنی زندگی سراسر اپنے آقا و مولیٰ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی میں اس طرح بسر کی کہ "عبدِ مصطفیٰ" کہلائے۔ انہوں نے اپنی حیات مستعار کے ایک ایک بیش بہا لمحے کو "اتباع وذکرِ رسول" سے اس طرح مزین فرمایا کہ مفتیِ دوراں، فقیہہ نکتہ داں، امامِ عصر، مجدّدِ زمانہ اور عاشقِ مصطفیٰ کے لقب سے نوازے گئے۔

قدرت اُو را بہرِ تجدید آفرید	اُو مجدّد بود در عہدِ جدید
دین زندہ شد ز تعلیماتِ اُو	علم تابندہ ز تصنیفاتِ اُو؟

(علامہ مسلم بخش مسلم)

دُنیائے اسلام کے اس عبقری مردِ مومن کی حیات وفکر، علم ویقین اور عشق وآگہی کے معتبر واقعات سے جدید دُنیا خصوصًا اہلِ دانش وتحقیق کو روشناس کرانے کے لئے ادارہ ہر سال اس مجددِ عصر کے یومِ وصال کے موقع پر ایک سالنامہ مجلّہ "معارف رضا" پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ الحمد للہ اسی جذبہ صادق کے تحت مجلّہ "معارف رضا ۱۹۸۹ء" اصحاب دانش وبینش کے مطالعہ کے لئے حاضر ہے۔

محترم قارئین!

ہماری روایت یہ رہی ہے کہ ہم "معارف رضا" کے مضامین کی ابتداء امام احمد رضا محدث بریلوی کے کسی اہم مقالے سے کرتے ہیں۔ اس بار ان کے مقالے کا عنوان ہے۔

"الحجة الفائحة لطيب التعين والفاتحة"

یعنی فاتحہ کا ثبوت۔ امام احمد رضا نے اپنے اس فاضلانہ مقالے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بڑی خوبصورت ترتیب اور نظم کے ساتھ جواز ایصال ثواب کے حق میں دلائل دیئے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے ارواح موتی کے ایصال ثواب کا عمل غیر شرعی نہیں ہے بلکہ یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل صحابہ و سلف و صالحین سے بہ تواتر ثابت ہے۔ اب رہ گئیں دیگر بدعات، فروعات اور تکلفات جو لوگوں نے ایجاد کر لی ہیں تو ان کا نفس فاتحہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ عمل زائد جواز فاتحہ و ایصال ثواب کی راہ میں حائل ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا کے متعلق کج فکر لوگوں نے فروعات و بدعات کے اضافے کا بہتان لگایا ہے وہ کس قدر بے بنیاد ہے۔ بے بنیاد ہے۔

علامہ محمد ظفر الدین بہاری (م ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء) والد ماجد جناب پروفیسر مختار الدین آرزو شعبۂ دینیات علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا شمار امام احمد رضا کے اجلۂ تلامذہ نیز خلفاء اور معتمدین میں ہوتا ہے۔ علوم ریاضیات وغیرہ میں امام صاحب سے براہِ راست کسب فیض کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے، امام موصوف کی مجتہدانہ بصیرت کا ذاتی مطالعہ و مشاہدہ جتنا قریب سے انہوں نے کیا ہے وہ کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ اس اعتبار سے ان کا مضمون "چودھویں صدی کے مجدد" فاضل بریلوی کی سیرت پر اصل ماخذ کا درجہ رکھتا ہے۔

"امام احمد رضا کی کہانی انہی کی زبانی"۔ یہ مبلغ اسلام علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی صاحب بانی و سرپرست سنی رضوی سوسائٹی مانچسٹر (انگلینڈ) کے ایک مقالے کا عنوان ہے اور چونکہ خود امام احمد رضا کی تصنیفات و تالیفات سے ماخوذ ہے اس لئے ماخذ و مواد کے اعتبار سے بہت مستند ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین امام احمد رضا کی سیرت نگاری کے اس انداز کو بنظر استحسان دیکھیں گے۔

امام احمد رضا کے علوم و فنون کی تعداد پچھلے محققین ۵۵ بتاتے چلے آئے ہیں لیکن فاضل نوجوان محقق جناب پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب نے اپنی تحقیق سے یہ تعداد ۰۷ سے زیادہ ثابت کی ہے نیز اہل تحقیق کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ مزید تحقیق کی جائے تو یہ تعداد اور بھی بڑھ سکتی ہے۔ انہوں نے ایک نئے زاویے سے امام احمد رضا کی علمی بصیرت اور قرآنی و سائنسی علوم پر ان کی گرفت کی جھلکیاں ان کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان کے حوالے سے پیش کی ہیں۔

۱۱ امام احمد رضا پر مختلف علوم و فنون کے حوالے سے اب تک بیسیوں مقالات تحریر کئے جا چکے ہیں لیکن طب و حکمت کے حوالے سے آج تک کوئی مقالہ سپرد قلم نہیں کیا گیا۔ اس موضوع پر ملک کے نامور حکیم

اور طبِ اسلامی کی بین الاقوامی شخصیت حکیم محمد سعید صاحب چیئرمین ہمدرد ٹرسٹ پاکستان کا ایک پُرمغز مقالہ معارفِ رضا کی زینت ہے جو یقیناً امام احمد رضا پر شائع شدہ لٹریچر پر ایک قیمتی اضافہ ہے۔

"کنز الایمان" امام صاحب کے ترجمہ قرآن کا عنوان ہے۔ جس کا ہر لفظ روحِ معانی میں بے مثال ہے اور عربی زبان کا ذیشان ترجمان ہے۔ اس موضوع پر تین مختلف عنوانات سے مقالات معارفِ رضا میں شامل ہیں۔ لاہور (پنجاب پاکستان) کے مشہور نوجوان قلمکار جناب عبدالستار طاہر صاحب کا مقالہ "کنز الایمان اربابِ علم ودانش کی نظر میں" اور وجاہت رسول قادری صاحب نائب صدر ادارۂ ہٰذا کا مقالہ "قرآن پاک کے اُردو تراجم کا تقابلی جائزہ"۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب "نزہت الخواطر" اور مہتمم ندوۃ العلماء کہتے ہیں کہ جزئیاتِ فقہ میں امام احمد رضا سے زیادہ دسترس رکھنے والا ان کے زمانے میں کوئی نہ تھا اور ان کے فتاویٰ اس پر شاھد عادل ہیں۔ علوم اسلامیہ کے ممتاز فاضل اور استاد شعبہ علوم اسلامیہ وعربیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان محترم نورالدین جامی صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے "فتاویٰ رضویہ ایک فقہی شاہکار" میں اس بات کو ثابت کیا ہے۔ یہ مقالہ جناب نورالدین صاحب کے رشحاتِ قلم کا شاہکار ہے۔

علماء پاک وہند کے علاوہ حرمین شریفین اور دیگر بلاد اسلامیہ کے علماء وفضلاء نے بھی ان کے تبحرِ علمی کا اعتراف کیا ہے اور فقہ وحدیث اور علوم اسلامیہ میں ان کی سیادت وامامت کو تسلیم کیا ہے اسی بنا پر بعض اکابر علماء حرمین نے ان کو اس صدی کا مجدد مانا ہے۔ علامہ مفتی محمود اختر قادری صاحب دارالعلوم محمدیہ بمبئی ہندوستان نے اپنے مقالہ "امام احمد رضا علماء ومشائخ کے مرجعِ فتاویٰ" میں اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے ان کی مجتہدانہ شان کی جھلکیاں پیش کی ہیں۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی شخصیت جامع کمالات تھی، وہ ایک فقیہہ عصر اور نابغۂ روزگار فقیہہ کے علاوہ طریقۂ قادریہ ودیگر روحانی سلاسل کے ایک صاحب نسبت بزرگ اور شیخ کامل بھی تھے وہ شریعت وطریقت دونوں کے جامع تھے۔ وہ تصوف وطریقت کو شریعت کے تابع جانتے اور مانتے تھے ہندوستان کے نامور عالم اور مشہور قلمکار علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے امام احمد رضا اور تصوف کے عنوان سے ایک وقیع مقالہ تحریر کیا ہے جو کتابی شکل میں ہندوستان سے شائع ہوچکا ہے ہم شکریہ کے ساتھ اس کے ایک حصّہ کو معارف رضا میں شائع کر رہے ہیں تاکہ قارئین کرام امام احمد رضا کی زندگی کے اس رخ سے واقفیت

حاصل کر سکیں اور اس کی روشنی میں وہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں جو تصوف و طریقت کے نام پر ان سے منسوب کی جاتی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا نام علمی اور تحقیقی دنیا کا ایک معتبر نام ہے۔ اب وہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر امام احمد رضا کی عبقری شخصیت پر تحقیق و تدقیق کی پہچان بن چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مخصوص انداز نگارش، اور دلکش اسلوب تحقیق کے لئے مشہور ہیں امام احمد رضا کی سیاسی بصیرت اور کردار پر ان کا بسیط مقالہ "امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی" نذرِ قارئین ہے۔

امام احمد رضا کے سیاسی افکار اور تحریک پاکستان پر اس کے اثرات کے تناظر میں فاضل مقالہ نگار جناب رائے محمد کمال صاحب (حافظ آباد، گجرات) کا مضمون بعنوان "تحریک پاکستان میں امام احمد رضا کا کردار" مطالعہ پاکستان اور تاریخ کے طلباء کے لیے خاص کشش رکھتا ہے۔

شعر و ادب اور خصوصاً صنف "نعت گوئی" میں امام احمد رضا کا مقام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، شعبہ دینیات کے نوجوان محقق اور فاضل استاد پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم صاحب کا ایک معلوماتی مضمون "امام احمد رضا کی شاعری" شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک خوبصورت اضافہ ہے

معزز قارئین!

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی قدآور اور ہمہ جہت شخصیت اتنی وقیع اور متنوع صفات کی حامل ہے کہ معارف رضا کے محدود صفحات اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بایں ہمہ ہماری یہ کوشش ضرور ہوتی ہے کہ معارف رضا میں موضوع و مضامین کا انتخاب ایسا ہو کہ پڑھنے والے کے ذہن میں امام احمد رضا کی جامع صفات شخصیت کا ایک ممتاز خاکہ ابھر کر سامنے آسکے اور وہ ان کی علمی گہرائی و گیرائی، دقتِ نظر اور ژرف نگاہی نیز قلم کی گہر فشانی اور نکتہ آفرینی کا ادراک کر سکے۔ پھر اس کے تناظر میں اپنے ذوق مطالعہ اور موضوع کے اعتبار سے انکی تصانیف و تالیفات اور ان پر لکھی ہوئی کتب کے ماخذ و مصادر کی طرف رجوع کر کے علمی استفادہ کر سکے۔ ہم کہاں تک اپنی کوشش میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ اس کا فیصلہ آپ پر ہے اور امید ہے کہ آپ ہماری فروگذاشت اور غلطیوں کی نہ صرف نشاندہی کریں گے بلکہ اپنے قیمتی مشوروں سے نواز کر اس مجلہ کے علمی اور تحقیقی معیار کو بلند سے بلند تر کرنے میں ہم سے تعاون بھی کریں گے۔

ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے علماء، اہل قلم اور دانشور حضرات اپنی علمی، تحقیقی نگارشات اور رشحات قلم سے ہماری مدد فرما کر معارف رضا کے مجلہ کے زیب و آرائش کی مزید شائستگی میں ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں

گے تاکہ اِس صدی کے عظیم محقق علی الاطلاق اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار و خیالات، ورثۂ علمی اور صالح مشن کی ترویج و اشاعت بطریق احسن جاری و ساری ہے، اور علم و صداقت کی روشنی پھیلتی رہے۔

آخر میں ادارہ اپنے ان تمام فاضل مقالہ نگار حضرات اور دیگر کرم فرماؤں کا تہہ دل سے شکر گذار ہے جنہوں نے ہمارے ساتھ دامے درمے سخنے، غرض ہر طرح سے تعاون کیا اور ہماری ہمت افزائی کے موجب بنے، اللہ کریم ان تمام اصحاب محبت کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ ترجمۂ قرآن از اعلیحضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ

عرس اور چالیسویں وغیرہ کا دن مقرر کرنا اور ایصال ثواب جائز ہے وفات کے بعد ارواح اپنے گھر آکر صدقات و خیرات کا سوال کرتی ہیں۔ ان دو مسئلوں کی تفصیل دو رسالوں میں ملاحظہ ہو

الحجة الفائحة لطيب التعيين والفاتحة

۱۳۰۷ھ

مع ترجمہ

بینۂ واضحہ در بیان حسن تعیین و فاتحہ

اتيان الارواح لديارهم بعد الرواح

۱۳۲۱ھ

ہر دو رسائل از:

اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ

ترجمہ و تصحیح از:۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری

آسمانِ اہلِ سُنّت کا درخشاں آفتاب

اعلیحضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضاخان صاحب بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں عرب و عجم کے اہل علم نے آپ کو موجودہ صدی کا مجدد برحق تسلیم کیا ہے آپ کی عظمت و جلالت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ صرف تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں تمام علوم مروجہ کی اپنے والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں قدس سرہ سے تکمیل کر کے مسند تدریس و افتاء پر فائز ہو گئے اور تمام عمر خدمت دین میں صرف کر دی آپ کی زندگی کا واحد نصب العین نبی اکرم سرور دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت شان سے لوگوں کو آگاہ کرنا تھا۔

گم رضائش در رضائے مصطفٰے زاں سبب شد نام او احمد رضا

آپ کے شب و روز حب مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کی سرشاری میں گزرتے آپ کا مطمح نظر یہ تھا کہ تمام مسلمان اپنے آقا و مولٰی کی محبت کی کیف و مستی میں ڈوب جائیں تاکہ صحیح معنوں میں مسلمان بن سکیں اور انہیں راہ شریعت پر ثابت قدمی نصیب ہو اور وہ کفر و ضلالت کی مہیب گھاٹیوں سے کلیتہً دور ہو جائیں۔ حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ نے ایک دفعہ عرض کی کہ آپ اپنی تحریر میں اتنی شدت نہ استعمال فرمایا کریں تاکہ ہر شخص ان سے فائدہ حاصل کر سکے آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا مولانا اگر میرے پاس اختیار ہوتا تو میں شانِ رسالت کے گستاخوں کا سر قلم کر دیتا چونکہ ایسا اختیار میرے پاس نہیں اس لئے میں پوری شدت سے اپنے قلم کو استعمال کرتا ہوں تاکہ وہ لوگ اسطرف سے ہٹ کر مجھے طعن و تشنیع کا نشانہ بنالیں اتنی دیر تو میرے آقا و مولا کے بارے میں کچھ نہ کہیں گے۔ اسی طرح جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالٰے عنہ نے کہا تھا۔

فان ابی و والدتی وعرضی ○ لعرض محمد منکم وقاء

(میرے والدین، میری عزت۔ حضرت محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی عزت کی حفاظت کیلئے ڈھال ہے)

آپ نے ایک ہزار کے لگ بھگ قابل قدر کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں سے ہم ایصال ثواب کیلئے دن مقرر کرنے کے بارے میں "الحجۃ الفائحہ لطیب التعیین و الفاتحہ" مع ترجمہ اور موت کے بعد ارواح کے اپنے گھروں

میں آنے کے متعلق ۔ "اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح" ہدیہ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس سعادت کا سہرا بجا طور پر جناب صاحبزادہ محمد طیب الرحمٰن صاحب صدر جمعیت علمائے پاکستان ہزارہ و ناظم اعلیٰ دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ کے سر ہے اور تمام ان معاونین کے سر جنہوں نے درہمے سخنے ہمارے ساتھ تعاون کیا جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

اعلیٰحضرت کی ولادت باسعادت دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بریلی شریف محلہ جسولی میں ہوئی آخر آپ عرصہ تک شریعت و طریقت کے متوالوں کو قرآن و حدیث کا شربت جانفزا پلاتے ہوئے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ جمعہ مبارک کے دن ادھر مؤذن نے "حی علی الفلاح" کہا ادھر آپ اپنے رب قدیر کے دربار میں حاضر ہو گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

محمد عبد الحکیم شرف لاہوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء - تیجا، دسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالانہ (ایصال ثواب) دیارِ ہند میں جو مروج ہے اُسے بعض علماء بدعتِ قبیحہ اور مکروہ کہتے ہیں۔ اور کئی اقوال اس کی درستی پر دال ہیں عام لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کھانا پکاتے ہیں اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اسے علماء ظاہر، غیر مقلد فاتحہ کی وجہ سے مردار اور حرام جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طریقہ زمانہ نبوی صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں نہ تھا۔ لہٰذا بزرگانِ دین کی نیاز (ایصال ثواب) کا طعام اور شیرینی مردار کی طرح ہے۔ بنا بریں شریعت کا جو حکم واجب التعمیل ہو سندِ کتاب سے بیان فرمائیں بینوا توجروا

الجواب

مختصراً اس مسئلے میں حرفِ آخر یہ ہے کہ ایصال ثواب اور اموات کو ہدیۂ اجر پہنچانا تمام اہل سنت و جماعت کے اتفاق سے پسندیدہ اور شریعت میں مستحب ہے حضور سید الابرار علیہ افضل الصلوات من الملک الجبار سے بہت سی حدیثیں اس کارِ خیر کی تصویب و ترغیب میں وارد ہوئی ہیں امام علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور امام علامہ فخر الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء سوم و دہم و چہلم و شش ماہی و سالیانہ کہ دریں دیارِ ہند مروج است او را بعض علماء بدعت شنیعہ، مکروہ گویند و اقوال چند بر درستی اوست و طعامے کہ بعد موتٰی بہ نیت ثواب می پزند و ہر دو دست برداشتہ فاتحہ دہند آں را علمائے ظواہر غیر مقلدین باعث، فاتحہ مردار و حرام دانستہ گویند ایں طریقہ در زمانہ نبوی و اصحاب کبار مصطفوی و تابعین و اتباع تابعین رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین نبود بلکہ طعام و شیرینی کہ نیاز بزرگان دین است مثل مردار پس دریں مسئلہ ہر چہ حکم شرعی واجب التعمیل باشد بیان فرمائند بسندِ کتاب۔ بینوا توجروا۔

الجواب قول فیصل و سخن مجمل دریں باب آنست کہ ایصال ثواب و ہدیۂ اجر باموات باجماع کافۂ اہلسنت و جماعت امریست مرغوب و در شرع مندوب احادیث بسیار از حضور سید الابرار علیہ افضل الصلوٰۃ من الملک الجبار در ترغیب و تصویب ایں کار وارد شد امام علامہ محقق علی الاطلاق در فتح القدیر و امام علامہ فخر الدین

شرح الصدور میں علامہ فاضل ملا علی قاری نے مسلک متقسط میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں ان میں سے کچھ احادیث ذکر فرمائی ہیں بے شک اس کار خیر کا انکار بے وقوف جاہل کر سکتا ہے یا پھر گمراہ اور باطل پرست۔ اس دور کے اہل بدعت (امور خیر کے منکر) جنہیں مخفی طور پر خون اعتزال جوش دلاتا ہے معتزلہ کی نیابت اور وکالت میں ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں اور اہل سنت کے اجماع یقینی کا بکسر انکار کر دیتے ہیں۔ پھر (یہ بھی پیش نظر رہے) کہ بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے اور اسی کو جمہور ائمہ نے صحیح و معتمد قرار دیا ہے کہ ثواب کا پہنچنا عبادات مالیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عبادات مالیہ اور بدنیہ دونوں کو شامل ہے۔ یہی ائمہ حنفیہ کا مذہب ہے بہت سے شافعی محقق اسی کے قائل ہیں اسی پر اکثر علماء ہیں اور یہی صحیح اور راجح و منصور ہے پھر (یہ بھی تو دیکھئے) کہ قرآن مجید پڑھنا اور صدقہ کرنا اور ان دونوں کا ثواب مسلمانوں کو پہنچانا اس میں یہی تو ہے کہ ایک اچھے کام کو دوسرے اچھے کام سے اور ایک مستحب کو دوسرے مستحب سے جمع کر دیا گیا ہے اور ہرگز ان میں سے ایک دوسرے کو منافی نہیں جیسے کہ نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اور نہ ہی شریعت نے ان دونوں کے جمع کرنے سے منع کیا ہے جیسے کہ رکوع و سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے

زیلعی در نصب الرایہ و امام علامہ جلال الدین سیوطی در شرح الصدور و فاضل علامہ علی قاری در مسلک متقسط وغیرہم فی غیرہا بذکر برخی ازانہا پرداختہ اند۔ و خود انکار ایں کار نیاید مگر از سفیہ جاہل یا ضال مبطل، مبتدعان زمانہ را کہ خون پنہاں معتزلیت بجوش آمدہ است در پردہ ترخیص نیابت و تخصیص وکالت اہدائے ثواب را انکار کنند و پیش خویش اجماع قطعی اہل سنت را برہم زنند۔ باز بشہادت احادیث کثیرہ و جزم و تصحیح جمہور ائمہ وصول ثواب خاص بقربات مالیہ نیست بلکہ مالیہ و بدنیہ ہر دو را عام ہمیں است مذہب ائمہ حنفیہ و بریں اند بسیارے از محققین شافعیہ وعلیہ الجمہور و ہو الصحیح الرجیح المنصور، باز اجماع ایں ہر دو کہ ہم قرآن خوانند و ہم تصدق کنند و ثواب ہر دو بمسلماناں رسانند نیست مگر جمع حسن با حسن و مندوب با مندوب و نہ ہر دو یکے با دیگرے منافی نیست کالتلاوۃ من المصحف فی الصلوٰۃ نہ شرع بانکار ایں جمع وارد شد کقراءۃ القرآن فی الرکوع والسجود پس ادرا محذور گفتن از دائرہ عقل بیرون رفتن است امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس

لہذا ان (دو اچھے کاموں کے جمع کرنے) کو ممنوع کہنا دائرۂ عقل وخرد سے باہر جانے کے برابر ہے امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جب ایک ایک کام حرام نہیں تو مجموع کیوں حرام ہوگا؟ اسی میں ہے کہ "چند مباح جمع ہوجائیں تو مجموع بھی مباح رہے گا" اس نفیس قاعدے کی تحقیق، امام المدققین خاتم المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں فرمائی ہے اور یہ مطلب صحیح حدیثوں سے استنباط فرمایا ہے جو چاہے اس کے مطالعے کا شرف حاصل کرے خود منع کرنے والے فرقہ کے امام اول مولوی اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک کلام مجید اور طعام کے اجتماع کی خوبی مقبول ومسلم ہے صراطِ مستقیم میں اس طرح راہِ تسلیم واعتراف پر چلتے ہیں: "جب میت کو نفع پہنچانا ہی مقصود ہے تو کھانا کھلانے پر توقف نہیں ہونا چاہیئے اگر میسر ہو تو بہتر ہے ورنہ سورۂ فاتحہ اور اخلاص کا ثواب نہایت بہتر ہے" اسمیں شک نہیں کہ ایصال ثواب کا طریقہ رب الارباب جل وعلا کے دربار میں دعا ہی ہے امام الطائفہ صراطِ مستقیم میں لکھتے ہیں "مسلمان جو عبادت ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گذرے ہوئے کی روح کو پہنچادے اور ثواب پہنچانے کا طریقہ جناب الٰہی میں دعائے خیر ہے۔ یہ بھی یقیناً بہتر اور خوب ہے" ہاتھوں کا اٹھانا مطلق دعا کے آداب سے ہے حصن حصین میں

سرہ العالی در احیاء فرماید اذا لم یحرم الآحاد فمن این یحرم المجموع وہم در انست ان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذا[illegible] مجموع مباحا تمام تحصیل ایں اصل انیق امام المدققین ختم المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد در کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" ارشاد فرمودہ اند وایں معنی را از حدیث صحاح استنباط نمودہ من شاء فلیتشرف بمطالعتہ وخود معلم اول طائفہ مانعین مولوی اسماعیل دہلوی را خوبی ایں اجتماع قرآن وطعام مقبول ومسلم است در صراطِ مستقیم چناں راہِ اعتراف وتسلیم پوید۔ ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف بر اطعام نہ گزارد اگر میسر باشد بہتر است والا ثواب سورہ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہا است اھ" وشک نیست کہ طریقہ ایصال ثواب دعا بجناب رب الارباب است جل جلالہ۔ امام الطائفہ در صراطِ مستقیم گوید۔ "ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود وثواب آں بروح کسے از گزشتگاں برساند وطریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی است پس ایں خود البتہ بہتر ومستحسن است" ودست برداشتن از آداب مطلق دعا است۔ در حصن حصین،

میں فرماتے ہیں "آداب الدعاء منہا بسط الیدین ت مس و رفعہا" یعنی صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا آداب دعا سے ہے۔ ہمارے ائمہ و علماء کا کیا پوچھتے ہو خود طائفہ منکرین کا امام ثانی (مولوی محمد اسحٰق) "مسائل اربعین" میں کہتا ہے "تعزیت کے وقت دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں مطلقاً دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہے لہٰذا اس وقت بھی مضائقہ نہ ہوگا لیکن بالخصوص تعزیت کے وقت دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا منقول نہیں ہے"۔ دیکھئے بالخصوص (تعزیت کے وقت دعا کیلئے) ہاتھ اٹھانے کو غیر منقول کہا لیکن مطلق (دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حدیث) سے جواز کی تائید کی اور کہا کہ اس طرح کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں الحاصل ان امور سے ہرگز کوئی ایسا امر نہیں جو شریعت مطہرہ میں ناپسندیدہ ہو محض کسی امر کے خصوصی طور پر (حدیث شریف میں) وارد نہ ہونے کو مطلقاً ممنوع ہونے کی دلیل جاننا واضح غلطی اور جہالت ہے فقیر نے بفضلہ تعالیٰ اس بحث کو مجموعہ مبارکہ "البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ" میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علمائے اہل سنت نے ان دعویداروں کو بارہا گھر تک پہنچایا اور خاکِ ذلت پر بٹھایا ہے تفصیل اور طوالت کی ضرورت نہیں لیکن ...... امام الطائفہ (ثانی) نے عدم ورود کو تسلیم کرنے کے باوجود اس مسئلے

۵ امام منکرین کی خود اپنے خلاف گواہی

۶ اکابر منکرین کی شہادت سے اثباتِ مطلب

فرماید "آداب الدعا منہا بسط الیدین میں و رفعہا" یعنی ہر دو دست برداشتن بحکم حدیث صحاح ستہ از آداب دعا است واز ائمہ و علمائے ما چہ گوئی خود معلم ثانی ..... منکرین در مسائل اربعین گوید "دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہرا جواز است زیرا کہ حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ نہ دارد ولیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست اھ" ببینید باآنکہ خصوصیت را غیر ماثور گفت اما بدلیل اطلاق استظہار جواز کرد و در فعل او ہیچ مضائقہ ندید۔ بالجملہ ازیں امور زنہار چیزے نیست کہ در شرع مطہر مستنکر باشد و مجرد عدم ورود خصوصیات را مطلقاً مستلزم منع دانستن غلطی ست واضح و جہلے فاضح فقیر بعون القدیر ایں مبحث را در مجموعہ مبارکہ البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ روشن تر گفتہ ام و علمائے سنت بارہا ایں مدعیان را تا خانہ رسانده و بر خاک مذلت نشانده اند حاجتِ تفصیل و تطویل نیست اما آنچہ امام الطائفہ باوجود تسلیم عدم ورود دریں باب گفتہ است شنیدن دارد در تقریر ذبیحہ مطبوعہ رسالہ

ف امام منکرین کی خود ان کے خلاف گواہی

میں جو کچھ کہا ہے سننے سے تعلق رکھتا ہے رسالہ مطبوعہ زبدۃ النصائح میں تقریر ذبیحہ میں کہتے ہیں " کنواں کھودنے اور ایسی ہی دُوسری چیزوں اور دُعا و استغفار و قربانی کے علاوہ قرآن خوانی فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانے کے تمام طریقے بدعت ہیں گو بالخصوص بدعت حسنہ ہیں مثلاً عید کے دن معانقہ کرنا اور صبح یا عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اھ" طائفہ (منکرین) کو اپنے امام (ثانی) سے پوچھنا چاہیئے کہ آپ . . . . ان طریقوں کو عموماً اور فاتحہ خوانی کو خصوصاً بدعت و محدث جاننے کے باوجود "حسنہ" کس طرح کہتے ہیں اور طائفہ (وہابیہ) کے خلاف راستہ کیسے اختیار کرتے ہیں پھر عید کے دن معانقے کا ذکر تو اور بھی دشوار ہے ہاں اس امام کی تلون مزاجی کی وجہ ہی سے ان کے متبعین کو جان کے لالے پڑے ہُوئے ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم معلم ثانی (وہابیہ) کی کلام ابھی گذری ہے کہ اس نے خصوصیت کے وارد نہ ہونے کے باوجود معانقہ نہ جانا۔

ف اکابر منکرین کی شہادت سے اثبات مطلب

اب ہم امام الطائفہ کے اکابر معتمدین اساتذہ و مشائخ سے چند اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ بیباک رو جان لیں کہ شریعت کے منع کئے بغیر فاتحہ "کو حرام کہنا اور فاتحہ کے طعام، بزرگانِ دین قدست اسرارہم کی نیاز کی شیرینی کو حرام و مردار کہنا کیسی سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے بُرے دن دکھاتا ہے۔ شاہ ولی اللّٰہ،

زبدۃ النصائح می گوید "ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام خورانیدن سوائے کندن چاہ و امثالہ و دعا و استغفار و اضحیہ بدعت است۔ گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر اھ" ارباب طائفہ امام خود شاں پرسند کہ با آنکہ ایں طریقہ ہارا عموماً و فاتحہ خوانی را خصوصاً بدعت و محدث میدانی چہ گونہ حسنہ میگوئی و خلاف طائفہ راہ می پوئی باز ذکر معانقہ عید سنگ آمد و سخت آمد آرے تلون ایں امام متبعانش را کار بجاں و کار باستخواں رسانندہ است ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم و کلام معلم ثانی حالا گذشت کہ با وجود عدم ثبوت خصوصیت مصافحہ نہ دانست۔

اکنوں آمدیم بر نقل چند اقوال دیگر از کبراء و عمائد و اساتذہ و مشائخ امام الطائفہ تا بے باک رواں دانند کہ بے منع شرع بتحریم فاتحہ زباں کشودن و طعام و فاتحہ و شیرینی نیاز بزرگان، قدست اسرارہم را حرام و مردار گفتن چہ کیفر ہا کہ می چشاند و کدام بد روز نمی نشاند۔ شاہ ولی اللّٰہ . . .

انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے :۔
(ایک دفعہ) حضرت رسالت پناہ کی رحلت کے دنوں میں کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ کھانا پکا کر آپ کی نیاز دی جاسکے
میں نے کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز دیا الخ "در ثمین فی مبشرات النبی الامین" میں اسی بات کو اسطرح
بیان کرتے ہیں بائیسویں[۲۲] حدیث مجھے میرے والد ماجد نے بتایا کہ میں نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت
میں ثواب پیش کرنے کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا ایک سال مجھے کھانا تیار کرنے کیلئے کچھ نہ ملا صرف بھنے
ہوئے چنے ملے میں نے وہی لوگوں میں تقسیم کردیئے میں نے نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو شاداں و فرحاں
دیکھا آپ کے سامنے وہی چنے تھے"۔ یہی شاہ صاحبؒ "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں لکھتے ہیں کہ "کچھ شیرینی
پر عموماً خواجگان چشت کے نام فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالےٰ سے حاجت کی دعا کریں ہر روز اسی طرح پڑھیں"۔
لفظ "شیرینی" اور "فاتحہ ہر روز" قابل یادداشت ہے۔ یہی شاہ صاحبؒ ہمعات میں فرماتے ہیں " اسی لئے
مشائخ کے عرسوں کی پابندی اور ان کی قبور کی باقاعدہ زیارت اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے
کا التزام کیا جاتا ہے"۔ یہی شاہ صاحبؒ زبدۃ النصائح میں مندرجہ فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ " اگر ملیدہ اور کھیر بطور
فاتحہ کسی بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں ہے جائز ہے

در انفاس العارفین از والد خود شاں شاہ عبدالرحیم نقل کنند "می فرمودند در ایام وفات حضرت رسالت پناہ
صلے اللہ علیہ وسلم چیزے فتوح نشد کہ نیاز آں حضرت طعام پختہ شود۔ قدرے نخود بریاں و قند سیاہ نیاز کردم الخ
در در ثمین فی مبشرات النبی الامین ہمیں سخن را چناں آوردند۔ الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی
سیدی الوالد قال کنت اصنع طعاما صلۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنۃ
من السنین شیئ اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس
فرأیتہ صلے اللہ علیہ وسلم وبین یدیہ ھذا الحمص مبتہجا بشاشا
شاہ صاحبؒ مذکور در انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ نویسند "بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموما بخوانند و حاجت از خدائے
تعالیٰ سوال نمایند ہمیں طور ہر روز میخوانده باشند اھ" لفظ شیرینی و فاتحہ ہر روز از یاد مرواد۔ شاہ صاحبؒ مسطور در ہمعات
گویند از اینجاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں
شاہ صاحبؒ مزبور در فتوائے مندرجہ زبدۃ النصائح گویند اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح

اللہ تعالیٰ کی نذر کا طعام مالداروں کو کھانا جائز نہیں اور اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی گئی ہو تو اغنیاء کو
بھی کھانا جائز ہے"۔ شاہ صاحب مرحوم انفاس العارفین میں رقمطراز ہیں کہ "والد گرامی قصبہ ڈاسہ میں مخدوم،
اللہ دیا کی زیارت کو گئے ہوئے تھے رات کا وقت تھا اُس وقت انہوں نے فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کر رہے ہیں
اور فرماتے ہیں کچھ کھا کر جاؤ ساتھی ٹھہر گئے حتیٰ کہ سب لوگ چلے گئے اور دوست پریشان ہو گئے اتنے میں ایک
عورت آئی چاولوں اور شیرینی کا تھال اُس کے سر پر تھا اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا شوہر آجائے
تو میں اسی وقت یہ طعام پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ کے حاضرین کے پاس پہنچاؤں گی میرا شوہر اسی وقت آیا ہے
میں نے نذر پوری کی میری آرزو تھی کہ اس جگہ کوئی موجود ہو تاکہ یہ طعام کھالے"۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ
اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں کہ "حضرت امیر اور آپ کی ذریت طاہرہ کو تمام امت پیر و مرشد کی طرح مانتے ہیں
اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ و درود و صدقات اور نذر ان کے نام رائج و معمول
ہے جیسے کہ تمام اولیاء سے یہی معاملہ ہے"۔ یہ عبارت سراپا بشارت جس کا ہر ہر حرف مخالف پر تباہ کن بجلی ہے۔ یا
ہلاکت آفریں آندھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اور مخالفین سے پوچھنا چاہیئے کہ شاہ صاحب نے تمہارے طریقے
کے مطابق تمام امت کو گمراہ و مشرک کہا ہے یا نہیں اور خود ایسے امور کی تجویز و تحسین ظاہر کر کے کافر و مشرک

ف: کیا تمام امت اور شاہ عبدالعزیز صاحب مشرک ہیں؟ بینوا

ایشاں بزند و بخورانند مضائقہ نیست جائز است و طعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام
بزرگے دادہ شد پس اغنیاء را ہم خوردن دراں جائز است۔ شاہ صاحب مرحوم ہم در انفاس العارفین
نگارند حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند و شب ہنگام بود دراں فرمودند مخدوم
ضیافت ما می کنند و می گویند کہ چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر یاراں
غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت
ایں طعام پختہ بہ نشینندگان درگاہ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد الفائے نذر کردم و آرزو کردم کہ کسے
آنجا باشد تا تناول کند مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب در تحفہ اثنا عشریہ فرمایند حضرت امیر و ذریۃ طاہرہ او را تمام
امت بر مثال پیراں و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں می دانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام
ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ با جمیع اولیاء ہمیں معاملہ است"۔ ایں عبارت سراپا بشارت کہ حرف حرفش بر سر
مخالف برقے است خاطف یا ریحے قاصف حرف حرف بخاطر باید داشت و از مخالفاں پرسید کہ شاہ صاحب

ہوئے یا نہ - برتقدیر اول امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی جو آپ کا غلامِ غلام اور مرید مرید اسید احمد صاحب ہے اپنی صراطِ مستقیم میں شاہ صاحب کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے "جناب ہدایت مآب قدوۃ ارباب صدق وصفا، زبدۂ اصحاب فنا وبقا سید العلماء وسند الاولیا حجۃ اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع کل ذلیل وعزیز مولانا ومرشدنا الشیخ عبد العزیز" معاذ اللہ کافر مشرک کی ایسے عظمت وجلالت والے الفاظ سے تعریف کرکے اور حجت خدا و نائب انبیاء وغیرہ وغیرہ کا اعتقاد کرکے خود کافر مرتد ہوا یا کچھ کمی رہ گئی پھر تم جو اس کافر مرتد کو امام و پیشوا سرور و مقتدا مرجع و ہادی شمار کرتے ہو اور ہر مسئلہ اور ہر عقیدہ میں اسکے فرمان کی لکیر پر سرِ تسلیم رکھ کر اس کے قدم بر قدم چلتے ہو اس لحاظ سے تمام کافر بے دین مرتد و لعین ہوئے یا کچھ اور بینوا توجروا -

پھر ہم مطلب کی طرف لوٹتے ہیں طائفہ حادثہ کے معلم ثالث مولوی خرم علی بلہوری نصیحۃ المسلمین میں کہتے ہیں "حاضری حضرت عباس کی صحنک حضرت فاطمہ کی - گیارہویں عبد القادر جیلانی کی - مالیدہ شاہ مدار کا - سہمنی بو علی قلندر کی توشہ شاہ عبد الحق کا اگر منت نہیں صرف ان کی روحوں کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو درست ہے اس نیت سے ہرگز منع نہیں اھ" ملخصاً - خود امام الطائفہ تقریر ذبیحہ میں نغمہ سرا ہیں کہ :-

---

بطور شما جمیع امت را صراحتہ گمراہ و مشرک گفتند یا نہ و خود ایں چنیں امور را تجویز و تحسین نمودہ کافر مشرک شدند یا نہ برتقدیر اول امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کہ غلامِ غلام و مرید مرید ایشان ست در صراطِ مستقیم بمدح ایشاں چنیں تر زبان "جناب ہدایت مآب قدوۂ ارباب صدق وصفا زبدۂ اصحاب فنا وبقا سید العلما سند الاولیاء حجۃ اللہ علی العالمین، وارث الانبیاء والمرسلین مرجع کل ذلیل وعزیز مولانا ومرشدنا الشیخ عبد العزیز" معاذ اللہ کافرے مشرکے را چنیں الفاظ عظیمہ جلیلہ ستودہ و حجت خدا و نائب انبیاء و کذا و کذا اعتقاد نمودہ خود کافر مرتد گردید یا ہیچ باز شمایاں کہ ایں کافر مرتد را امام و پیشوا و سرور و مقتدا و مرجع و ہادی گرفتہ و در ہر مسئلہ و عقیدہ سر بر خط فرمانش نہادہ قدم بر قدم او رفتہ اید ازیں رو ہمہ کافر بے دین و مرتد و لعین شدید یا چہ بینوا توجروا

باز بمطلب عنان تابیم مولوی خرم علی بلہوری معلم ثالث طائفہ حادثہ در نصیحۃ المسلمین گوید حاضری حضرت عباس کی - صحنک حضرت فاطمہ کی - گیارہویں عبد القادر جیلانی کی - مالیدہ شاہ مدار کا - سہمنی بو علی قلندر کی توشہ شاہ عبد الحق کا اگر منت نہیں صرف انکی روحوں کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو درست ہے اس نیت سے ہرگز منع نہیں اھ"

"اگر کوئی شخص گھر میں بکری کی پرورش کرے تاکہ اس کا گوشت خوب ہو جائے اسے ذبح کرے اور پکا کر حضرت
غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھکر کھلادے تو کچھ حرج نہیں ہے" "خواندہ بخوراند" (فاتحہ پڑھکر کھلادے)
کے لفظ قابل غور ہیں اس لئے کہ بہت سے منکرین اس بات کو بھی بنائے انکار بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر
کھلانے اور قرآن مجید پڑھنے کو جمع کرنا جائز بھی ہو تب بھی کھانا کھلاکر پڑھنا چاہیئے نہ کہ پڑھنے کے بعد کھلایا
جائے اس لئے کہ یہ عبث اور باطل ہے اس باطل شبہے کا جواب کامل ہم "بارقہ شارقہ" میں دے چکے ہیں اسیطرح
لفظ "غوث الاعظم" بھی قابل یاد داشت ہے اس لئے کہ یہ "تقویۃ الایمان" کے ایمان کے مطابق شرک ہے
طرفہ یہ کہ جاہل متبعین فاتحہ کے کھانے کو حرام اور مردار جانتے ہیں اور امام الطائفہ اولیا کی نذر کی گائے کے
گوشت اور کھانے سب کو حلال کہتا ہے بشرطیکہ ذبح سے میت کا تقرب مقصود نہ ہو اور صاف صاف کہہ
رہا ہے کہ جس جانور کو اولیا کی نذر کیا گیا ہو چاہے وہ لوگ کئی طرح کی حرام و قبیح نذریں بھی مانیں پھر بھی جانور
کی حلت میں کلام نہیں ہے چہ جائیکہ جب اولیاء کی نذر بہتر طریقے پر ہو بالخصوص جب بغیر نذر فقط ایصال،
ثواب ہو اس لئے کہ اسجگہ جانور کے ذبح کرنے اور خون بہانے میں کچھ اثر نہیں صرف قرآن مجید کا پڑھنا اور
طعام کا صدقہ کرنا درمیان میں آجاتا ہے تقریر مذکور ہی میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص نذر مانے کہ میرا فلاں مقصد پورا

ملخصاً خود امام الطائفہ در تقریر ذبیحہ می نویسد "اگر شخصے بزے را خانہ پرورکند تا گوشت او خوب شود او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت
غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست" ایں لفظ خواندہ بخوراند، نیز نگاہ داشتن است کہ بسیارے از منکرین
ایں را ہم مناط انکار سازند و گویند اگر ایں اجتماع اطعام و قرأت جائز ہم باشد تاہم بایستے کہ خوراندہ خوانند نہ کہ خواندہ
خوراند کہ عبث و باطل ہست جواب کامل ازیں شبہ باطل در بارقہ شارقہ یاد کردہ ایم ہمچناں ایں لفظ غوث الاعظم ہم قابل
نگاشتن کہ برایمان تقویۃ الایمان صراحۃ شرک است طرفہ تر آنکہ اتباع جہول طعام فاتحہ را حرام و مردار دانند و
امام الطائفہ طعام و گوشت گاؤ نذر اولیا ہمہ را حلال می خواند بشرطیکہ تقرب بذبح بسوئے میت نباشد و سپید
میگوید کہ جانورے کہ نذر اولیاء کردہ باشند اگرچہ چنداں نذر بروجہ حرام و قبیح ہم کنند تاہم در حلت جانورے سخنے
نیست تا بکیف کہ نذر اولیاء بروجہ حسن باشد چہ جائے آنکہ محض بے نذر ایصال ثواب شود چہ
محل آنکہ از ذبح جانور و اراقت دم اثرے نبود۔ ہمیں قرأت قرآنے و تصدق طعامے بمیاں آید مگر در
تقریر مذکور چناں می نگارد۔ اگر شخصے نذر کند کہ اگر فلاں حاجت من برآید ایں قدر نیاز

ہوگیا تو اتنی نذر حضرت سید احمد کبیر کے نام کی دوںگا اور اتنا کھانا انکی نیاز کا لوگوں کو کھلاؤں گا اگرچہ اس نذر میں گفتگو ہے لیکن طعام حلال ہے گوشت کا بھی یہی حکم ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد دو سیر گوشت سید احمد کبیر کی نذر کے طور پر لوگوں کو کھلاؤں گا گوشت حلال ہے اور اگر کہے کہ گائے کا گوشت کھلاؤں گا تو بھی جائز ہے اور اگر اسی ارادے سے گائے نذر کرے وہ بھی جائز ہے اس لئے کہ اسکا مقصود گوشت ہے اسی طرح اگر زندہ گائے سید احمد کبیر کے نام پر کسی کو دے جیسے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں جائز ہے اور اس کا گوشت حلال ہے۔" اسی تقریر[١] میں ہے کہ اگر اسی طرح گذشتہ اولیاء قدس اللہ سرہم کی نذر دے تو جائز ہے فرق اتنا ہے کہ عالم دنیا سے عالم برزخ کیطرف انتقال کیوجہ سے نقد جنس اور طعام سے نفع حاصل نہیں کر سکتے بلکہ فقط اس کا ثواب اللہ تعالیٰ انکی ارواح مطہرہ کو پہنچا دیتا ہے لہٰذا ان کے حالات حیات اور بعد از وفات برابر ہیں۔" پھر کہتے[١] ہیں کہ "اگر نذر مانے کہ میری حاجت بر آئی تو دو سالہ موٹی گائے حضرت غوث الاعظم کی نیاز دوں گا تو اسکا حکم وہی ہے جو کھانے کا حکم ہے اگر نذر اچھے طریقے سے ہے تو کچھ حرج نہیں اور اگر قبیح ہے تو فعل حرام ہے اور حیوان حلال۔" گنتی میں غوث اعظم قطب مکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارھویں کے برابر یہ گیارہ اقوال ہیں امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل) کے تین قول اس سے

حضرت سید احمد کبیر بکنم و ایں قدر طعام نیاز ایشاں مردم را بخورانم اگرچہ دریں نذر گفتگو ست لیکن طعام حلال است و ہمچنیں ست حکم گوشت۔ مثلاً اگر شخصے بگوید کہ دو من گوشت نذر سید احمد کبیر بعد آمدن حاجت خود خواہم خورانید گوشت حلال است و اگر بگوید کہ گوشت گاؤ خواہم خورانید نیز درست است و اگر بہمیں قصد گاؤ را نذر کند نیز رواست چرا کہ مقصودش گوشت است۔ و ہمچنیں اگر گاؤ زندہ بنام سید احمد کبیر کسے را بدہد بطوریکہ نقدی دہند رواست و گوشت آں حلال است۔" ہمدراں نسبت اگر ہمیں طور نذر برائے اولیاء گذشتگاں قدس اللہ اسرارہم کند رواست ایں قدر فرق ست کہ بسبب انتقال از عالم دنیا بعالم برزخ منتفع بنقد و جنس و طعام نمی توانند شد بلکہ ثواب صرف آں اللہ تعالیٰ بارواح مطہرہ ایشاں میرساند پس احوال ایشاں در حالت حیات و بعد ممات برابر است۔" باز میگوید[١١] "اگر نذر کند کہ بشرط برآمدن حاجت خود گاؤ دو سالہ فربہ نیاز حضرت غوث الاعظم خواہد کرد پس حکم ایں مثل حکم طعام ست اگر نذر بطریق حسن است ہیچ خلل نہ و اگر قبیح ست فعلش حرام است، و حیوان حلال۔" ایں یازدہ قول ست بعدد ایام یازدہم شریف حضرت غوث اعظم قطب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و سہ از

پہلے گذر چکے ہیں دو شاہ عبدالعزیز صاحب سے عنقریب آئیں گے اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور راہِ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔

(۷) دن مقرر کرنا

رہا اوقات کا مقرر کرنا جیسے کہ لوگوں میں رائج ہے مثلاً تیجا، چالیسواں، سالانہ اور ششماہی اس کے متعلق میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی امداد سے باطل شکنی کرتا ہوں کہ کسی کام کا وقت مقرر کرنا دو قسم ہے شرعی اور عادی۔ شرعی یہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کا وقت اس طرح مقرر کر دیا کہ دوسرے وقت میں بالکل نہ ہو سکے اور اگر ادا کیا جائے تو وہ شرعی عمل نہ ہو جیسے کہ قربانی کے خاص دن مقرر ہیں یا اس وقت سے تقدیم و تاخیر ناجائز ہو جیسے کہ اشہر الحرم (شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے) حج کے احرام کیلئے (ان اوقات سے قبل گو احرام جائز ہے لیکن مکروہ ہے طحطاوی) یا جو ثواب اس وقت میں ہے دوسری جگہ نہیں ہوگا جیسے کہ عشاء کیلئے رات کا پہلا تہائی حصہ۔ عادی یہ کہ شریعت کی طرف سے عام اجازت ہے جب چاہیں ادا کریں لیکن کام کرنے کیلئے کوئی زمانہ ضرور ہونا چاہیئے غیر معین زمانے میں کام کا ہونا عقلاً ناممکن ہے اس لئے کہ وجود اور تعین لازم و ملزوم ہیں لہٰذا وقت معین کے بغیر چارہ نہیں اور یہ تمام معین اوقات عام اجازت کی بنا پر یکے بعد دیگرے صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک میں کام کر لیا جائے اگر ان میں سے کسی ایک وقت کو کسی مصلحت کی بنا پر اختیار کر لیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ اس وقت کے علاوہ یہ کام صحیح نہیں یا حلال نہیں یا

امام الطائفہ بالا گزشت و دو از شاہ عبدالعزیز صاحب عنقریب می آید و باللہ التوفیق والہدایۃ الی سواء الطریق۔
سخن گفتن مانند از تعیین اوقات کہ در مردمان رائج ست ہمچوں سوم و چہلم و سر سال و ششماہی
اقول و بحول اللہ اصول توقیت یعنی کارے را وقت معین داشتن بر دو گونہ است شرعی و عادی،
شرعی آنکہ شرع مطہر عملے را وقت تعیین فرمودہ است کہ در غیر او اصلا صورت نہ بندد و اگر
بجائے آرند آں عمل شرعی نہ کردہ باشند چوں ایام نحر مر اضحیہ را یا آنکہ تقدیم و تاخیرش
ازاں وقت ناروا باشد چوں اشہر الحرم مر احرام حج را یا آنکہ ثوابیکہ درین ست در غیر او نیابند چوں ثلث لیل مر نماز
عشا را۔ و عادی آنکہ از جانب شرع اطلاق است ہر وقتیکہ خواہند بجا آرند اما حدث را از زمان ناگزیر ست و
وقوع در زمان غیر معین محال عقلی کہ وجود و تعیین مساوق ہمدگر است پس از تعیین چارہ نیست ایں ہم تعینات بر
بنا اطلاق علی وجہ البدلیۃ صالح الایقاع بود از میاں یکے را بربنا مصلحتے اختیار کند بے آنکہ وقت معین را بنائے صحت

ثواب نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ ایسی تقیید سے مقید مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہیں ہوگا اور جو حکم مطلق کا ہوگا وہی اس کے تمام افراد کا ہوگا جب تک کہ کسی فرد خاص سے خصوصاً ممانعت نہ ہو۔ لہٰذا ایسی جگہ جواز کے قائل سے خصوصیت کے ثبوت کی دلیل نہیں مانگنی چاہیئے بلکہ منع کرنے والے کو شریعت سے اس خاص کام کی ممانعت دکھانی چاہیئے تعزیت کے وقت دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کے متعلق طائفہ منکرین کے امام ثانی مولوی اسحٰق صاحب کی عبارت آپ سن چکے ہیں اب اس طائفہ کے معلم اول اور امام معتمد کی سنئے وہ رسالہ "بدعت" میں نغمہ سرا ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ کہ کسی حکم شرعی کا مطلق کی ذات سے تعلق ہو لہٰذا مطلق ذات کے لحاظ سے تمام خصوصی افراد میں اسی حکم کا تقاضا کرے گا اگرچہ بعض افراد میں عوارض خارجیہ کے اعتبار سے مطلق کا حکم مختلف ہوجائے (یہاں تک کہ اس نے کہا کہ) خاص صورت کے حکم کی تحقیق میں جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ خاص صورت جس میں بحث ہے اس کا وہی حکم ہے جو مطلق کا حکم ہے اس نے اصل سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ وہ محتاج دلیل نہیں ہے اس کی دلیل وہی حکم مطلق ہے اور بس الخ حضرت والد مولانا نقی علی خان، قدس سرہ الماجد نے اس نفیس قاعدے کی بے نظیر تحقیق "اصول الرشاد" میں فرمائی ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ ہم پھر مقصود کیطرف متوجہ ہوتے ہیں فاقول (میں کہتا ہوں) اگر اس وقت معین

ف: مطلق کا ثابت ہو جانا خود خصوصیت پر دلیل ہے حاجت نہیں۔

یا مدار حلت یا مناط آثابت دانند پیداست کہ بایں تقیید مقید از فردیت مطلق بر نیاید و حکمے کہ مطلق راست در جمیع افرادش ساری باشد مالم یرد منع من خصوص خصوصا پس ہیچ جا سبیل نہ آنست کہ ثبوت خصوصیت از مجوز جویند بلکہ آنکہ تصریح منع ایں خاص از شرع برآرند عبارت معلم ثانی طائفہ درباره دست برداشتن بدعائے تعزیہ بالا شنیدی واینک معلم اول و امام معول طائفہ در رسالہ بدعت چناں نغمہ سر طریق ثانی آنکہ مطلق بالنظر الی ذاتہ حکمے از احکام شرعیہ متعلق گردد پس مطلق بنظر ذات خود در جمیع خصوصیات ہماں حکم اقتضا می نماید گو در بعض افراد بحسب عوارض خارجیہ حکم مطلق مختلف گردد (الی ان قال) در تحقیق حکم صورت خاصہ کسیکہ دعوی جریان حکم مطلق در صورت خاصہ مبحوث عنہا، می نماید ہمانست متمسک بہ اصل کہ در اثبات دعوی خود حاجت بدلیلے ندارد دلیل او ہماں حکم مطلق ست وبس الخ حضرت والد قدس سرہ الماجد ایں اصل منیف وقاعدہ شریف را تحقیق بالغ و تنقیح بازغ در اصول الرشاد افادہ وارشاد فرمودہ اند آنجا باید جست من باول سخن باز گردم فاقول باز اگر دریں

کو اختیار کرنے کا خود اسی میں کوئی مرجح پایا جاتا ہے تو بہتر ورنہ اگر یہ وقت دوسرے اوقات کیطرح ہی ہے تو فاعل کا ارادہ ہی اس کی ترجیح کیلئے کافی ہے جیسے کہ پیاسے کے سامنے پانی کے دو پیالے ہوں۔ یا کسی آدمی کے سامنے دو راستے (ایک جیسے) ہوں (جسے چاہے اختیار کرلے) بصورت اول (اگر خود وقت میں کوئی مرجح ہو) مصلحت واضح ہے بصورت ثانی تعیین کا کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ اس کام کی یاد دہانی ہوجاتی ہے نیز وہ کام معرض تاخیر والتوا میں واقع نہیں ہوتا۔ ہر عقل مند بخوبی محسوس کرتا ہے کہ جب کسی کام کا وقت مقرر کردیا جائے تو اس وقت کے آنے سے وہ کام یاد آجاتا ہے ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کام رہ ہی جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل ذکر و شغل اور عابد عبادات، اذکار اور اشغال کے اوقات مقرر کرتے ہیں کوئی صبح کی نماز سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ لازماً پڑھتا ہے تو کوئی عشاء کے بعد سو دفعہ ضرور درود پاک پڑھتا ہے اگر اس تعیین کو تعیین شرعی نہ جانا جائے تو ہرگز شریعت کیطرف سے عتاب نہ ہوگا۔ جان برادر! اگر اس طائفہ کے اکابر و عمائد کی تصانیف مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیف "القول الجمیل" اور امام الطائفہ کی صراط مستقیم وغیرہ کیطرف ہی رجوع کرے تو تجھے کئی ایسے تعینات کا پتہ چلے گا جنکا التزام کیا جاتا ہے مگر ان میں تعیین شرعی نہیں پائی جاتی صرف تعینات کا ہونا تو،

وقت معین مرجح حاصل یا اختیار کش فی نفسہ موجود ست فبہا ورنہ ہنگام تساوی ارادہ مختار ترجیح را بسند است چنانکہ در دو جام تشنہ و دو راہ رہرو مشاہدہ کنی علی الاول مصلحت عیان ست وعلی الثانی کم تر ازاں کہ ایں تعیین باعث تذکیر و تنبیہ و مانع تسویف و تفویت باشد ہر عاقل از وجدان خود یابد کہ چوں کارے را وقتے معین نہند آمدن وقت یادش دہد ورنہ بسا باشد کہ از دست رود وازیں ہمیں جاست اوقات معین کردن ذاکرین و شاغلین و عابدین مر ذکر و شغل و عبادت را یکے پیش از نماز صبح صد بار کلمہ طیبہ بر خود گرفتہ است۔ دیگرے پس از نماز عشاء صد بار درود و اگر ایں توقیت شرعی نہ دانند زنہار از شرع معاتب نشوند۔ جان برادر اگر بقول الجمیل شاہ ولی اللہ و صراط مستقیم امام الطائفہ وغیرہما کتب ایں فن کہ اکابر و عمائد طائفہ تصنیف کردہ اند رجوع آرے چیزہا ازیں تعینات ملتزم یابی کہ زنہار از توقیت شرعی نشانے ندارد ہیہات خود از تعیین [illegible]م و اوقات چہ گوئی آنجا تو دہا ست از اعمال و اشغال و طرق و ہیئات محدثہ و مخترعہ کردہ رفتہ و من بالغہ ازانہا اثرے

دُور کی بات ہے تعیین ایام واوقات کی بھی کیا پوچھتے ہو وہاں تو ایسے نوپیدا اعمال، اشغال طریقوں اور ہیئات کے انبار لگے ہوئے ہیں جنکا نام ونشان تک قرون سابقہ میں نہیں خود انہیں انکے جدید اور نوپیدا ہونے کا اعتراف ہے شاہ ولی اللہ صاحب القول الجمیل میں کہتے ہیں "صحبتنا وتعلمنا لآداب الطریقۃ متصلۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان لم یثبت تعین الآداب ولا تلک الاشغال" مولوی خرم علی اس عبارت کے ترجمہ میں کہتے ہیں "ہماری صحبت اور طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک اگرچہ تعیین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں" اھ ملخصا۔ نیز القول الجمیل کے ترجمہ شفاء العلیل میں کہتے ہیں "حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے الخ" اسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیان کرتے ہیں۔ مولانا حاشیے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے الخ" پھر مولوی خرم علی خود کہتے ہیں۔ یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعضے کم فہم سمجھتے ہیں امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل صراط مستقیم

وجہے پیدا نمودہ اند ایشان را باحداث وابتداع آنہا خود اعتراف است۔ شاہ ولی اللہ در قول الجمیل گویند صحبتنا وتعلمنا لآداب الطریقۃ متصلۃ الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وان لم یثبت تعین الآداب ولا تلک الاشغال مولوی خرم علی در ترجمہ ایں عبارت گفت "ہماری صحبت وطریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک اگرچہ تعیین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں اھ ملخصاً ہم در شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل گوید۔ حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے الخ ہم در آں از شاہ عبدالعزیز صاحب آرد مولانا حاشیے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے الخ باز خود میگوید یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعضے کم فہم سمجھتے ہیں"۔ امام الطائفہ در صراط مستقیم سرایند۔

میں کہتے ہیں محققین اکابر طریقت نے تجدید اشغال میں بہت کوششیں کی ہیں اسلئے بہتر معلوم ہوا اور وقت نے تقاضا کیا کہ ایک کتاب نئے اشغال کے بیان کے لیے جو اس وقت کے مناسب ہیں لکھی جائے اور اشغال کی تجدید کی جائے " اھ ملخصاً۔ اور اپنے پیر کے متعلق کہتے ہیں (سید احمد صاحب نے) طریقہ چشتیہ کی تعلیم و تلقین کے لئے بازوئے ہمت کھولا اور ان اشغال کی تجدید کی جن پر یہ مبارک کتاب مشتمل ہے"۔ سبحان اللہ ان لوگوں نے تمہارے قاعدے کے مطابق دین میں نئی چیز پیدا کی اور یقیناً ایسی چیزیں پیش کیں جنکا اثر تک زمانہ سابقہ میں نہ تھا مگر گمراہ اور بدعتی نہ ہوئے بلکہ اسی طرح امام، مقتدائے عرفاء اور علماء رہے دوسرے علماء نے صرف یہ جرم کیا کہ چند پسندیدہ اور ثابت فی الشرع امور کو جمع کر دیا اور جن اوقات میں ان کا کرنا جائز تھا ان میں سے بعض کو معین کر دیا معاذ اللہ وہ اسی سے گمراہ اور بدعتی ہو گئے خدارا انصاف کیجئے (ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند) اس بے جا سینہ زوری کو کیا کہا جائے شاید شریعت تمہارے گھر کی ہے کہ جس طرف چاہا پھیر دیا۔ اے طالب حق تو انہیں حد سے تجاوز اور سرکشی میں ہی رہنے دے اور آثار و احادیث کی طرف متوجہ ہو تاکہ ہم تمہیں کچھ تعینات عادیہ دکھائیں۔ اسی قسم میں سے ہے وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہداء احد کی زیارت کے لئے آخر سال کو مقرر فرمایا۔

"محققان از اکابر طریق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید و وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت است تعین کردہ و تجدید اشغال نمودہ شود اھ ملخصاً و در حال پیر خود گوید" در تلقین و تعلیم طریقہ چشتیہ بازوئے ہمت کشادند و تجدید اشغالے کہ ایں کتاب مستطاب بر آں محتوی گردید فرمودند"۔ سبحان اللہ ایناں کہ بر اصل شما صراحۃً احداث فی الدین کردند و قطعاً چیزہا بر آوردند کہ قرون سابقہ ازانہا خبرے نہ داشتند۔ ضال و مبتدع نباشند بلکہ ہمچناں امام و مقتدائے عرفاء و علماء مانند دیگراں بر ہمیں قدر جرم کہ چند امور محمودہ ثابتہ فی الشرع وقتے معین گرفتند معاذ اللہ گمراہ و بدعتی شوند۔ للہ انصاف ایں تحکم بے جا را چہ گفتہ آید۔ مگر شریعت کارے خانگی شماست کہ ہر سوئے کہ خواہید پہلو گردانید۔ ہاں وہاں اے طالب حق ایناں را در طغیان و عدوان ایناں بگذار و روئے باثار و احادیث آر تا چیزے از تعینات عادیہ بر تو خوانیم ازیں قبیل است آنچہ در حدیث آمد کہ حضور پرنور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم زیارت شہدائے اُحد را سر سال مقرر فرمودند

جیسے کہ عنقریب آئیگا اور مسجد قبا شریف میں تشریف آوری کیلئے ہفتے کا دن مقرر فرمایا جیسے کہ صحیحین
میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے اور شکر رسالت کے طور پر روزہ رکھنے کیلئے پیر کا دن مقرر فرمایا
جیسے کہ مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مشورہ کیلئے صبح وشام کا وقت جیسے کہ صحیح بخاری میں ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا،
کی روایت سے ہے اور سفر جہاد کے لئے جمعرات کا دن جیسے کہ بخاری شریف میں بروایت کعب بن مالک
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور طلب علم کے لئے دوشنبہ کا دن جیسے کہ ابو الشیخ ابن حیان اور دیلمی کے نزدیک
بروایت ابن مالک سند صالح سے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ ونصیحت کے لئے جمعرات
کا دن مقرر فرمایا جیسے کہ صحیح بخاری میں بروایت ابی وائل اور علماء سبق شروع کرنے کے لئے بدھ کا دن
مقرر فرماتے ہیں جیسے کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی کتاب تعلیم المتعلم میں ہے انہیں امام برہان الدین
مرغینانی صاحب ہدایہ نے اپنے استاذ سے روایت کیا اور کہا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اسی طرح کرتے تھے صاحب تنزیہ الشریعہ نے فرمایا اسی طرح اہل علم کرتے تھے یہ سب توقیت عادی کی مثالیں
ہیں حاشا وکلا کہ سید السادات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی مراد یہ ہو کہ سوائے انتہائے سال کے زیارت نہیں ہوتی

کما سیأتی وآمدن مسجد قبا را روز شنبہ کما فی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وروزہ شکر
رسالت دوشنبہ کما فی الصحیح مسلم عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ وباصدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشاورۃ دینی
را صبح وشام کما فی صحیح البخاری عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ عنہا وانشائے سفر جہاد را پنجشنبہ کما فیہ
عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وطلب علم را دوشنبہ کما عند ابی الشیخ ابن حیان والدیلمی بسند صالح عن ابن
مالک رضی اللہ عنہ وعبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعظ وتذکیر را روز پنجشنبہ کما فی صحیح البخاری عن ابی وائل
وعلماء بدایت درس را روز چہار شنبہ کما فی تعلیم المتعلم للامام برہان الاسلام الزرنوجی حکایت کردش
از استاذ خود امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ وگفت ہکذا کان یفعل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ صاحب تنزیہ الشریعہ فرمود وکذا کان جماعۃ من اہل العلم ایں ہمہ ہا از باب توقیت عادی است حاشا
کہ مراد سید الاسیاد علیہ افضل الصلاۃ من الملک الجواد آں باشد کہ زیارت جز بر منتہائے سال زیارت
نیست یا روا نباشد یا اجر عظیمے کہ ایں روز بر بندہ نوازی وامت پروری وتشریف مزارات شہدائے

یا ناجائز ہے یا بندہ نوازی امت پروری اور اقدام مبارکہ سے شہدائے کرام کے مزارات کو تشرف بخشنے سے جو اجر عظیم سرور عالم سید الکونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جاتا ہے دوسرے وقت میں نہیں عطا ہوگا۔ اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہفتے کے علاوہ تقریر تقریر ہی نہ ہوگی یا ناجائز ہے یا دوسرے دن یہ ثواب نہ ملے گا یا شریعت مطہرہ نے یہ تعیین فرمائی ہے حاشا وکلا ہرگز یہ مقصد نہ تھا بلکہ آپ نے اس عادت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ ہر ہفتے میں مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرمائیں اور دن معین کرنے سے طالبانِ خیر کا جمع ہونا آسان ہوگا باقی امور میں بھی تعیین اسی طرح ہے ان میں سے بعض میں الگ مرجح موجود ہے۔ جیسے پیر کے دن آپ کا مبعوث ہونا اور علم نبوت کا حاصل ہونا اور جمعرات کی صبح کا خیر وبرکت والی ہونا اور بدھ کے دن ابتدا کرنے سے تکمیل کی توقع ہونا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو چیز بدھ کے دن شروع کی جائے وہ مکمل ہو کر رہتی ہے بعض دیگر امور میں صرف ترجیح ارادی ہوتی ہے کہ اس میں کم از کم یاد دہانی اور آسانی والی مصلحت ضرور ہے جیسے۔ چالیسویں ششماہی اور انتہائے سال کی تعیین عادی تعیین ہی کی قسم ہے بعض میں کچھ مصلحت خاص ہوتی ہے اور یہ بعض میں یاد دہانی اور آسانی کے پیش نظر معین کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اصطلاح میں کسے اعتراض ہو سکتا ہے

کرام بتراب اقدام برکت نظام نصیب آں شاہ عالم پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کنند دیگر نہ کنند ہمچناں مقصود ابن مسعود آں نہ بود کہ جز بروز پنجشنبہ وعظ نیست یا در غیر او جواز نے یا روز دیگر ایں اجر مفقود یا شرع مطہر ایں تعیین نمود۔ حاشا للہ بلکہ ہمیں عادتے التزام فرمودہ تا ہر ہفتہ بتذکیر مسلماناں پردازد و تعیین یوم طالبان خیر را بآسانی جمع وفراہم سازد ہمبریں قیاس در امور باقیہ آری در بعضے ازانہا مرجحی جداگانہ حاصل ست ہمچو وقوع بعثت وحصول علم نبوت در روز دوشنبہ و عظیم برکت در بکور پنجشنبہ ورجائے اتمام در بدایت چارشنبہ کہ حدیثے ذکر کنند ما من شیئ بدئ یوم الاربعاء الا تم و در بعضے دیگر ہمیں ترجیح ارادی ست کہ مصلحت دردے کم از تذکیر وتیسیر نیست ہم ازیں باب ست تعینات مردم در سوم و چہلم و ششماہ و سرسال کہ بعضے مصلحتے خاص دارد و بعض آخر بقصد آسانی و یاد دہانی معتاد و معہود گردید و لا مشاحۃ فی الاصطلاح۔ اینجا کلام مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کہ امام الطائفہ را عم نسب و پدر علم وجد طریقت بود ز شنیدن دارد۔ در تفسیر عزیزی زیر قولہ عز وجل والقمر اذا اتسق

اس جگہ امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کے نسب میں چچا علم میں باپ اور طریقت میں دادا مولانا
شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی کلام سننے سے تعلق رکھتی ہے تفسیر عزیزی میں آیۂ مبارکہ
والقمر اذا اتسق کے تحت فرماتے ہیں حدیث میں وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں ڈوبنے والے کیطرح
ہے جو کسی فریادرس کا منتظر رہتا ہے۔ اس وقت میں دعائیں، صدقے اور فاتحہ بہت مفید ہیں اسی لئے
لوگ ایک سال تک خصوصاً مرنے کے بعد چالیس دن تک اسی قسم کی امداد کی پوری کوشش کرتے ہیں"
کمال یہ کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیران عظام اور آباء کے عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے
اور ان کے سامنے نیک لوگوں کی قبروں پر لوگ آپ کی تجویز و تائید سے جمع ہوتے فاتحہ خوانی کرتے اور
طعام وشیرینی تقسیم کرتے جیسا کہ عام سجادہ نشینوں میں جاری ہے مفتی عبدالحکیم پنجابی نے شاہ صاحب پر
وہی بے بنیاد اعتراضات کئے جو حضرات منکرین کرتے ہیں اور شاہ صاحب پر زبان طعن وتشنیع دراز کی اور
لکھا۔ وہ لوگ جن کے افعال ان کے اقوال کے مطابق نہیں وہ اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر فرض کی
طرح لازم جان کر سال بسال قبر پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں طعام وشیرینی تقسیم کرکے قبروں کو پرستش
کردہ شدہ بت بنادیتے ہیں اھ ملخصاً۔ شاہ صاحب رسالہ ذبیحہ مطبوعہ زبدۃ النصائح میں اس طعن کا

فرمودہ وارد ست کہ مردہ دریں حالت مانند غریقے ست کہ انتظار فریادرسی می برد وصدقات
وفاتحہ دریں وقت بسیار بکار می آید وازیں ست کہ طوائف بنی آدم تا یک سال وعلی الخصوص تا یک چلہ از
موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند اھ۔ ولطیفہ تر آنکہ شاہ صاحب موصوف عرس پیران و
پدران خود شاں باہتمام تمام بجا می آوردند وپیش ایشاں بر قبور درویشاں اجتماع مردم فاتحہ خوانی و
تقسیم طعام وشیرینی بتجویز وتقریر ایشاں می شد چنانکہ در عامہ اہل سجادہ جاری وساری ست
مفتی عبدالحکیم پنجابی بریں افعال شاہ صاحب ہماں شبہات واہیہ کہ
حضرات منکرین بکار می برند برشاہ صاحب زبان مطاعن وشتائم کشود ورقم نمود
کسانیکہ اقوال اینہا مطابق افعال شاں نیستند، عرس بزرگان خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بسال
برمقبرہ اجتماع کردہ طعام وشیرینی درانجا تقسیم نمودہ معابد براوثان لیبد می کنند اھ ملخصاً
شاہ صاحب دررسالہ ذبیحہ مطبوعہ زبدۃ النصائح بپاسخ ایں طعن فرمایند

جواب فرماتے ہیں **قولہ** عرس بزرگان خود الخ یہ طعن اس شخص کے حالات سے بےخبری پر مبنی ہے
جس پر طعن کیا گیا ہے اس لئے کہ کوئی شخص بھی مقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ کسی چیز کو فرض نہیں
جانتا ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت ان سے تبرک حاصل کرنا ثواب اور تلاوت قرآن کے
ہدیہ سے ان کی امداد کرکے دعاء خیر کرنا اور طعام و شیرینی تقسیم کرنا بہتر اور خوب ہے ۔ علماء کے اتفاق
سے اور عرس کے دن کو اس لئے معین کیا جاتا ہے کہ وہ دن ان حضرات کے دُنیا سے آخرت کیطرف
انتقال کی یاد دہانی کرتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو ذریعۂ نجات و کامیابی ہے بعد والوں پر لازم ہے
کہ اپنے سلف پر اس طرح کے احسان کریں پھر انتہائے سال کی تعیین اور اس کے التزام پر شاہ صاحب نے
حدیث شریف سے دلیل پیش کی کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
کی کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی احدا کل عام فاذا ابلغ الشعب سلم علی
قبور الشھداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار" یعنی حضور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لے جاتے جب پہاڑ کے درے پر پہنچتے تو شہداء کی قبر پر سلام کہتے اور فرماتے
تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلامتی ہو دار آخرت کیا ہی اچھا ہے ۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں محمد بن ابراہیم

قولہ عرس بزرگان خود آہ ایں طعن مبنی ست بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض
شرعیہ مقررہ را ہیچ کس فرض نمیداند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشاں بہدیۂ
ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین
روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں
عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم ست کہ سلف خود را بایں نوع بر و احسان
نماید باز تعیین ہر سال و التزامش را سند از احادیث آوردند کہ ابن المنذر و ابن مردویہ از انس بن
مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کردند ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأتی احدا کل عام
فاذا ابلغ الشعب سلم علی قبور الشہداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار یعنے حضور سید عالم صلی اللہ
علیہ وسلم ہر سال باحد تشریف ارزانی میداشت چوں بدرۂ کوہ می رسید بگور شہیداں سلام میکرد و میفرمود سلام باد شما بہ
شکیبائی شما پس چہ نیکو ست سرائے آخرت و امام ابن جریر در تفسیر خودش از محمد بن ابراہیم روایت

سے روایت کی انہوں نے کہا "النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم
بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمان" یعنی سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں شہداء
کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم الآیۃ۔ آپ کے بعد حضرت صدیق و فاروق اور
ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی طرح کرتے تھے تفسیر کبیر میں ہے "عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انہ کان یأتی قبور الشہداء رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم
عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون" یعنی حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں
مزارات شہداء پر جلوہ افروز ہوتے اور آیت مذکورہ پڑھتے اسی طرح حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کرتے تھے الحاصل حق یہ ہے کہ تخصیصات مذکورہ (تیجا چالیسواں) تمام تعینات عادیہ ہیں کہ ہرگز جائے
طعن وملامت نہیں ہیں صرف اتنی بات کو حرام و بدعت کہنا واضح جہالت اور خطائے فاش ہے شاہ عبدالعزیز
صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی مرحوم نے اپنے فتویٰ میں کیا خوب انصاف کی بات کہی ہے اس
کی عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے "سوال بزرگوں کی فاتحہ میں کھانے کی تخصیص جیسے کہ امام حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھچڑا اور عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحہ میں توشہ اسی طرح کھانے والوں کی تخصیص کا

مود وقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم یاتی قبور الشہداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر
وعمر وعثمان۔ یعنی سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سر ہر سال بر خاک شہداء قدم رنجہ میفرمود ومی گفت سلام علیکم الآیۃ
بعدہ حضرت صدیق و فاروق وذی النورین نیز ہمچناں میکردند رضی اللہ تعالیٰ عنہم و در تفسیر کبیر ست عن رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء
الاربعۃ ہکذا یفعلون یعنی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ہر سال بر مزار شہداء می شد وآیہ مذکورہ میخواند
وہمچناں حضرات خلفاء اربعہ میکردند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بالجملہ حق آنست کہ تخصیصات مذکورہ ہمہ تعینات
عادیہ است کہ زنہار جائے طعن وملامت نیست ایں قدر را حرام و بدعت شنیعہ گفتن جہلے ست صریح و
خطائے قبیح۔ شاہ رفیع الدین مرحوم دہلوی برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب در فتوائے خودش چہ خوش
سخن انصاف گفتہ عبارتش چناں آوردہ اند "سوال، تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگان مثل کھچڑا در فاتحہ
امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتوشہ در فاتحہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیر ذالک وہمچناں تخصیص خورندگان

کیا حکم ہے جواب:۔ فاتحہ وطعام بلاشبہ مستحسن ہے تخصیص، تخصیص کا اختیاری فعل ہے جو منع کرنے کا باعث
نہیں بن سکتا یہ تخصیصات عرفیہ اور عادیہ ہیں جو خاص مصلحتوں اور مخفی مناسبتوں کی بنا پر ابتداءً ظاہر ہوئیں
اور رفتہ رفتہ عام ہوگئیں الخ میں کہتا ہوں سے کہ اگر یہاں کوئی بھی دینی مصلحت نہ ہو تاہم مصلحت کے نہ ہونے
کو خرابی کا ہونا لازم نہیں تاکہ اس کام کا انکار کیا جاسکے ورنہ مباح کہاں جائیگا امام احمد نے مسند میں سند
حسن سے ایک صحابیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
وصیام السبت لا لكِ ولا علیكِ ہفتے کے دن کا روزہ نہ تیرے لئے اور نہ تجھ پر علماء نے اس کی شرح
میں فرمایا:۔ لا لكِ فیہ مزید ثواب ولا علیكِ فیہ ملام ولا عتاب نہ تیرے لئے اسمیں زیادتی
ثواب ہے اور نہ تجھ پر اسمیں ملامت وعتاب ہے واضح ہوگیا کہ اگر کسی مخصص کے بغیر تخصیص مفید نہیں
تو نقصان دہ بھی نہیں (ہمارا بھی) یہی مقصد ہے ہاں ہر وہ عام آدمی (خاص آدمی صاحب علم ایسا گمان
رکھے گا ہی نہیں) کہ اس تعیین عادی کو تعیین شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان دنوں کے علاوہ ایصال ثواب
ہو ہی نہیں سکتا یا جائز نہیں یا ان دنوں میں ثواب زیادہ ہے تو وہ غلط کار جاہل ہے اور اس گمان میں
جھوٹا اور خطاوار ہے لیکن صرف اتنا گمان معاذ اللہ اصل ایمان میں خلل پیدا نہیں کرتا۔ اور نہ ہی قطعی عذاب

چہ حکم دارد جواب: فاتحہ وطعام بلاشبہ از مستحسنات ست وتخصیص کہ فعل مخصص است باختیار اوست
کہ باعث منع نمی تواند شد ایں تخصیصات از قسم عرف وعادت اند کہ بمصالح خاصہ ومناسبت خفیہ ابتداءً بظہور
آمدہ ورفتہ رفتہ شیوع یافتہ الخ اقول بلکہ اگر اینجا خود ہیچ مصلحتے دینی نباشد تاعدم مصلحت وجود مفسدت
نیست کہ موجب انکار ایں کار شود ورنہ مباح کجا رود امام احمد در مسند بسند حسن از خاتونے صحابیہ رضی اللہ تعالےٰ
عنہا راوی است حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم فرمود "وصیام السبت لا لكِ ولا علیكِ" روزہائے
روز شنبہ نہ مر تراست نہ بر تو علماء در شرحش فرمایند "لا لكِ فیہ مزید ثواب ولا علیكِ فیہ ملام و
لا عتاب" نہ ترا در وے افزونی ثوابے نہ بر تو در وے ملامتے وعتابے۔ روشن شد کہ تخصیص
بے مخصص اگر نافع نیاید مضر ہم نباشد وہو المراد آرے ہر عامی کہ ایں تعیین عادی را توقیت شرعی داند وگمان برد
کہ ایصال ثواب در غیر ایں ایام صورت نہ بندد یا روا نہ باشد یا ثواب ایں ایام از ایام دیگر اتم ست وافر بلاشبہ غلط کار وجاہل ودر ایں
گمان خاطی ومبطل ست اما ایں قدر گمان معاذ اللہ در اصل ایمان خلل نیارد نہ موجب عذاب قطعی ووعید حتمی گردد۔۔۔

اور یقینی وعید کا موجب ہے جیسے کہ امام الطائفہ تقویت الایمان میں اعتقاد رکھتا ہے اور اسکی یہ کھلم کھلا جہالت
اس عام آدمی کی جہالت سے بدرجہا بدتر ہے اس جاہل کا گمان جہالت وحماقت سے زائد نہیں مگر تقویت الایمان
کا فیصلہ پرلے درجے کی گمراہی اور اعتزال ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحمید اس جگہ بھی بے وقوفی کم عقلی
اور خرد کی کمی میں امام الطائفہ کا حصہ ظاہر ہے انہیں یہ گذارش کیجائیگی کہ صاحب علم جاہل کیطرح نہیں ہوتا
(عالم کی غلطی زیادہ قبیح ہوتی ہے) اسی طرح عوام جہلانے ایصال ثواب کے بارے میں جو ناپسندیدہ امور
پیدا کر رکھے ہیں مثلاً دکھلاوا - چرچا اور تفاخر مال داروں کو جمع کرنا اور فقراء کو منع کرنا ایسے ہی تیجے میں ایک جماعت
ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے اور تمام لوگ بلند آواز سے قرآن مجید سے پڑھتے ہیں اور قرآن مجید سننے کے فریضے کو
ترک کر دیتے ہیں یہ تمام باتیں ممنوع مکروہ اور ناروا ہیں علما کو چاہیئے کہ زائد خرابیوں پر لوگوں کو تنبیہ کریں نہ کہ
زبان کی تیزی اور روانی کے سہارے سے اصل کام ہی کو ختم کر دیں جیسے کہ اکثر عوام نماز میں خصوصاً نوافل جنہیں
وُہ تنہا ادا کرتے ہیں ارکانِ نماز کو آہستہ آہستہ ادا نہ کرنے اور دیگر ممنوعات کے عادی بن جاتے ہیں اس بنا پر
انہیں نماز ہی سے نہ روکا جائے گا بلکہ ان ناپسندیدہ عادات سے روکنا اور ڈرانا چاہیئے اور نماز ادا کرنے
کا شوق و رغبت دلانا چاہیئے یہ مختصر تقریر اور قول فیصل مخالفین کے خواص اور اسطرف کے بعض عوام'

چنانکہ امام الطائفہ در تقویت الایمان اعتقاد دارد و ایں جہالت فاحشہ او از جہل آں عامی بدرجہا بدتر ست
آں از جہلے و جزافے بیش نیست و ایں ضلال بعید و اعتزال شدید ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحمید اینجا
نیز حصہ امام الطائفہ در سفہ و سخافت و حمق و جزافت پیدا است یقال لہم لیس من یعلم کمن لا یعلم ہمچناں آنچہ
عوام جہلہ در باب ایصال ثواب امور مستنکرہ احداث کردہ اند مثلاً ریا و سمعہ و تفاخر جمع اغنیاء و منع فقراء
و آنکہ در سوم جماعتے یکجا نشستہ ہر ہمہ قرآن بجہر خوانند و فریضہ استماع از دست دہند ایں ہمہ ممنوع
و محظور و مکروہ و محذور ست علما را باید کہ بر مفاسد زوائد سرزنش کنند نہ آں کہ باطلاق لسان و سلاطت
زبان اصل کار را برہم زنند چنانکہ بسیارے از عوام در نماز خصوصاً نوافل کہ تنہا گزارند بعدم مراعات
تعدیل ارکان وغیرہ محظورات عدیدہ خو کردہ اند ایں معنی مستلزم نہی از نماز نباشد بلکہ از ایں
خصائل شنیعہ تحذیر و ترہیب می باید کرد و بر ادائے نماز تحریص و ترغیب اینست سخن مجمل و قول فیصل
کہ خواص آنسو و بعض عوام ایں سو ہر دو را گراں آید اما چہ تواں کرد کہ حق این ست و از حق نشاید،

دونوں کو ناگوار ہوگا لیکن کیا کیا جائے کہ حق یہی ہے اور حق سے راہِ فرار نہیں اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت فرمانے والا ہے وصلے اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

گزشت۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد والصلوٰۃ والسلام علی المولی الجواد محمد وآلہ وصحبہ الامجاد واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ جل مجدہٗ اتم

کتبــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت امین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کرکے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو لِلّٰہ بخشا ان روحوں میں تقسیم ہو جاویگا؟ یعنی فی روح دو پارے پہنچیں گے یا فی روح کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچیگا اور نتیجہ اسکا دنیا میں ملے گا یا عقبیٰ میں۔ دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟

الجواب

اللہ عزوجل کے فضل سے امید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچیگا رد المحتار میں ہے سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاہل المقبرۃ الفاتحۃ ہل تقسیم الثواب بینہم او یصل لکل منہم مثل ثواب ذالک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وہو اللائق بسعۃ الفضل۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق فتاوی فقیر میں ہے نتیجہ ملنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا ورحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنا دیتی ہے۔ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے کام میں اللہ کی نیت چاہیئے دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے۔ دعا کرے کہ الٰہی جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین ومسلمات کو پہنچائے مسلک متقسط میں ہے یقرء ماتیسر لہ من الفاتحۃ والاخلاص سبعا او ثلاثا ثم یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأناہ الی فلان او الیھم محیط وتتارخانیہ وشامیہ میں ہے۔ الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانہا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیئ۔

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۲۰۶)

ہر یکے بآواز بلند اندوہگین اے اہل و اولادِ من و نزدیکان من مہربانی کنید بر ما بصدقہ"۔ اسی میں ہے شیخ[1] جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔ اکثرے کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں تو صاحب مائۃ مسائل کا مطلقاً ان کی طرف ضعف کی نسبت کرنا کہ "ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند" کذب و افترا ہے یا جہل واجترا اور استناد[2] کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر جیسا کہ صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید و سفہ بعید ہے حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے غیر عقائد و احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے۔ ہمارے ائمہ کرام حنفیہ و جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بین اور مبرہن ہے ولکن الوہابیۃ قوم یجہلون طرفہ یہ کہ خود صاحب مائۃ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگان خاندانِ دہلی [ظاہر۱۲] جناب مولانا [دلائل سے ثابت۱۲] شاہ عبد العزیز صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب [تعجب۱۲] نے اپنی تصانیف کثیرہ میں تو وہ وہ روایات غیر صحاح و روایات طبقہ اربعہ اور ان سے بھی نازل تر [کم مرتبہ۱۲] سے استناد کیا ہے جیسا کہ ان کتب کے ادنیٰ مطالعہ سے واضح و مبین ہے ولکن النجدیۃ یجحدون [جانتے ہوئے حق کا انکار کرتے ہیں۱۲] الحق وھم یعلمون۔ امام اجل عبد اللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک ابونعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی و ہذا لفظ ابن المبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح فیہا [دوسرے ابن مبارک کے لفظ ہیں۱۲]۔ بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کر دیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔ ابوبکر کی روایت یوں ہے فاذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الصدور میں انہیں اکثر اوقات کے متعلق مختلف حدیثیں نقل کی ہیں اگرچہ اکثر ضعف سے خالی نہیں ۱۲

[2] یعنی یہ کہنا کہ حدیث مرفوع متصل السند ہی سے استدلال ہو سکتا ہے اور صحیح حدیثیں صرف صحاح ستہ ہی میں ہیں نادانی ہے ۱۲

اتیانُ الارواح لدیارهم بعد الرواح

۱۳۲۱ھ

بسمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جس وقت سے روح انسان کی جسم سے پرواز کرتی ہے بعد اس کے پھر بھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ۔ ہوتی ہے یا نہیں اور کون کون دن روح اپنے مکان پر آیا کرتی ہے اور اگر آتی ہے تو منکر اس کا گنہ گار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس گناہ میں شامل ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

خاتم المحدثین شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں[۱] "مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میت نفع میکند اور ابے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است دراں احادیث صحیحہ خصوصاً آب وبعضے از علما گفتہ اند کہ نمیرسد میت را مگر صدقہ ودعا ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر میکند کہ تصدق میکنند از وے یا نہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ الاسلام کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں۔ در غرائب[۲] وخزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہائے خود را ہر شب جمعہ وروز عید وروز عاشورہ وشب براۃ پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندا میکند

---

[۱] میت کے اس جہان سے جانے کے بعد مستحب ہے کہ اسکی طرف سے سات دن تک صدقہ دیا جائے علماء کا اسمیں اتفاق ہے کہ صدقہ میت کیطرف سے دینا فائدہ مند ہے اسکے متعلق صحیح احادیث وارد ہیں خصوصاً پانی کے متعلق بعض علما کہتے ہیں کہ میت کو صرف صدقہ ودعا کا ثواب پہنچتا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح جمعہ کی رات کو اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکیطرف سے خویش واقارب صدقہ کرتے ہیں یا نہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲۔ [۲] غرائب اور خزانہ میں ہے کہ مومنوں کی روحیں ہر جمعہ کی رات کو عید اور عاشورہ کے دن اور شب برات اپنے گھر آتی ہیں اور دروازے سے باہر کھڑی ہو کر غم واندوہ کے لہجے میں بلند آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو اے میرے بچو اور اے میرے عزیزو مجھ پر صدقے کے ذریعے مہربانی کرو۔ ۱۲۔

بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم نے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں کہا:- نعم اما المؤمنون فان ارواحهم فی الجنة وهی تذهب حیث شاءت بے شک مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انہیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں ابن مبارک کتاب الزہد و ابوبکر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین بے شک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔ ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی قال بلغنی ان ارواح المؤمنین مرسلة تذهب حیث شاءت مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے رجح ابن عبد البر ان ارواح الشهداء فی الجنة وارواح غیرهم علی افنية القبور فتسرح حیث شاءت امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور[میدان ۱۲] پر جہاں چاہیں آتی، جاتی ہیں۔ علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:- ان الروح اذا انخلعت من هذا الهیکل و انفکت من القیود بالموت تجول الی حیث شاءت بے شک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں[گشت ۱۲] کرتی ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی تذکرۃ الموتیٰ میں لکھتے ہیں[۱] "ارواح ایشاں (یعنی اولیاء کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند" خزانۃ الروایات میں ہے:- عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص لیلة الجمعة وتنتشر واجاءوا الی مقابرهم ثم جاءوا فی بیوتهم بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی ہیں پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔ دستور القضاۃ مستند صاحب مائۃ مسائل میں فتاوے امام نسفی سے ہے ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلة الجمعة ویوم الجمعة فیقومون بفناء بیوتهم ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حزین یا اهلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقة واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا الخ بے شک مسلمانوں کی

---

[۱] اولیاء کی روحیں زمین آسمان اور بہشت میں سے جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں ۱۲

رُوحیں ہر روز و شبِ جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑے ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو
اے میرے بچو اے میرے عزیزو ہم پر صدقہ سے مہر کرو ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ
نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اذا کان
یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشورا ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات و
یقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا
ھل من احد یذکر غربتنا الحدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ، یا
عاشورے کا دن یا شبِ برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی
ہیں۔ ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے۔ ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے۔ ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے اسیطرح
کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول یہ مسئلہ کہ نہ عقاید کا ہے نہ فقہ کے حلال و حرام کا ایسی
جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتی ہیں نہ کہ اس قدر کثیر و وافر۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفا
فی تخریج احادیث الشفاء زیر رثائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ لم اجدہ
فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی
ضمن حدیث طویل وکفی بذالک سندًا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام
یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے
ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں
باقی رہا ضلال حال کے شیخ الضلال[1] گنگوہی کا براہین قاطعہ میں زعمِ باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقاید کا
ہے اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری
و صحیح مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں تو وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم میں مردود ہوں گی کہ
ان روایات[2] میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کر لیے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لما امر اللہ
بہ ان یوصل میں چار ورق سے زائد پر یہی اجمر بہ انحو کہ طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ کیا ہے سخت
مزین و ملمع ۱۲
الشرح نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا اسے قطع کرنیوالی کتاب ۱۲

---

[1] مولوی رشید احمد گنگوہی جنکے اقوال براہین قاطعہ کی سطروں میں جمع کئے گئے ۱۲ [2] یعنی براہین قاطعہ میں مبلغ علم صرف اس بات پر ختم کر دیا کہ ان روایات میں عمل کی بات نہیں
بلکہ عقیدے کا تذکرہ ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ عمل موضوع سخن ہے تو صرف عمل کی بات ہوگی نہ کہ فضائل اعمال کی حتیٰ کہ متواتر اور مشہور کے علاوہ کسی حدیث کو تسلیم کر لیا جائے ۱۲

جہالت فاحشہ ہے اقول ۔ اگر جملۂ خبریہ[۱] جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو اگرچہ اسے نفیاً و اثباتاً کسی طرح عقاید میں دخل نہ ہو نافی یا مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی محتمل نہ ہو سب باب عقاید میں داخل ٹھہرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نامقبول ٹھہریں تو اولاً[۲] سیر و مغازی و مناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد و دریا برد ہو جائیں ۔ حالانکہ علمار تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح درکنار ضعاف بھی مقبول سیرت انسان العیون میں ہے لا یخفی[۲] ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع وقد قال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوہا تساہلنا ۔ اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ملاحظہ ہو۔ یہی دیکھئے رثائے مذکور امیر المومنین کیا فضائل اعمال سے تھا ۔ وہ بھی آخر علم سے ہے جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علما کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی ثانیاً علم رجال مردہ ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل و فضل ۔ عمل اور غیر قطعیات سب باطل و مہمل ۔ ثالثاً دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں ۔ رابعاً عقاید و اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے کہ احکام حلال و حرام میں کیا اعتقاد حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کیلئے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود اور جب حلال و حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں ۔ خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم ۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی بالاجماع خود مقبول ماننا ہے ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے ۔ اس پر یہ ثواب جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقاید سے ہے اور عقاید میں صحاح ظنیات مردود ۔ سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی ۔ انہوں نے بخاری و مسلم بھی رد کردیں ۔ جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے ع قدم عشق پیشتر بہتر ۔ سابعاً ختم الہی کا ثمرہ دیکھئے اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو باب فضائل سے (یعنی ان کے بزعم فہم) نکلوا کر

---

[۱] یعنی اگر ہر قول کیلئے خبر مشہور یا متواتر ہی درکار ہو اسکے علاوہ بخاری و مسلم کی روایت بھی مسلم نہ ہو جائے وہ قول عقائد سے متعلق ہو یا فضائل اعمال سے خواہ اسکے مثبت و منکر کسی کو بھی گمراہ نہ کہا جاسکے تو اس پر ساتا اعتراضات ہونگے اس کے بعد ملاحظہ ہوں ۱۲ [۲] مخفی نہ رہے کہ سیر صحیح اور سقیم ضعیف مرسل منقطع اور معضل پر مشتمل ہوتی ہیں نہ کہ موضوع پر امام احمد اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ جب ہم حلال و حرام کے متعلق روایت کرتے ہیں تو ہم شدت اختیار کرتے ہیں اور جب ہم فضائل کے متعلق روایت کرتے ہیں تو نرمی اختیار کرتے ہیں ۱۲

اس سنگ نائے اعتقادیات میں داخل کرایا تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعتِ علمِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں اور دین و ہیں ادبی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ عظیم کی تنقیص کو محض ایک بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اسے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرمایا تھا کہ "ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است" (یہ بات کچھ اصل نہیں رکھتی اور اس کی روایت صحیح نہیں) غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ، حضور کی تنقیص فضائل کے لئے بے اصل و بے سند و بے سرو پا حکایت مقبول و محمود اور پھر دعویٰ ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود انا للہ و انا الیہ راجعون کذالک یطبع اللہ علیٰ کل قلب متکبر جبار۔ بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقاید سے نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہیئے اس کے لئے اتنی سندیں کافی و وافی منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے۔ اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پا سکتے اور اگر دعوائے نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدمِ ثبوت ہے نہ کہ ثبوتِ عدم اور بے دلیلِ عدم ادعائے عدم محض تحکم و ستم آنے کے بارے میں تو اتنی کتب و علما کی عبارات اتنی روایات ہیں بھی نفی و انکار کے لئے کون سی روایت ہے کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل ہے کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرفِ مقابل پر روایات موجودہ صرف بربنائے ضعف مردود اور اپنی طرف روایت کا نام نہ نشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان۔ روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً و اثباتاً اسی باب سے ہوگا۔ اور دعویٰ نفی کیلئے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقاید میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف سے ضروریات میں سے کہ اصلاً حاجتِ دلیل مفقود۔ ولکن الوھابیۃ لا یعقلون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین آمین

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ فقط۔

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد النبی الامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان

بنام حضرت مولینا شاہ عبدالسلام جبل پوری قدس سرہ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بگرامی ملاحظہ ذی الفضائل الانسیۃ والفواضل القدسیۃ المنزہ عن الرذائل الانسیۃ حامی السنن ماحی الفتن الدینیۃ مولانا و بالفضل اولانا مولانا مولوی شاہ عبدالسلام صاحب سلمہ السلام عالی المناقب وشامخ المناصب آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اعز اللہ شانکم ورفع مکانکم وابلج برہانکم :۔

برادر بجان برابر مولوی حسن رضا خان سلمہ الرحمٰن کا خط ۲۶ ذی الحجہ کا لکھا ہوا مکہ معظمہ سے یکشنبہ گذشتہ کو آیا تھا جس میں صرف اس قدر تھا کہ عن قریب بعونہ تعالیٰ مدینہ طیبہ حاضر ہونے والے ہیں مگر تعیین تام نہ تھی، خیال تھا کہ اس یکشنبہ کو کوئی خط آئے مگر نہ آیا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل اگر خط آجاتا تو حساب ہو سکتا کہ واپسی بالخیر کب تک ہوگی، اب ایک مجمل حالت ہے دعائے خیر فرمائیں۔

حضرتِ بابرکت جناب سید محمد محب اللہ صاحب زعبی دمشقی جیلانی کہ اولادِ امجاد حضور پُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں اور اس فقیر احقر کے حال پر کمال کرم فرما ہیں، پہلے سے تشریف لائے ہیں، یہ بھی میرے حجاج سلمہم اللہ تعالیٰ کے استقبال کو میری طرح بمبئی تشریف لے جانے والے ہیں، میں دو ایک روز خط کا انتظار کرکے چلوں گا، اگر نہ آیا یا آیا اور حساب سے وقفہ پایا تو بعونہ تعالیٰ ضرور حاضر جبل پور ہو کر دو ایک روز جناب کی زیارت سے شرف اندوز ہوتا ہوا بمبئی جاؤں گا اور اگر خط آیا جس سے ظاہر ہوا کہ اب بالخیر فوراً بمبئی پہنچنا چاہیئے تو جناب کو بذریعہ تار اطلاع دے دوں گا کہ براہِ راست بمبئی جاتا ہوں۔ والسلام مع الاکرام، بجملہ احباب اہل سنت سلام سنۃ الاسلام۔

فقیر احمد رضا قادری، شب ۱۴ صفر مظفر ۱۳۲۶ھ لیلۃ الاثنین

مجدد: صحیح حدیث میں بروایت حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ مروی، رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلیٰ رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا [1]

"بے شک اللہ تعالےٰ اس اُمّت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو قائم کرے گا جو اس دین کو از سرِ نو نیا کر دے گا"

علامہ حفنی حاشیہ سراج المنیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے شیخ نے فرمایا کہ حفاظ کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے"

جن محدثین نے اس کی صحت کی تصریح فرمائی ان میں علامہ ابو الفضل عراقی اور علامہ ابنِ حجر متأخرین

---

[1] رواہ ابو داؤد والحاکم فی المستدرک والبیہقی فی المعرفۃ، ذکرہ الامام الجلیل جلال الدین السیوطی فی الجامع الصغیر فی حدیث البشیر والنذیر" ورواہ البیہقی فی المدخل وحسن بن سفیان والبزاز فی مسانیدہم والطبرانی فی المعجم الاوسط وابن عدی فی الکامل وابو نعیم فی الحلیۃ)

علماء میں سے اور حاکم مصنّف صحیح مستدرک اور بیہقی صاحب مدخل متقدمین محدثین سے ہیں۔"

امام جلال الدین سیوطی "مرقاۃ الصعود حاشیہ سنن ابو داؤد" میں فرماتے ہیں:۔

اِتَّفَقَ الحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحِہٖ

"حفاظ محدثین کا اس حدیث کی تصحیح پر اتفاق ہے۔"

علامہ شیخ بن احمد عزعزی نے "سراجِ منیر شرح جامع صغیر" میں فرمایا ہے کہ:۔

"لفظ اوّل کی قید احترازی نہیں بلکہ غالبی ہے اس لئے کہ اوّل صدی کے مجدّد بالاتفاق خلیفۂ راشد خامس الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی ولادت ۵۹ھ اور وفات ۱۰۰ھ میں ہے"

تجدیدِ دین کا مفہوم "تجدید" کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان میں ایک صفت یا چند صفتیں ایسی پائی جائیں جن سے امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کو دینی فائدہ ہو جیسے تعلیم و تدریس، وعظ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، لوگوں سے مکروہات کا دفع، اہلِ حق کی امداد۔

مجدّد کے اوصاف مجدّد کے لئے خاص اہلیت سے ہونے کی ضرورت نہیں، نہ مجتہد ہونا لازم لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ سُنّی، صحیح العقیدہ، عالم فاضل، علوم و فنون کا جامع، اشہرِ مشاہیرِ زمانہ، بے کرشِ حامیِ دین، بے خوف قامعِ مبتدعین ہو، حق کہنے میں نہ خوفِ لومۃ لائم ہو، نہ دین کی ترویج میں دنیوی منافع کی طمع، متقی، پرہیز گار، شریعت و طریقت کے زیور سے آراستہ، رذائل و خلافِ شرع سے دل برداشتہ اور حسبِ تصریح علامہ حفنی، مجدد کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس صدی میں پیدا ہوا، اُس کے خاتمہ اور جس صدی میں انتقال کرے اس کے اول میں مشہور، معروف، مشارٌ الیہ مالیضان ہو،

مجدّد کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ علماءِ عصر قرائن و احوال اور اس کے علوم سے انتفاع دیکھ کر اس کے مجدّد ہونے کا اقرار کریں، اسی لئے مجدِّد کو علومِ دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا عالم، حامی السنۃ قامع البدعۃ ہونا چاہیئے۔

مجدّدین کی اقسام یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی پر ایک ہی مجدّد ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک کے علاوہ کئی شخص الگ الگ شعبوں کے مجدِّد ہوں کما قالہ المناوی رجلاً کان او اکثر

علامہ محمد طاہر حنفیؒ "مجمع بحار الانوار" میں فرماتے ہیں:

"من یجدد لہا دینہا کے مصداق میں علماء نے اختلاف کیا تو ہر جماعت نے اپنے امام پر محمول کیا اور بہتر ہے کہ ایسے عموم پر محمول کیا جائے اور صرف فقہا کے ساتھ خاص نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ امت کو اولو الامر یعنی خلفاء، محدثین اور واعظین زہاد سے بھی بہت فائدے حاصل ہوتے ہیں اور رأس کل مائۃ سنۃ سے مراد یہ ہے کہ صدی گزری اور مجدد زندہ مشہور عالم ہوا اور حدیث شریف میں اکابر کی ایک جماعت کی طرف اشارہ ہے جو ہر سو برس کے سرے پر ہوتے ہیں۔"

بعض مجددین کے اسمائے گرامی

مجددِ مائۃ اُولیٰ، حضرت عمر بن عبد العزیز اور فقہاء و محدثین سے بیشمار ہیں۔ اور

مجددِ مائۃ ثانیہ، خلیفہ مامون رشید، حضرت امام شافعی، حسن بن زیاد، اشہب مالکی، علی بن موسےٰ، یحییٰ بن معین، حضرت معروف کرخی۔ اور

مجددِ مائۃ ثالثہ، خلیفہ مقتدر باللہ، حضرت امام ابو جعفر طحاوی حنفی، امام ابو الحسن اشعری، امام النسائی وغیرہ، اور

مجددِ مائۃ رابعہ، خلیفہ قادر باللہ، امام ابو احمد اسفرائنی، ابو بکر محمد خوارزمی حنفی، اور

مجدد مائۃ خامسہ، خلیفہ مستظہر باللہ، حضرت امام محمد غزالی، قاضی فخر الدین حنفی وغیرہم ہیں

مجدد کی شناخت شیخ الاسلام بدر الدین ابدال "رسالہ مرضیۃ فی نصرۃ مذہب الاشعریۃ" میں فرماتے ہیں کہ:-

"مجدد، معاصرین کے غلبۂ ظن سے پہچانا جاتا ہے، اس کے قرائن، احوال اور اس کے علم سے انتفاع کے سبب سے، اور نہیں ہوتا مجدد مگر عالم علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا جو ناصر سنت و قامع بدعت ہو، پھر کبھی مجدد فقط ایک ہی ہوتا ہے جیسے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلی صدی کے مجدد بالاتفاق ہیں اور دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہیں، اس لئے کہ محققین کا اجماع ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں تمام علماء سے اعلم و افضل تھے۔

اور کبھی مجدد، دو یا جماعت ہوتی ہے اگر کسی ایک عالم پر اجماع نہ ہو سکا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ صدی کے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہو جو مجدّد سے افضل ہو لیکن مجدّد جب ہوگا تو رأس المائۃ (صدی کے سرے) پر ہوگا کیونکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ صدی کے ختم ہوتے ہوتے علماء امت بھی ختم ہو جاتے ہیں، دینی باتیں مٹنے لگتی ہیں، بد مذہبی اور بدعت ظاہر ہوتی ہے، اس واسطے دین کی تجدید کی ضرورت پڑتی ہے، اس وقت اللہ تعالےٰ ایسے عالم کو ظاہر کرتا ہے جو ان خرابیوں کو دُور کر دیتا ہے اور (اُن برائیوں کو سب کے سامنے علی الاعلان بیان کر کے دین کو از سرِ نو بنا کر دیتا ہے، وہ سلف صالحین کا بہتر عوض، خیر الخلف نعم البدل ہوتا ہے۔"

امام جلال الدین سیوطی "مرقاۃ الصعود شرح سنن ابو داؤد" میں فرماتے ہیں کہ :-

"علامہ ابن اثیر نے فرمایا کہ علماء نے حدیث، اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا کی تاویل میں ہر ایک نے اپنے زمانہ میں اختلاف کیا اور اشارہ کیا اس شخص کی طرف جو صدی کے سرے پر دین کی تجدید میں لگا ہو، تو ہر ایک اپنے مذہب کے حامی و ناصر کی طرف مائل ہوا، اور بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ اس حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک من یجدّد لہا دینہا کا اقتضاء یہ ہرگز نہیں کہ صدی کے سرے پر فقط ایک ہی شخص مجدّد ہو بلکہ کبھی ایک ہوتا ہے اور کبھی ایک سے زائد، اس لئے کہ امت کا اصل انتفاع "امورِ دین" میں ہے لیکن اس کے سوا دوسرے امور میں بھی بہت انتفاع ہوتا ہے مثلاً اولو الامر اہل حدیث[1] قرائے واعظین، عابد، زاہد لوگ اپنے فنون سے ایسا نفع امت کو پہنچاتے ہیں جو دوسرے سے ممکن نہیں اس لئے کہ اصل حفظِ دین میں "قانونی سیاست" ہے اور "اشاعت عدل و انصاف" جسکی وجہ سے ضبط روایات ہوتی ہے اور زہّاد اپنے وعظوں سے امّت کو

---

[1] دورِ قدیم سے "اہل حدیث" کا لفظ صرف خادمینِ حدیث پر بولا جاتا رہا ہے لیکن ۱۸۸۸ء میں سرکار انگریزی کے خدمت گار نجدی عقائد کے پیروکاروں نے اپنی خدمات کے صلہ میں یہ لفظ حاصل کیا حالانکہ ان دیار میں انہیں "وہابی" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

نفع پہنچائے اور لوگوں کو تقویٰ پر ابھارتے ہیں اور دنیا میں زہد سکھاتے ہیں تو بہتر اور ٹھیک بات یہ ہے کہ من یجدد سے اکابر مشہورین کی ایک جماعت کی ہر صدی پر ظہور و حدوث کی طرف اشارہ ہو جو لوگوں کے دین کی حفاظت کریں اور برائیوں اور خرابیوں، بے دینیوں، بد مذہبیوں کو بتا کر دین کی تجدید کریں لیکن بایں ہمہ یہ ضرور ہے کہ مجدد وہی شخص ہوگا کہ صدی کے شروع میں مشہور عالم، معروف، مشارٌ الیہ ہو یعنی ان فنون میں سے کسی فن میں لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوں ورنہ صدی کے شروع ہونے سے قبل بھی ضرور ایسے علماء ہوں گے جو دین کی خدمت میں منہمک ہوں لیکن مجدد سے مراد یہ ہے کہ جس وقت صدی ختم ہو اور دوسری صدی شروع ہو اس وقت وہ عالم معروف و مشہور، زندہ اور مشارٌ الیہ ہو۔"

مجدد کے بارے میں چند سوال اور ان کے جوابات ماہِ رجب ۱۲۹۹ھ میں سلہٹ سے مولوی ابوعلی محمد عبدالوہاب صاحب نے جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی مرحوم و مغفور کے پاس اس حدیث شریف کے متعلق ایک استفتاء بھیجا تھا، جس میں چند باتیں دریافت کی تھیں جو "مجموعہ فتاویٰ" جلد دوم ص ۱۵۱، ۱۵۲ میں مع جواب مکتوب ہے، اس جگہ مختصراً اس کو نقل کر دینا فائدہ سے خالی نہیں۔

۱۔ حدیث ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ (الحدیث) میں راس آخر صدی مراد ہے یا راسِ آغازِ صدی؟ اور

۲۔ مجدد کی شرائط و علامات کیا ہیں؟ اور

۳۔ پہلی صدی سے اس وقت تک کون کون سے مجدد ہوئے اور

۴۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیر سید احمد بریلوی مجدد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

علامہ لکھنوی نے ان سوالات کے حسبِ ذیل جوابات دیئے ہیں:۔

۱۔ راسِ مائۃ سے مراد بہ اتفاقِ محدثین آخرِ صدی ہے۔ اور

۲۔ مجدد کی شرائط و علامات یہ ہیں کہ علومِ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو اس کے درس و تدریس، تالیف و تصنیف، وعظ و تذکیر سے نفع، شائع و ذائع ہو اور احیاءِ سنت و

امانتِ بدعت میں سرگرم ہو اور ایک صدی کے اور دوسری صدی کے آغاز میں
اُس کے علم کی شہرت اور اس سے انتفاع معروف ومشہور ہو پس اگر آخر صدی نہیں
پائی ہے یا اُس سے اُس زمانہ میں انتفاع احیاءِ شریعت حاصل نہ ہوا ہو تو وہ مجدّدین کی
صف سے خارج سمجھا جائے گا اور اس حدیث کا مورد ومصداق نہ ہوگا اور اس کا شمار
مجددین میں نہ ہوگا (اس کے بعد عبارت شیخ الاسلام بدرالدّین اور "مرقاۃ الصعود"
امام جلال الدّین سیوطی نقل کرکے فرماتے ہیں۔)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ سیّد احمد بریلوی کی ولادت ۱۲۰۱ھ
میں ہوئی اور ان کے مرید اسمٰعیل دہلوی وغیرہ مصداق حدیث میں داخل نہیں ہیں (مولوی
اسمعیل دہلوی کی ولادت ۱۱۹۳ھ میں ہوئی اور دونوں کا انتقال ۱۲۴۶ھ میں ہوا تو
سید احمد صاحب نے کوئی آخر صدی نہ پائی اور مولوی اسمٰعیل دہلوی آخر صدی میں فقط
سات سال کے بچّے تھے) اس لئے کہ مجدّد کے لئے ضروری ہے کہ آخر ایک صدی
اور دوسری صدی کے اوّل میں اس صفت کے ساتھ موصوف ہو کر اس کا نفع عام ہو اور
اس کا اشتہار تام ہو اور ان دونوں کی تیرہویں صدی کے وسط میں شہرت ہوئی، اتنا
زمانہ گذرا علماء نے تعین مجددین میں اسی صفت کا لحاظ کیا ہے جس کی تفصیل علامہ
حافظ ابن حجر عسقلانی نے رسالہ مسمّٰی بہ "الفوائد الجمۃ فی من یبعثہ اللہ لہذہ الامہ"
اور امام جلال الدین سیوطی کے رسالہ مسمّٰی بہ "متنبہ فیمن یبعثہ اللہ علیٰ رأس المائۃ"
وغیرہ میں ہے۔

ان رسائل کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مجدد مائۃ اولیٰ بالاتفاق خلیفہ راشد
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ تھے اور مجددِ مائۃ ثانیہ بالاتفاق امام شافعی
تھے اور مجددِ مائۃ ثالثہ قاضی ابوالعباس ابنِ شریح شافعی، امام ابوالحسن اشعری، محمد
بن جریر طبری تھے اور مجدّدِ مائۃ رابعہ امام ابوبکر باقلانی اور ابوطیب صعلوکی وغیرہ تھے
اور مجددِ مائۃ خامسہ امام محمد بن محمد غزالی تھے اور مجدّدِ مائۃ سادسہ امام فخر الدین رازی
تھے اور مجددِ مائۃ سابعہ امام تقی الدین ابن دقیق العید تھے اور مجددِ مائۃ ثامنہ

زین الدین عراقی، علامہ شمس الدین جوزی، سراج الدین بلقینی تھے اور مجدد مائۃ تاسعہ امام جلال الدین سیوطی، علامہ شمس الدین سخاوی تھے اور مجدد مائۃ عاشرہ شہاب الدین رملی، ملا علی قاری (انتہی کلامہ)

فقیر ظفر الدین قادری غفرلہ کہتا ہے اور مجدد مائۃ حادی عشر یعنی الف ثانی، امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی (متولد ۱۰ محرم ۹۷۱ھ، متوفی ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی (متولد ۹۵۸ھ، متوفی ۱۰۵۲ھ) اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب "سبع سنابل" (متوفی ۱۰۱۷ھ) تھے اور مجدد مائۃ ثانی عشر سلطان دین پرور مالک بحر و بر ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی (متولد ۱۰۲۸ھ، متوفی ۱۱۱۷ھ) و حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی (متوفی ۱۱۴۳ھ) قاضی محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) تھے۔

مجدد مائۃ ثالث عشر (مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ) کے فرزند دلبند و شاگرد رشید و مرید مستفید و خلیفہ و جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب (متولد ۱۱۵۹ھ، متوفی ۱۱۳۹ھ) ہیں، اس لئے کہ مجدد کی صفات ان میں پائی جاتی ہیں، اس لئے کہ بارھویں صدی کے آخر میں صاحب علم و فضل و زہد و تقوی، مشہور دیار و اطراف تھے اور تیرھویں صدی کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا اور ساری عمر دینی خدمت درس و تدریس، افتاء و تصنیف، وعظ و پند، حمایت دین و نکایت مفسدین میں صرف اوقات فرماتے رہے جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی علمی خدمات: - حمایت دینی کے جملہ کاموں سے قطع نظر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی ایک کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" وہ کتاب ہے کہ روز تصنیف سے اس وقت تک کوئی کتاب اس شان کی نہ لکھی گئی

یہ کتاب اپنے رنگ کی سب سے پہلی تصنیف ہے کہ اس سے قبل شاید ہی کوئی کتاب اس جامعیت کی ہو۔ میں نے زبانی مستند علماء سے سنا، ازاں جملہ حضرت مولانا محمد نذیر صاحب بیخود الہ آبادی فرماتے تھے کہ جب اسمٰعیل دہلوی نے تقویت الایمان لکھی اور سارے جہان کو مشرک بنانا شروع کیا، اس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے،

افسوس کے ساتھ فرمایا کہ :۔

" میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا ہوں ورنہ اس کتاب اور اس عقیدۂ فاسدہ کا رد بھی تحفۂ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے[1] یہ ان کے "مجددِ مائۃ ثالث عشر" ہونے کی کھلی دلیل ہے کہ انھوں نے حمایتِ دین میں عزیز و قریب کسی کا بھی پاس نہ کیا۔

بلادِ اسلامیہ میں شاہ عبدالعزیز کے علوم و معارف کی شہرت عام ۔ پھر جو بھی شخص شاہ صاحب کی سوانح عمری دیکھے گا' جانے گا کہ بے شک وہ تیرھویں صدی کے مجدد تھے' پندرہ سال کی عمر میں کتبِ درسیہ عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو کر کامل ۶۵ سال حمایتِ دین و نکایتِ مفسدین میں صرف فرمائے اور ۸۰ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

---

[1] پروفیسر ایوب قادری اپنے ایک مقالہ میں تحریر کرتے ہیں :۔

" اودھ میں بڑے بڑے معقولین پیدا ہوئے ' آخری دور میں مولانا فضلِ حق خیرآبادی اس قافلے کے سالارِ اعظم تھے ' انہوں نے اپنے والد مولانا فضل امام کے علاوہ خاندان ولی اللہی سے بھی استفادہ کیا تھا مگر وہ شاہ اسمٰعیل اور شاہ اسحاق دہلوی کے بعض افکار و خیالات سے شدید اختلاف رکھتے تھے اور قدیم روش پر سختی سے قائم تھے ' مولانا محبوب علی دہلوی (تلمیذ شاہ عبدالعزیز دہلوی) بھی ان کے ہم خیال تھے ' ان حضرات نے شاہ اسمٰعیل کے افکار و خیالات کی سختی سے تردید کی ۔ علمائے بریلی و بدایوں اس سلسلے میں ان کے معین و مددگار اور ہمنوا تھے۔"

اردو نامہ ' کراچی ' شمارہ نمبر ۵۱ ' دسمبر ۱۹۷۵ء ' ص ۵۵ ' بعنوان " اردو میں مذہبی ادب "

برصغیر میں وہابیت کے معلم اول اسمٰعیل دہلوی کے اعتزالی اور استخراجی اعتقادات کا رد کرنے والوں میں علامہ منور الدین دہلوی (ابوالکلام آزاد کے پرنانا) شاہ فضلِ رسول بدایونی ' علامہ مخصوص اللہ محدث دہلوی (شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بھتیجے) علامہ محمد موسیٰ دہلوی (شاہ رفیع الدین دہلوی کے صاحبزادے) ' علامہ خیرالدین (ابوالکلام آزاد کے والد) ' مولانا نقی علی خاں (امام احمد رضا کے والد) ' حکیم صادق علی خاں (مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے جدِ امجد) اور کئی دوسرے جلیل القدر علماء سرفہرست ہیں ' رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔

درس وتدریس میں معقولات کے علاوہ فقہ ومتعلقاتِ فقہ کا تو التزام تھا مگر خاص چیز درسِ حدیث اور فتویٰ نویسی تھی، جس کی شہرت، ہندوستان سے باہر روم، شام مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ بیت المقدس وغیرہ تک پہنچی ہوئی تھی، قسطنطنیہ سے ملا رشیدی مدنی نے آپ کو ایک خط لکھا تھا جس کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

"شاہ صاحب! آپ کا کچھ ایسا اثر بلادِ اسلامیہ میں ہو رہا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علماء اُس پر اپنی مہریں ثبت ہیں تو ہر شخص فتوے میں آپ کی مہر تلاش کرتا ہے اور وہ فتویٰ جس پر آپ کی مہر ثبت نہ ہو، زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم لوگوں کے لئے بڑے فخر کی بات ہے اور سلطان ترکی بھی آپ کی بڑی عزت کریں گے۔" [1]

شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے چند مقتدر تلامذہ

اسی طرح آپ کے درس وتدریس کا شہرہ ہندوستان سے باہر تک پھیلا ہوا تھا، آپ کی درسی خوبیاں آپ کے نامور شاگردوں کے نام ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں، بطورِ نمونہ یکے از ہزارے یہ ہیں:

مولانا شاہ رفیع الدین صاحب (آپ کے برادر خورد)

" شاہ محمد اسحٰق "

---

[1] سلطنت ترکی کے حکمران خلفاء، علماء ومشائخ کے نہایت قدر دان تھے، مقاماتِ مقدسہ اور مآثرِ شریفہ کی حفاظت کے علاوہ بڑے متدین ہوتے تھے، علماء کرام ومشائخِ عظام بھی ان سے محبت کرتے اور مخلصانہ دعاؤں سے ان کو نوازتے چنانچہ ترکی سلاطین کا ذکر امام احمد رضا بریلوی یوں کرتے ہیں:

"ترکی سلاطینِ اسلام پر رحمتیں ہوں، وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں۔"

(دوام العیش فی الائمۃ من القریش، بار اول مطبوعہ ۱۳۴۱ھ بریلی، ص ۶۳)

۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید خاں جب تختِ ترکیہ سے معزول کئے گئے تو حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ (قدس سرہ) نے بہت رنج اور افسوس کا اظہار فرمایا تھا (مہر منیر، ص ۲۶۹)

- شاہ محمد یعقوب (حضرت کے نواسے)
- مفتی صدر الدین خاں صاحب دہلوی
- حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی
- مولانا شاہ مخصوص اللہ صاحب (آپ کے برادر زادے)
- حضرتِ مولانا فضلِ حق صاحب خیرآبادی
- حضرتِ مولانا حسن علی صاحب لکھنوی
- حضرتِ مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب قادری برکاتی بدایونی کانپوری (مصنف رسالہ اشباع الکلام فی المولد والقیام) استاد حضرت مولانا شاہ محمد عادل صاحب کانپوری و شمس العلماء مولانا محمد سعید صاحب حسرت عظیم آبادی
- حضرت مولانا شاہ محمد فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی
- بیہقیٔ وقت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی
- حضرت ملحق الاصاغر بالاکابر وارث العلم والمجد والفضل کابراً عن کابر مولانا سیدنا سید شاہ آلِ رسول صاحب احمدی مارہروی، پیر و مرشد اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب فاضلِ بریلوی
- حضرت مولانا شاہ ابوسعید صاحب (نبیرۂ خواجہ معصوم بن حضرتِ مجدد الفِ ثانی)
- حضرت مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی
- حضرت مولانا شاہ ظہور الحق صاحب قادری پھلواروی، بانی خانقاہِ عمادیہ منگل تالاب، پٹنہ سٹی
- مولانا شاہ عبدالغنی صاحب ابوالعلائی منعمی

(رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

چودہویں صدی کے مجدد

اور چودہویں صدی کے مجدد، مجددِ مائۃِ حاضرہ، مؤیدِ ملتِ طاہرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت صاحب تصانیفِ قاہرہ و تالیفِ باہرہ جناب مستطاب معلی القاب مولانا مولوی حاجی حافظ قاری

محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی متعنا اللہ ببرکاتہ وحشرنا یوم القیامۃ تحت رایاتہ ہیں، اس لئے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ اور انتقال پُر ملال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ ہے تو تیرہویں صدی کے آپ نے ۲۸ سال دو مہینے ۲۰ دن پائے اور علوم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ وتقریر میں مشہورِ دیار وامصار وادانی واقاصی ہوئے اور چودہویں صدی کے ۳۹ سال ایک مہینہ ۲۵ دن پائے جس میں حمایتِ دین ونکایتِ مفسدین احقاقِ حق وازہاقِ باطل، اعانتِ سنت واماتتِ بدعت میں جان ومال، علم وفضل صرف فرمایا اور جس طرح بنا ہمیشہ شرع ومذہب کی نصرت اور مخالفینِ دینِ متین کا ردوطرد کیا اور اس میں کبھی نہ لومۃ لائم کی پروا کی اور نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا خیال آڑے آیا، نہ کبھی شہرت ومدح کی پروا کی، نہ کسی کے طعن وقدح کے خیال سے حق کہنے میں کوتاہی فرمائی، یہ رباعی بالکل حسبِ حال فرمائی

نہ مرا نوش زتحسیں، نہ مرا نیش زطعن — نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش زمے
منم وکنجِ خمولی کہ نگنجد دروے — جز من وچند کتابے ودوات وقلمے

خدا داد ذہن وحافظہ بھی ایسا ملا تھا کہ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں مروجہ درسی کتابوں سے فراغت حاصل فرمائی، میرے سامنے اس وقت مشاہیر واکابر علماء کی سوانحعمریاں ہیں مگر اس وصف میں کوئی بھی آپ کا شریک وسہیم نہیں

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ ذکی ہوتے ہیں اُن کا حافظہ اچھا نہیں ہوتا اور اگر بھی ہوا تو وہ شوقین اور محنتی نہیں ہوتے، پڑھنے میں جی نہیں لگاتے بلکہ جان چراتے ہیں لیکن یہاں یہ سب خوبیاں بطور خرقِ عادت جمع تھیں، یہ محض عطیۂ الٰہی وموہبتِ رسالت پناہی ہے جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

امام احمد رضا قدس سرہ کا علمی مقام عموماً علمائے کرام فارغ التحصیل ہونے کے بعد تصنیف وتالیف کے میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اعلیٰ حضرت نے طالب علمی ہی کے زمانے میں تصنیف فرمانا شروع کر دیا تھا جس کا مفصل بیان تصنیفات

کے ذکر میں[1] ہے، جس دن فارغ التحصیل ہوئے اُسی دن سے فتویٰ لکھنا شروع کر دیا تھا، پہلا فتویٰ جو لکھا، ایسا صحیح و درست مکمل و مدلل کہ والد ماجد صاحب عش عش کر گئے اور یہ سلسلہ تیرہ سال دس مہینے کی عمر سے یوم وصال ۱۳۴۰ھ پورے ۵۴ چوّن سال تک جاری رہا، افسوس کہ ابتدائی برسوں فتاوے کی نقل کا سلسلہ نہ رہا اور بعد کو بھی اصل فتاوے کی نقل نہ لی جا سکی، پھر بھی جو نقل ہو سکا بڑی تقطیع ۲۰×۳۶/۸ پر بارہ جلدوں میں ہے جس کی ہر جلد نو سو اور ہزار صفحے کے درمیان ہے، رسائل و مستقل تصنیفات چھ سو سے بالا ہیں جو پچاس فنون پر مشتمل ہیں[2]

آج ہمارے سامنے علماء متقدمین و متأخرین کے فتاوے موجود ہیں مگر اس وصف میں بھی اعلیٰحضرت اپنی نظیر آپ ہیں، اتنا مفصل و مدلل و ضخیم فتاوے کسی کا دیکھنے میں کیا، سننے میں بھی نہیں آیا، تصنیفات بھی اس قدر کثیر و عزیز امام جلال الدین سیوطی مجدد مائۃ عاشرہ کے بعد کسی عالم کی دیکھی نہ سنی گئیں، اگلے علماء محرر المذہب امام محمد شمس الائمہ سرخسی صاحب مبسوط، علامہ بیہقی، علامہ ذہبی، علامہ ابن حجر عسقلانی، امام بدر الدین محمود عینی صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری قدست اسرارہم کو نہیں کہہ سکتا ورنہ دیگر علماء کی تصنیفات کو اعلیٰ حضرت کی تصانیف کثیرہ سے کوئی نسبت نہیں۔

امام احمد رضا، مرجع العلماء آپ نے درس و تدریس بھی کسی مدرسہ میں مدرس ہو کر یا اپنا ہی مدرسہ

---

[1] تصنیفات کا تذکرہ "حیات اعلیٰ حضرت" حصہ اوّل مطبوعہ کراچی میں نہیں، غالباً ان حصوں میں ان کا تذکرہ ہے جو ہنوز اشاعت پذیر نہ ہو سکے البتہ فاضل بہاری کی دوسری تالیف "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" (مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور) میں ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء تک کی امام احمد رضا بریلوی کی ساڑھے تین سو سے زائد تصانیف کا ذکر موجود ہے اور یہ فہرست نامکمل ہے ۱۲

[2] جدید تحقیق کے مطابق چودہویں صدی کے مجدد امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے جو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے (۱) تذکرہ علمائے ہند (۲) قاموس الکتب اردو، مطبوعہ کراچی (۳) سوانح اعلیٰحضرت از بدر الدین احمد (۴) المجمل المعدد لتالیفات المجدد از ظفر الدین بہاری (۵) فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں از پروفیسر محمد مسعود احمد (۶) اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۰، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی (۷) ماہنامہ المیزان، بمبئی، امام احمد رضا بریلوی نمبر۔

(جلال الدین قادری عفی عنہ)

قائم کر کے نہیں کی لیکن ایک زمانہ میں مرجع طلباء رہے، دُور دُور سے طلباء آکر مستفید ہوتے رہے سہارنپور اور دیوبند کا مدرسہ اپنی طوفانی عمر و قدامت کی وجہ سے بہت مشہور تھا لیکن وہاں کے چند طلباء دیوبند اور گنگوہ چھوڑ کر درسِ حدیث و فقہ کے لئے بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے تو یہاں کے طلباء کو سخت تعجب ہوا اور ان لوگوں نے آنے والے طلباء سے پوچھا کہ:۔

"طلباء کو ثمہ خیراً[1] کا مرض ہوتا ہے، ایک جگہ پڑھ رہے ہیں، وہاں سے پڑھنا چھوڑ کر دوسری جگہ چل دئے، وہاں سے تیسری جگہ، لیکن یہ عموماً ایسی جگہ ہوتی ہے کہ دوسری جگہ وہاں کی تعریف ہوتی ہو، آپ لوگ، دیوبند اور گنگوہ سے بریلی کس طرح پہنچے اس لئے کہ وہابی مدرسوں میں اس کی تو توقع ہی نہیں کہ کسی اہلِ سنت عالم کی تعریف کریں اور وہ بھی اعلیٰ حضرت جیسے رادِّ وہابیہ[2] کی!"

ان لوگوں نے کہا کہ:۔

"ٹھیک ہے کہ وہاں مولانا کی مدح و ثنا نہیں ہوتی مگر ایک بات کہنے پر وہ بھی مجبور ہوتے تھے[3] جب کوئی تذکرہ نکلتا تو اخیر میں ٹیپ کا بند یہ ضرور ہوتا تھا کہ قلم کا بادشاہ ہے جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا پھر نہ کسی موافق کو اضافہ کی ضرورت رہتی ہے اور نہ مخالف کو انکار کی، یہی صفت ہماری کشش کا باعث ہوئی جو دیوبند و گنگوہ کو چھوڑ کر بریلی پہنچے۔"

۱۲۸۶ھ سے ۱۳۴۰ھ تک چون[54] سال کے عرصہ میں کتنے سو نہیں، کتنے ہزار طلباء آپ کے علوم کی روشنی سے فیضیاب ہوئے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا کوئی رجسٹر تو تھا نہیں جس میں سب کا نام داخلہ کے وقت لکھ لیا جاتا ہو اور اگر تصنیفات کے ذریعہ آپ کے علوم و فیوض سے مستفیضین کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ ان کا شمار ہزار ہا ہزار سے بالا ہو کر

---

١ وہاں بہتر ہوگی، اس جگہ زیادہ فائدہ ہوگا۔

٢ وہابی عقائد کی تردید کرنے والا۔

٣ امام احمد رضا بریلوی کے مخالف آج بھی آپ کے علمی وقار، تصلّبِ دینی، تبلیغ و اشاعتِ دین اور عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ماننے پر مجبور ہیں، ملاحظہ ہو پیغاماتِ یومِ رضا مطبوعہ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور ۱۹۷۱ء

لکھو کھا تک پہنچا ہے، ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ۔

وعظ کی ہمہ گیری

وعظ و پند کا طریقہ ابتداءِ زمانہ میں تو بہت زوروں پر رہا، شہر میں کوئی محلہ بلکہ سنیوں کا کوئی مکان ایسا نہ ہوگا جو حضور کے پند و نصائح سے محروم رہا ہو اگرچہ اخیر زمانہ میں جبکہ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کثیر کرنی پڑی، اس سلسلہ میں کمی ہوگئی، پھر بھی ہر سال چار جلسے وعظ کے مستقل طریقے پر سالِ وصال تک قائم رہے۔

دو جلسے میلاد شریف کے، اپنے مکان پر ۱۲ ربیع الاول کو روز و شب میں یہ جلسہ اتنا بڑا اور اس قدر مرجع الخلائق تھا کہ اس جلسہ کی شرکت اور اعلحضرت کے وعظ سے بہرہ یاب فیضیاب ہونے کے لئے پورا شہر ٹوٹ پڑتا اور اس تاریخ میں کوئی بڑی مجلسِ میلاد شریف شہر میں نہیں ہوتی تھی۔ تیسرا جلسۂ وعظ ماہِ شعبان میں طلباء مدرسہ منظر اسلام کی دستار بندی کے موقع پر اور چوتھا جلسۂ وعظ اپنے پیر و مرشد سیدنا شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی قدس سرہ العزیز کے عرس کے موقع پر ۱۸ ماہ ذوالحجۃ الحرام کو، ان دونوں وعظوں[1] سے نہ صرف اہلِ شہر ہی بہرہ یاب ہوتے بلکہ اطراف و اکنافِ ہند سے رؤساء علماء مشاہیر شائقین جلسۂ دستار بندی و عرس کی شرکت کے لئے آتے اور وعظ سے فیضیاب ہوتے۔

حق و صداقت کا کوہِ بلند

حمایتِ دین و نکایتِ مفسدین معاندینِ دینِ متین میں اعلیٰ حضرت نے پوری عمر، تن من دھن دولت، سب کچھ صرف کر دیا، جس کو عرب و عجم کے مسلمان سب جانتے ہیں، آپ نے حق واضح کرنے میں جو دین و ملت کا فریضہ ادا کیا وہ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت کے مجددِ مائۃ حاضرہ[2] ہونے کا بین ثبوت ہے اگرچہ بعض مخالفین اصل حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے یہ اعتراض کر بیٹھے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب عمر بھر سب کا رد کرتے رہے جس سے ان کی مقبولیت کو بڑا صدمہ پہنچا ورنہ وہ جس قابلیت اور جامعیت کے عالم تھے، سارا زمانہ ان کی قدمبوسی کرتا اور پیشوا مانتا، یہ اسی خیال کے لگ بھگ ہے جو مشرکینِ عرب، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ

---

[1] یعنی مدرسہ منظر اسلام کے فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی اور بقیۃ السلف حجۃ الخلف سید شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی کے عرس کے موقع پر وعظ۔

[2] موجودہ صدی کا مجدد، چونکہ مؤلف نے چودھویں صدی میں مضمون لکھا اس لئے اس سے مراد ہے "چودھویں صدی کے مجدد"

علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں تو ہم سب لوگ آپ کو اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور ہر شخص اپنی دولت آمدنی سے ایک حصّہ آپ کی نذر کردے گا جس کی وجہ سے آپ سب سے زیادہ آپ مالدار ہو جائیں گے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی طرف اصلاً التفات نہ فرمایا بلکہ ان کو ٹھکرا دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو مجدّدِ مائۃ حاضرہ، حمایتِ دین و نکایتِ مفسدین کے لئے بنایا تھا، نہ اس لئے کہ اس سے ذاتی فائدہ اٹھائیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس قدر تحریر و تقریر رسائل و اشتہارات کا فائدہ کیا ہوا؟ یہ جان بوجھ کر ٹھیک نصف النہار کے وقت آفتابِ عالمتاب کا انکار کرنا ہے،

حدیث شریف میں ہے:۔

"اللہ تعالیٰ تیری وجہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت کرے تو روئے زمین کی حکومت سے بہتر ہے۔"

اور یہاں تو ہزاروں کیا لاکھوں اشخاص نے ان کی تقریرات تحریرات سے فائدہ اٹھایا گمراہ دیندار ہوئے، مذبذب مستقیم ہوئے سنی صحیح العقیدہ راسخ الاعتقاد ہوئے کہ بد مذہبیت کا جھونکا کجا آندھی بھی انہیں اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی، وہ ہشت دھات کی طرح اپنے عقیدوں پر پختہ اور ثابت قدم ہیں، نماز کی پنج وقتہ دعا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] ان کے حق میں بالکل مقبول ہوئی، ہر شخص جادۂ مستقیم پر قائم اور ہر قسم کی بد مذہبی اور بد مذہبیوں سے علیحدہ ہے۔ دعائے قنوت میں روزانہ خداوند عزوجل کے سامنے جو کہتے ہیں ونخلع ونترك من یفجرك[2] اس میں پورے اُترے والحمد للہ علیٰ ذلك

حقیقتِ تبلیغ انبیاءِ کرام جو خاص تبلیغ و ارشادِ خلائق ہی کے لئے مبعوث ہوتے ہیں جن کو ارشاد ہوتا ہے بلغ ما انزل الیك[3] ان کے متعلق بھی یہ

---

[1] ہمیں سیدھے راستہ پر چلا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا نہ ان کا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

[2] اے اللہ! ہم اس سے دور رہتے ہیں اور اس کو چھوڑ دیتے ہیں جو تیری نافرمانی کرتا ہے

[3] جو آپ پر اُترا اس کی تبلیغ کیجئے۔

کلام نہیں کیا گیا ہے کہ جو احکامِ الٰہی آپ ان تک پہنچائیں ان کا ان کا مصداق بنا دیں عامل کر دیں بلکہ صاف فرما دیا گیا انما علیٰ رسولنا البلٰغ المبین [1] (سورۂ مائدہ) وما علی الرسول الا البلاغ المبین [2] (سورۂ نور، عنکبوت و نمل) خود انہوں نے بھی یہ فرما دیا: وما علینا الا البلٰغ المبین [3] (سورۂ یٰسین) آخر نہیں دیکھتے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی اتنی طویل مدتِ تبلیغ فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما [4] ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ وہدایت کا نتیجہ خود فرماتے ہیں رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا فلم یزدھم دعائی الا فرارا میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن حق کی طرف بلایا لیکن میری اس دعوت سے ان کا فرار اور زیادہ ہوا" یہاں تک کہ تنگ آ کر بارگاہِ الٰہی میں التجایوں کرنی پڑی۔

رب لا تذر علی الارض من الکٰفرین دیارا

"خداوندا! روئے زمین پر کسی کافر کا ایک گھر بھی باقی نہ چھوڑ"

چنانچہ یہ ہی ہوا، آسمان سے پانی برسا زمین سے پانی ابلا، کشتی پر جو گنتی کے چند نفوس مسلمان تھے ان کے سوا کوئی نہ بچا۔ اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ [5]

سیدنا موسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ جب انہیں اور ان کے بھائی حضرتِ ہارون علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اذھبا الی فرعون انہ طغیٰ "تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ اس کو ہدایت کرو کہ اس نے سرکشی کی" یہ دونوں حکمِ الٰہی کی تعمیل میں چلے تو وحی ہوئی مگر اے موسیٰ! وہ ایمان نہ لائے گا، انہوں نے عرض کیا کہ خداوندا! پھر ہمارے جانے اور حیران ہونے کا کیا فائدہ؟" ارشاد ہوا۔

"تمہیں تبلیغ کا اجر ملے اور اس پر حجتِ الٰہی قائم ہو" تا کہ کل کے دن وہ یہ تو نہ کہہ سکے۔

---

[1] ہمارے رسولوں پر تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

[2] رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر احکام کا پہنچا دینا ہے۔

[3] ہمارے ذمہ تو صرف احکام پہنچا دینا ہے

[4] پس وہ ان میں ساڑھے نو سو برس تبلیغ کرتا رہا۔

[5] میں اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

ماجاءنا من بشیر ولا نذیر" ہمارے پاس کوئی مبلغ احکام الٰہی سنا کر خوشخبری دینے والا اور منہیات بتا کر ڈر سنانے والا نہ آیا۔"

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرمایا گیا ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرھم لا یومنون "بیشک جن کی قسمت میں کفر ہے ان پر برابر ہے کہ انہیں آپ ڈر سنایئے وہ ایمان لانے کے نہیں" اس جگہ بھی سواء علیہم فرمایا یعنی ڈر سنانا اور نہ سنانا" ان کے لئے برابر ہے" یہ نہیں فرمایا سواء علیک ءانذرتھم ام لم تنذرھم یعنی ڈر سنانا اور نہ سنانا آپ کے لئے برابر ہے" اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا ثواب بہر حال ملے گا، وہ بدبخت مانیں یا نہ مانیں اسی لئے اللہ عزوجل نے انبیاء کرام کا ذمہ ہلکا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

"بے شک آپ ایصال الی المطلوب[1] نہیں کر سکتے جس کو دوست رکھیں۔
لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھے راستہ تک پہنچا دے۔" صدق اللہ ورسولہ پھر کسی عالم کے ذمہ کیونکر یہ کام ہو سکتا ہے کہ مخالف کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راہ پر لا کر کھڑا کر دے کہ وہ تو بہر حال انبیاءؑ کے نائب ہی ہیں، پھر اعلیٰ حضرت کے کارنامہ کو دیکھتے ہیں تو بلاشبہ کہنا پڑتا ہے کہ سو میں سو نہیں تو اسی نوے فیصدی کامیابی ہوئی، بڑے سے بڑے مخالف ان کے مقابلہ میں ہمیشہ صامت و ساکت رہے بلکہ اکثر کو تو اقرار کرنا پڑا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب واقعی ٹھیک فرماتے ہیں مگر مصلحتِ وقت کا تقاضا یہ ہے، حالانکہ دین و ایمان کا تقاضا بلا خوفِ لومۃ لائم گوئی، حق طلبی، حق جوئی ہے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

---

[1] ہدایت کے مفہوم میں دو امور داخل ہیں:

(۱) راستہ دکھانا

(۲) منزل مطلوب تک پہنچا دینا۔ پہلے مفہوم کو اراءۃ الطریق اور دوسرے کو ایصال الی المطلوب کہتے ہیں۔

چودھویں صدی کے مجدد کی تصدیق کرنیوالے چند مقتدر علمائے کے اسمائے گرامی

اب رہی یہ بات، کہ آپ کے زمانہ کے علماء و مشاہیر نے آپ کے علوم سے انتفاع دیکھ کر آپ کو مجدد مانا تو یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے اگر اُن تمام حضرات کے صرف نام ہی لکھے جائیں جنہوں نے آپ کو مجدد مانا تو اس کے لئے ایک دفتر درکار ہو

ع مگر وقتے دیگر انشا کنم

اس لئے صرف چند اشہر مشاہیر علماءِ اہل سنت کے نام نامی پر اکتفا کرتا ہوں:-

۱۔ حضرت قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین مولانا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب وارث سجادہ قادریہ برکاتیہ خانقاہِ کلاں، مارہرہ شریف۔

۲۔ حضرت زبدۃ السالکین مرجع الطالبین سیدنا شاہ ابوالقاسم عرف شاہ جی میاں صاحب سجادہ نشین خانقاہ صادقیہ برکاتیہ، مارہرہ شریف۔

۳۔ حضرت عارف باللہ مقبول بارگاہ سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب، سجادہ نشین خانقاہ کلاں، مارہرہ شریف۔

۴۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ محمد عبدالقادر صاحب قادری برکاتی معینی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ معینیہ، بدایوں شریف۔

۵۔ حضرت مطیع الرسول مولانا شاہ عبدالمقتدر صاحب قادری معینی سجادہ نشین خانقاہ معینیہ قادریہ بدایوں، جنہوں نے ۱۳۱۸ھ کے جلسہ پٹنہ میں وعظ[1] کہا اور اس میں مولانا احمد رضا خاں کو ان

---

(۱) ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ندوہ کا جلسہ پٹنہ میں ہوا، قاضی عبدالوحید رئیس پٹنہ نے بھی اسی سال مصلحین ندوۂ علماءِ اہل سنت کا جلسہ منعقد کیا، کثیر علماءِ اہلِ سنت کے بیان ہوئے، اسی جلسہ میں اہلِ سنت مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ نے ندوہ کے غیر اسلامی افعال پر شدید گرفت فرمائی، اس تاریخی جلسہ میں آپ نے خطاب فرماتے ہوئے آیات و احادیث اور تفسیر و تاریخ سے "دو قومی نظریہ" پر زبردست دلائل قائم فرمائے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:-

(۱) حیاتِ اعلیٰحضرت، ج ۱، ص ۱۲۷

(۲) خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات، ۱۹۷۸ء، ص ۱۹

الفاظ سے یاد کیا۔

"جناب عالمِ اہلِ سنت مجددِ مائۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب"

یہ وعظ جب ہی "دربارِ حق وھدایت" میں طبع ہو گیا تھا [۲]

۶۔ وعظِ خوش بیان، شیریں زبان، شہید فی نصرۃ الدین حضرت مولانا شاہ عبد القیوم صاحب قادری بدایونی

۷۔ حضرت اسد الاسد الاشد الارشد مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدثِ سورتی، پیلی بھیتی۔

۸۔ حامیٔ سنت جناب مولانا مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خاں صاحب پیلی بھیتی۔

۹۔ حضرت سلطان الواعظین مولانا مولوی شاہ عبد الاحد صاحب قادری، پیلی بھیتی۔

۱۰۔ حضرت ضیاء الاسلام والحق والدین مولانا ابو المساکین محمد ضیاء الدین صاحب قادری ضیائی پیلی بھیتی۔

۱۱۔ حضرت مولانا سراج الدین ابو الذکاء شاہ محمد سلامت اللہ صاحب اعظمی، رامپوری۔

۱۲۔ حضرت مولانا شاہ ظہور الحسین صاحب فاروقی، رامپوری۔

۱۳۔ حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنت ابو الوقت مولانا شاہ ہدایت رسول صاحب لکھنوی رامپوری

۱۴۔ حضرت عید الاسلام جناب مولانا شاہ عبد السلام صاحب قادری جبل پوری

۱۵۔ حضرت حامیٔ دین وملت مولانا شاہ محمد بشیر صاحب قادری جبل پوری۔

۱۶۔ حضرت مولانا برہان الحق شاہ محمد عبد الباقی صاحب، جبلپوری۔

۱۷۔ حضرت حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت جناب حاجی منشی محمد لعل خاں صاحب قادری مدراسی

۱۸۔ حضرت استادِ زمن ماحیٔ فتن مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری۔

---

[۲] اسی جلسہ پٹنہ میں ندوہ کے غیر اسلامی اقوال وحرکات پر گرفت کرتے ہوئے چودہویں صدی کے مجدد اور دیگر علماء اہلِ سنت نے جو وعظ فرمائے وہ "دربارِ حق وھدایت" میں شائع ہو چکے ہیں، امام احمد رضا خاں قدس سرہ کا وعظ حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی میں دوبارہ چھپ چکا ہے، وعظ کا عنوان ہے۔

"بیان ہدایت نشان مجددِ مائۃ حاضرہ مؤیدِ ملت طاہرہ امام علماءِ اہلِ سنت حضرت مولانا حاجی محمد احمد رضا خاں صاحب سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی دام فیضہ القوی"

١٩۔ حضرت استاذی مولانا مولوی شاہ عبید اللہ صاحب الہ آبادی کانپوری
٢٠۔ حضرت مولانا مولوی شاہ حبیب الرحمٰن صاحب کانپوری
٢١۔ جناب حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت مولانا شاہ مشتاق احمد صاحب کانپوری
٢٢۔ جناب مولانا مولوی پیر قاضی عبدالغفار صاحب بنگلوری۔
٢٣۔ عمدۃ الواعظین شبیہ غوث پاک حضرت سید شاہ علی حسین صاحب کچھوچھہ شریف۔
٢٤۔ جامع علوم عقلی ونقلی واعظ شیریں بیاں مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھہ شریف
٢٥۔ عمدۃ المتکلمین حامی دین متین مولانا محمد فاخر صاحب بیخود الہ آبادی۔
٢٦۔ حضرت مولانا مولوی شاہ عمر الدین صاحب قادری ہزاروی۔
٢٧۔ جناب مستطاب مولانا مولوی قاضی عبدالوحید صاحب، رئیس عظیم آباد،

جنہوں نے مجلس علماء اہل سنت، پٹنہ منعقدہ ١٣١٨ھ میں پر زور قصیدہ پڑھا اور اس میں علماء کرام حاضرین جلسہ کی تعریف وتوصیف کی[1] اس میں اعلیٰ حضرت کے متعلق لکھا ہے

وہ عالم اہل سنت مصطفانا
مجدد عصرہ الفرد الفرید[2]

جس کو سیکڑوں علماء کرام نے سنا اور بخوشی قبول کیا اور کسی نے انکار نہ کیا تو گویا اس لقب پر اجماع اہل سنت وجماعت کا ہوا، اس وجہ سے اعلیٰ حضرت کے نام باہر سے جتنے خطوط آیا کرتے جن کی تعداد مجموعی سیکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تک پہنچتی ہے ان سب میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد مأتہ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، یہ چار صفتیں ضرور ہوا کرتیں۔

---

[1] قاضی محمد عبدالوحید رئیس پٹنہ کا قصیدہ جس میں موجود کثیر علماء اہلسنت کا نام لیکر ان کی تعریف وتوصیف کی گئی، رسالہ آمال الابرار وآلام الاشرار میں چھپ چکا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حیات اعلیٰحضرت ج ١، ص ٩٦، ١١٣

[2] وہ اہل سنت کے برگزیدہ عالم ہیں، اپنے زمانہ کے مجدد ہیں (طریقت میں) فرد ہیں اور (شریعت میں) یکتا وبے مثل ہیں۔

حرمین طیبین اور دیگر علماءِ بلادِ اسلامیہ کی طرف سے آپ کے مجدد ہونے پر اتفاق

اور یہ کچھ علماءِ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں، علماءِ حرمین شریفین و دیگر ممالکِ اسلامیہ نے حضور پُرنور کو اسی لقب سے یاد فرمایا ہے، تقریظات حسام الحرمین والدولۃ المکیہ و اخبار البیان دمشق وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

حضرت غیظ المنافقین و نوز المنافقین، حامی السنۃ واہلہا، ماحی البدعۃ وجہلہا، زینۃ الزمان و حسنۃ الاوان، منشد خطب الکرم، محافظ کتب الحرم، العلامۃ الجلیل والفہامۃ النبیل حضرت مولانا السید اسمٰعیل خلیل ادامہم اللہ بالعز والتبجیل اپنی تقریظ حسام الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"..... واحمد اللہ تعالیٰ علیٰ ان قیض ھٰذا العالم العامل والفاضل الکامل صاحب المناقب والمفاخر مظہر "کم ترک الاول للاٰخر" فرید الدھر وحید العصر مولانا الشیخ احمد رضا خان سلمہ اللہ الرب المنان لابطال حججھم المداحضۃ بالاٰیٰت والاحادیث القاطعۃ کیف لا وقد شھد لہ علماء مکۃ بذٰلک ولم یکن بالمحل الارفع لما وقع منھم ذٰلک بل اقول لو قیل فی حقہ:

انہ مجدد ھٰذا القرن

لکان حقا وصدقا

ولیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

فجزاہ اللہ خیر الجزاء عن الدین واھلہ

ومنحہ الفضل والرضوان بمنہ وکرمہ ....[1]

---

[1] حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور، ص ۵۱، ۵۲ ـ دبدبۂ سکندری، رامپور، جلد ۸۶، شمارہ ۵۲، مطبوعہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں تقریظ کی عبارت کو یہ کہہ کر ترک کیا ہے "مسودہ میں اصل عبارت عربی ہے مگر ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں (مدیر)"

(ترجمہ) ...... اور میں اللہ عز و جل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، منقبتوں اور فخروں والا' اس مثل کا مظہر کہ "اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے"، یکتائے زمانہ' اپنے وقت کا یگانہ مولانا حضرت **احمد رضا خان**' اللہ بڑے احسان والا' پروردگار اسے سلامت رکھے' ان رفتاوے میں مذکورین دین میں فساد برپا کرنے والوں) کی بے ثبات حجتوں کو آیتوں اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے کے لئے' اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علماءِ مکہ اُس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں' اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علماءِ مکہ اُس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اُس کے حق میں یہ کہا جائے کہ :-

وہ اس صدی کا مجدد ہے [1]

تو البتہ حق وصحیح ہو ۔

خدا سے کچھ اس کا اچنبا نہ جان
کہ اک شخص میں جمع ہو سب جہان

تو اللہ تعالےٰ اُسے دین اور اہل دین کی طرف سے سب میں بہتر جزاء عطا کرے اور اُسے اپنے احسان' اپنے کرم سے اپنا فضل اور اپنی رضا بخشے ...."

---

[1] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کے مسلک کی اشاعت نہ صرف حرمین بلکہ تمام ارض مقدس میں ہو رہی ہے جس کا اقرار بعض مخالفین کو بھی ہے چنانچہ حسین احمد مدنی (صدر مدرس دار العلوم دیوبند) دبے الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اہل عرب میں خصوصاً اور اہل ہند میں عموماً طائفہ کی اشاعت ہوتی ہے (شہاب ثاقب، ص ۱۴۲)

ولادت ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی (الملفوظ ج اوّل ص ۱۵)

آثارِ کرامت میں (احمد رضا) اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہو گی ایک صاحب اہلِ عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے فصیح عربی میں اُن سے گفتگو کی (حیات اعلحضرت ج اوّل ص ۲۲)

اندازِ تعلیم میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتاب پڑھتا تھا جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے ایک دو مرتبہ میں دیکھ کر کتاب بند کر دیتا جب سبق سنتے تو حرف بحرف، لفظ بہ لفظ سنا دیتا روزانہ یہ حالت دیکھ کر سخت تعجب کرتے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں یہ تو کہو تم آدمی ہو یا فرشتہ کہ مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی (حیات اعلحضرت ج اوّل ص ۳۲)

سنِ فراغت میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل علماء میں شمار ہونے لگا اور یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء کا ہے اس وقت میں تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کا تھا اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے اور یہ حسن فال ہے کہ میری تاریخ

فراغت بلفظ غفور ۱۲۸۶ھ اور زبر وبینہ میں لفظ تعویذ میں ہے جیسا کہ میری تاریخ ولادت المختار ۱۲۷۲ھ میں ہے ۔
(الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیۃ ص ۳۰۹)

اشواق واشغال | میرے وہ فنون جن کے ساتھ مجھے پوری دلچسپی حاصل ہے جن کی محبت عشق وشیفتگی کی حد تک نصیب ہوئی ہے وہ تین ہیں اور تینوں بہت اچھے ہیں ۔

۱ ۔ سب سے پہلا سب سے بہتر سب سے اعلیٰ سب سے قیمتی فن یہ ہے کہ رسولوں کے سردار (صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین) کی جناب پاک کی حمایت کے لئے اس وقت کمربستہ ہوجاتا ہوں جب کوئی کمینہ وہاں گستاخانہ کلام کے ساتھ آپ کی شان میں زبان دراز کرتا ہے میرے پروردگار نے اسے قبول فرمالیا تو میرے لئے کافی ہے مجھے اپنے رب کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائے گا کیونکہ اس کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ میری بابت جو گمان رکھتا ہے میں اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتا ہوں ۔

۲ ۔ پھر دوسرے نمبر پر وہابیوں کے علاوہ ان تمام بدعتیوں کے عقائد باطلہ کارد کر کے انہیں گزند پہنچاتا رہتا ہوں جو دین کے مدعی ہونے کے باوجود دین میں فساد ڈالتے رہتے ہیں ۔

۳ ۔ پھر تیسرے نمبر پر بقدر طاقت مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ تحریر کرتا ہوں وہ مذہب جو مضبوط بھی ہے اور واضح بھی ۔ تو یہ تینوں میری پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے ہیں انہیں پر میرا بھروسہ ہے ۔

(ترجمہ الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ ص ۱۶۰ - ۱۶۱ مطبوعہ بریلی)

مدت تربیت | ردوہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں بلکہ ان میں سنی بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا مجھے وہ وقت وہ دن وہ جگہ وہ مسائل اور جہاں سے وہ آتے تھے اچھی طرح یاد ہیں ۔ (الملفوظ ج اوّل ص ۱۰۲ مطبوعہ رضوی کتب خانہ بریلی)

دینی مصروفیات ۔ بحمد اللہ تعالیٰ میں اپنی حالت وہ پاتا ہوں جس میں فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ سنتیں بھی ایسے شخص کو معاف نہیں لیکن الحمد للہ سنتیں کبھی نہ چھوڑیں (الملفوظ ج ۴ ص ۶۰ ۔ مطبوعہ رضوی کتب خانہ بریلی)

شرف بیعت

جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں شرف بیعت سے مشرف ہوا ۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج اول ص ۳۴)

میں روتا ہوا دوپہر کو سو گیا حضرت جد امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا عنقریب آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے درد دل کی دوا کرے گا دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے وہاں جا کر شاہ آل رسول مارہروی (۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) سے شرف بیعت حاصل کیا (الملفوظ ج ۳ ـ ص ۸۹)

پہلا حج | پہلی بار کی حاضری حضرات، والدین ماجدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے ہمرکاب تھی اس وقت مجھے تیئسواں (۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) سال تھا (الملفوظ ج دوم ص ۲)

پہلا فتویٰ | بحمدہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ ۱۸۶۹ء ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا (حیاۃ اعلیٰحضرت ج اول ص ۲۸۰)

فتویٰ نویسی کی مدت | ۱۴ شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بحمدہ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ (حیات اعلیٰحضرت ج اول ص ۲۸۰)۔ اور یہ سلسلہ یوم وصال ۱۳۴۰ھ پورے چون سال تک جاری رہا۔ (ادارہ)

دوسرا اور آخری حج | مدینۂ طیبہ کی دوبارہ حاضری سنہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کے وقت میری عمر اکاون ۵۱ برس پانچ مہینے کی تھی۔ (الملفوظ ج دوم ص ۳۲)

حرم مکہ میں امامت | مکہ کے جلیل علمائے سنیہ مثل مولانا شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ و مولانا سید اسمٰعیل محافظ کتب حرم حنفی وقت پر اپنی جماعت کرتے جس میں وہ اکابر اس فقیر کو امامت پر مجبور فرماتے۔ (الملفوظ ج اول ص ۳۸)

ماں کی محبت

چلتے وقت (حج کے لئے) جس لگن میں میں نے وضو کیا تھا اس کا پانی میری واپسی تک نہ پھینکنے دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔ (الملفوظ ج ۲ ص ۴)

اعداء اللہ سے نفرت | بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضل تعالیٰ عداوت اعداء اللہ گھٹی میں پلا دی گئی ہے (الملفوظ ج ۳ ص ۸۸)

مال سے محبت کا معیار | الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ھو مال کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ (الملفوظ ج ۴ ص ۶۷)

عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم | بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الملفوظ ج ۳ ص ۸۸)

اپنی خبر رحلت | ۳ رمضان ۱۳۳۹ھ/۱۰ مئی ۱۹۲۱ء انتقال سے چار ماہ ۲۲ دن قبل آپ نے اس آیت کریمہ سے ویطاف علیہم بآنیۃ من فضۃ واکواب" اپنی رحلت کی خبر دی۔ وصایا شریف ص ۱۳

پند و نصیحت کی آخری مجلس رشد و ہدایت | اے لوگو تم اپنے پیارے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں تمہیں فتنہ میں ڈال دیں تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں ان سے بچو اور بھاگو۔ دیوبندی۔ نیچری قادیانی چکڑالوی یہ سب فرقے بھیڑیئے ہیں تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں۔ ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ وصایا شریف ص ۱۸

شہید محبت کی ڈیبل سے رحلت | آپ نے وصیت نامہ تحریر کرایا پھر خود ہی اس پر عمل کرایا۔ وصال شریف کے تمام کام ارشاد کے مطابق گھڑی دیکھ کر انجام دیئے جاتے رہے آپ نے ایک بجکر ۶ منٹ پر وقت معلوم کیا اور ارشاد فرمایا گھڑی کھلی ہوئی سامنے رکھ دو پھر یکایک ارشاد فرمایا تصاویر ہٹا دو۔ حاضرین کو خیال ہوا یہاں تصاویر کا کیا کام پھر ارشاد فرمایا یہی کارڈ لفافہ روپیہ پیسہ پھر اپنے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں صاحب سے ارشاد فرمایا وضو کر آؤ قرآن عظیم لاؤ۔ ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ اپنے دوسرے صاحبزادے مولانا شاہ محمد مصطفٰے رضا خان صاحب سے پھر ارشاد فرمایا اب بیٹھے کیا کر رہے ہو سورۂ یٰسین شریف اور سورۂ رعد شریف کی تلاوت کرو آپ نے دونوں سورتیں پوری توجہ سے سنیں جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقت زبان سے زیر و زبر میں اس وقت فرق ہوا خود تلاوت فرما کر بتادی۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے تمام و کمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا ادھر ہونٹوں کی حرکت و ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرہ مبارک پر ایک لمعہ نور کا چمکا جس میں جنبش تھی جس طرح آئینہ میں لمعان خورشید جنبش کرتا ہے اُدھر جان نور جسم اطہر حضور سے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء دو بجکر اڑتیس منٹ پر ٹھیک نماز جمعہ کے وقت پرواز کر گئی۔ (وصایا شریف ص ۲۶، ۲۷)
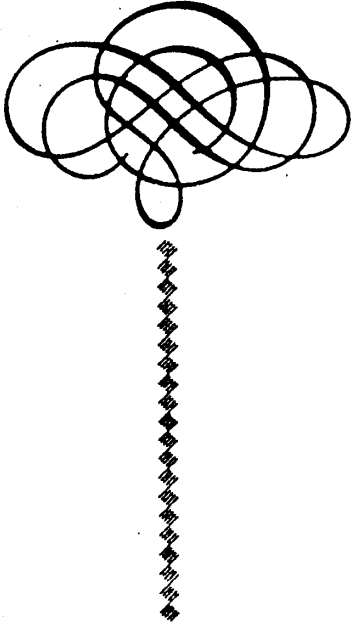
قرآن مجید ایک ایسی جامع کتاب اللہ ہے جو اوّل سے آخر تک تمام حقائق و معارف اور جملہ علوم و فنون کا خزینہ ہے۔ رب کائنات کئی مقامات پر قرآن میں اس حقیقت کی نشاندہی فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

ونزّلنا علیك الکتاب تبیانًا لکلّ شیءٍ (النحل: ۸۹)

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے[1]

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

وتفصیل کلّ شیءٍ (یوسف: ۱۱۱)

اور ہر چیز کا تفصیلی بیان

ایک اور مقام پر اس طرح نشاندہی فرمائی :۔

ما فرّطنا فی الکتاب من شیءٍ (الانعام: ۳۸)

اور ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔

قرآن مجید چونکہ کتاب اللہ ہے اور اشرف المخلوقات انسان کی ہدایت کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اس لئے ضروری ہے کہ اس آسمانی کتاب میں ہر اُس نشئے کا ذکر ہونا چاہیئے۔

---

[1] قرآنی آیات کا ترجمہ "کنز الایمان" سے لیا گیا ہے۔

(اشارۃً یا کنایۃً) جو شئے انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ قرآن اپنی جامعیت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ○ (الانعام: ۵۹)

اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

اس کائنات ارض وسماء میں جو کچھ ہے وہ شئے یا تو خشک ہے یا تر۔ تیسری کوئی حالت نہیں۔ بحروبر، شجر وحجر، زمین و آسمان، جمادات، نباتات، جن وانس، حیوانات، ودیگر مخلوقات، الغرض عالم اسفل اور عالم بالا کی کوئی بھی شئے یا تو خشک ہوگی یا تر۔ یہاں قرآن نے درحقیقت ساری کائنات کے ایک ایک ذرّے کا بیان کر دیا ہے کہ ہر شئے کا علم اور اس کی اصل قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ علامہ ابن برھان الدین قرآن کی اس جامعیت کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں:۔

ما من شيء إلا فيه القرآن او فيه اصله (الاتقان جلد دوم ص ۱۲۶)

کائنات کی کوئی شئے ایسی نہیں جس کا ذکر یا اس کی اصل قرآن سے ثابت نہ ہو۔

گویا قرآن میں یا تو ہر شئے کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے یا کم از کم اشارۃً اس کا بیان ضرور ہے لیکن ہر کوئی شخص قرآن سے وہ تفصیل اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کسی کو یہ نور بصیرت عطا کر دے اس کا سینہ کھول دے اور حجابات اٹھا دے تو وہ شخص قرآن سے ہر علم وفن کی تفصیل معلوم کر سکتا ہے:۔

اس سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ما من شيء إلا يمكن استخراجه من القرآن لمن فهمه الله (الاتقان جلد دوم: ۱۲۶)

کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا استخراج واستنباط آپ قرآن سے نہ کر سکیں لیکن جس کو اللہ تعالیٰ خصوصی فہم (علم لدنی) سے بہرہ ور فرما دے۔

ایسی ہی ہستیوں میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کا قرآن فہمی کے بعد یہ دعویٰ ہے:۔

لو ضاع لي عقال بعير لوجدته في كتاب الله (الاتقان ج ۲: ۱۲۶)

میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو قرآن کے ذریعہ تلاش کر لیتا ہوں

امام المذہب امام شافعی علیہ الرحمہ جامعیت قرآن کی نسبت اپنی قرآن فہمی کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں:۔

سلوني عما شئتم اخبركم عنه في الكتاب الله (الاتقان ج ۲: ۱۲۶)

جس چیز کی نسبت چاہو مجھ سے پوچھ لو میں اس کا جواب قرآن سے دوں گا۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:۔

من اراد العلم فعلیہ بالقرآن فانّ فیہ خیر الاوّلین والاٰخرین (الاتقان ج ۲: ۱۲۶)

جو شخص (جامع) علم حاصل کرنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کا دامن تھامے کیونکہ قرآن میں اوّل سے آخر تک سارا علم (تمام علوم وفنون کا) موجود ہے۔

قرآن کی تعلیمات کو جنھوں نے سینے سے لگایا، برابر غور وفکر کیا تو انھوں نے اپنی زندگی کی تمام مشکلات کا حل قرآن سے حاصل کرلیا، ہر دور کے نئے نئے مسائل کو قرآن سے سمجھ لیا اور قرآن کی سائنسی تعلیمات کی روشنی میں نئی نئی ایجادات کیں اور زمانہ میں ایک انقلاب برپا کیا جس نے انقلابات کی راہ ہموار کی۔ مسلمانوں کی سائنسی ترقی کے سنہری نقوش آج بھی تاریخ میں ثبت ہیں اور جب تک سائنسی تحقیقات کا یہ سلسلہ جاری رہا مسلمان پوری دنیا میں سرخرو رہے لیکن جب مسلمانوں نے قرآن کو سینے سے نکال کر الماریوں کی زینت بنادیا تو ترقیوں سے محروم ہوکر ذلیل وخوار ہوگئے۔ حالاں کہ قرآن مجید تدبر وتفکر کے لئے نازل کیا گیا تھا مگر اب تو ہم تلاوت سے بھی محروم ہوگئے۔ صرف ایصال ثواب کے لئے تلاوت رہ گئی اور وہ بھی کبھی کبھار۔ دوسری طرف اس تدبر وتفکر سے غیر مسلم اقوام دنیوی ترقی کی منزلیں طے کررہی ہیں۔ ربّ ارض وسما مسلمانانِ عالم کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ص: ۲۹)

یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اتاری برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔

ایک اور مقام پر اس طرح متوجہ کراتا ہے:۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الرعد: ۳)

بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو

دوسرے مقام پر غور وفکر کرنے کی اس طرح تعلیم دیتا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط ...... ۝ (النساء، ۸۲)

تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں

قرآن پاک جیسی جامع فنون کتاب پر جب مسلمانوں نے غور وفکر کرنا چھوڑ دیا تو اس ترقی کے دور میں جہاں

ہزاروں کیا لاکھوں غیر مسلم سائنسدان کائنات کے چپے چپے پر غور و فکر کے عمل میں مصروف ہیں اور ان میں مسلمان سائنسدانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ رہی اور مسلمان مسلمان سے لڑنے مرنے پر تلا ہوا ہے خارجی حالات کچھ بھی ہوں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو صرف چند مذہبی مسئلے مسائل کی کتاب سمجھ لیا ہے اور آج کے دور کے ہر مسئلے کا حل مغربی دنیا میں تلاش کرتے ہیں۔ اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا دیا ہمارے بچے یہ جانتے ہی نہیں کہ چند صدیوں قبل دنیا بھر میں تمام ترقیوں کا محور مسلمان سائنسدان ہوا کرتے تھے اور آج مغرب کی دنیا اپنی ترقی پر جو نازاں ہے وہ مسلمان سائنسدانوں کی محنت اور کاوشوں کی مرہون منت ہے، لیکن بدقسمتی سے ہم آج ان مسلمان سائنسدانوں کے نام تک سے آشنا نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم مسلمانوں کے تعلیمی ماحول میں کسی بھی سطح پر ان کا ذکر خیر نہیں کیا جاتا اور اگر ہے بھی تو اتنا مختصر اور غیر معیاری کہ بچے کہانی سمجھ کر پڑھتے ہیں اور بعد میں بھول جاتے ہیں۔ کاش کہ مسلمان ممالک میں ان تمام سائنسدانوں کا باقاعدہ تعارف کرایا جائے اور ان کے علمی فکری کارناموں سے روشناس کرایا جائے۔ قرآن مجید تو وہ کتاب ہے کہ غیر مسلم اس کے جامع العلوم سمجھتے ہوئے اس سے استفادہ کرتے ہیں اور ایک دو نہیں سینکڑوں غیر مسلم اسکالرز قرآن پر غور و فکر کے بعد ایمان کی دولت سے بھی آشنا ہو گئے تو کیا وجہ ہے کہ ہم مسلمان ہوتے ہوئے اس بات پر غور و فکر نہ کریں کہ قرآن دین و دنیا دونوں کے لئے مشعل راہ ہے۔[1]

موریس بوکائیے جن کا تعلق فرانسیسی قوم سے ہے جو بعد میں ایمان بھی لے آئے وہ اپنی کتاب "بائبل قرآن اور سائنس" میں قرآن کی عظمت خاص کر سائنسی علوم کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"جب میں نے پہلے پہل قرآن وحی و تنزیل کا جائزہ لیا تو میرا نقطۂ نظر کلیتاً معروضی تھا پہلے سے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہ تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قرآنی متن اور جدید سائنس کی معلومات کے مابین کس درجہ مطابقت ہے۔ تراجم سے مجھے پتہ چلا کہ قرآن ہر طرح کے قدرتی حوادث کا اکثر اشارہ کرتا ہے لیکن اس مطالعے سے مجھے مختصر سی معلومات حاصل ہوئیں۔ جب میں نے گہری نظر سے عربی زبان میں اس کے متن کا مطالعہ کیا اور ایک فہرست تیار کی تو مجھے اس کام کو مکمل کرنے کے بعد اس شہادت کا اقرار کرنا پڑا جو میرے سامنے تھی۔ قرآن میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ملا جس پر جدید سائنس کے نقطۂ نظر سے حرف گیری کی جا سکے"۔ (ترجمہ ثناء الحق صدیقی ص۶)

۱؎ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری تقریر بعنوان "اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج" منعقدہ تاج محل ہوٹل مورخہ ۲۹ جون ۱۹۸۷ء زیر اہتمام فاران کلب کراچی۔

آگے چل کر موریس بوکایئے رقمطراز ہیں :۔

"ہمارے علم کے مطابق اسلام کے نقطہ نظر سے مذہب اور سائنس کی حیثیت ہمیشہ دو جڑواں بہنوں کی سی رہی ہے۔ شروع ہی سے اسلام نے لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دی اور اس کا نتیجہ یہ رہا کہ اسلامی تمدن کے دورِ عروج میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی جس سے نشاۃ الثانیہ سے قبل خود مغرب نے بھی استفادہ کیا۔" (ایضاً ص ۱۸)

قدیم زمانے میں لفظ سائنس یا سائنسداں کی اصلاح مستعمل نہ تھی مگر ہر وہ عالم وفاضل جو تمام علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا ہوتا وہ حکیم کہلاتا اور یہ خطاب صاحبِ علم وفضل کے لئے خاص تھا اس دور میں حکیم کے لئے لازم تھا کہ وہ مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ علم ہیئت، نجوم، کیمیا، ابدان وغیرہ سے متعلق جملہ تشریحات کا نہ صرف واقف کار ہو بلکہ تمام علوم وفنون میں کمال رکھتا ہو۔ مسلمان سائنسدانوں نے علوم وفنون کی تمام شاخوں بالخصوص علم ریاضی، ہیئت، طبیعیات، کیمیا، فلکیات، نجوم، طب، نباتات، حیوانات، نفسیات، اخلاقیات حیاتیات پر علم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ مسلمان سائنسدانوں کے حالات وافکار کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عموماً تمام ہی سائنسداں دینی علوم کے فارغ التحصیل ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ جب بھی وہ کسی مسئلے پر غور وفکر کرتے۔ سب سے قبل وہ قرآن سے راہ حاصل کرتے خواہ دینی مسئلہ ہو یا دنیوی۔ وہ منقولات، معقولات دونوں کو قرآن سے استنباط کرتے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ (م المتوفی ۵۰۵ھ) جن کو مغربی دنیا ایک عظیم فلسفی تسلیم کرتی ہے اور جن کی متعدد کتب ورسائل مغربی زبانوں میں منتقل ہو چکے ہیں۔ سے ایک دفعہ ایک غیر مسلم سائنسداں نے سوال کیا :۔

"اجرام فلکی یعنی چاند، سورج اور دیگر سیارگان فضا میں جو حرکت کرتے ہیں وہ دو طرح کی ہے ایک سیدھی دوسری معکوس! قرآن مجید میں ایک سمت میں حرکت کا ذکر تو موجود ہے لیکن دوسری سمت کا ذکر موجود نہیں اور آپ کا قرآن دعویٰ کرتا ہے کہ ہر شے کا علم اس قرآن میں موجود ہے تو آپ بتایئے کہ دوسری سمت کی حرکت کا ذکر کہاں ہے ؟"

(منهاج العرفان فی لفظ القرآن ج ۱ ص ۸۰)

امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس غیر مسلم سے ایک سوال پوچھا کہ تو نے پہلی حرکت کا ذکر قرآن مجید کی کس

آیت سے لیا ہے جواب میں انہوں نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت کی ۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ (یٰسین : ۴۰)

اور ہر ایک ، ایک گھیرے میں پیر رہا ہے

امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا اسی آیت شریفہ میں دوسری حرکت معکوس کا ذکر بھی ہے وہ اس طرح کہ كُلٌّ فِي فَلَكٍ کے الفاظ الٹی جانب سے یعنی بائیں جانب سے پڑھے جائیں یعنی فلک کی ک سے شروع کر کے کُل کی ک تک پڑھا جائے تو پھر بھی كُلٌّ فِي فَلَكٍ ہی بنے گا۔ گویا آیت کو دائیں جانب کی سمت سے پڑھیں تو سیارگان کی سیدھی حرکت کا ذکر ہے اور اس معکوس سمت سے پڑھیں تو حرکت معکوس کا ذکر ہے۔[1]

امام غزالی علیہ الرحمہ ایک جانب جید عالم دین تھے تو دوسری طرف اس زمانے کے سائنسی علوم پر بھی بھرپور دسترس رکھتے تھے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ کے علاوہ سینکڑوں کیا ہزاروں نام تاریخ میں ملتے ہیں جنھوں نے علوم نقلیہ حاصل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ جب علوم عقلیہ پر توجہ دی تو اس میں بھی زبردست دسترس حاصل کی۔ یہاں چند سائنسدانوں کا مختصر تعارف کراتا چلوں جن کا ان کے زمانے میں طوطی بولتا تھا اور جنھوں نے علوم عقلیہ کی ترویج میں بھرپور حصہ لیا اور اپنا نام دنیا کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں ثبت کرا گئے۔ مثلاً۔

(i) ابو اسحاق ابراہیم بن جندب (متوفی ۱۵۷ھ/۷۷۶ء) دوربین / TELESCOPE کا موجد۔

(ii) جابر بن حیان (متوفی ۱۹۸ھ/۸۱۷ء) علم کیمیا کا باوا آدم اور بے شمار کیمیائی مرکبات کا موجد

(iii) عبدالمالک اصمعی (متوفی ۲۱۳ھ/۸۳۱ء) علم حیوانیات اور نباتیات پر لکھی جانے والی سب سے پہلی ۵ کتابوں کا مصنف۔

(iv) حکیم یحییٰ منصور (متوفی ۲۱۴ھ/۸۳۲ء) دنیا کی پہلی رسدگاہ (OBSERVATORY) کا صدر اور ASTRONOMICAL TABLES کا موجد۔

(v) محمد بن موسیٰ خوارزمی (متوفی ۲۳۲ھ/۸۵۰ء) الجبرے کا موجد الجبر و مقابلہ اور علم الحساب کا مصنف

(vi) احمد بن موسیٰ شاکر (متوفی ۲۴۰ھ/۸۵۸ء) دنیا کا پہلا میکنیکل انجینئر اور علم میکانیت پر پہلی کتاب کا مصنف

(vii) ابو عباس احمد بن محمد کثیر (متوفی ۲۴۳ھ/۸۶۳ء) زمین کا صحیح محیط (CIRCUMFERENCE) معلوم کرنے والا پہلا سائنسدان۔

---

[1] پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری ، مناہج العرفان فی لفظ القرآن جلد-۱ مقدمہ ص ۹)

(viii) ابو یوسف یعقوب بن اسحاق کندی (متوفی ۲۵۴ھ/۸۷۳ء) مسلمانوں کا پہلا فلسفی جس نے مغرب کو حیرت زدہ کر دیا۔

(ix) ابوبکر محمد زکریا رازی (متوفی ۳۰۸ھ/۹۳۲ء) ابتدائی طبی امداد، میزان طبعی الکحل کا دریافت کرنیوالا طب کا امام

(x) حکیم ابو نصر محمد بن فارابی (متوفی ۳۳۸ھ/۹۵۰ء) علم اخلاق (ETHICS) کا بانی اور علم نفسیات کا عظیم ماہر۔

(xi) ابو علی حسن ابن الہیثم (متوفی ۴۳۰ھ/۱۰۲۱ء) علم نور (OPTICS) کا عظیم ماہر، انعطاف نور کے نظریہ کا ماہر اور دریافت کنندہ اور آنکھ کی تپلی کا محقق اور کیمرہ کا موجد حقیقی۔

(xii) احمد بن محمد علی مسکویہ (متوفی ۴۲۱ھ/۱۰۳۲ء) نباتات میں زندگی، حیوانات میں قوت حس اور دماغی ارتقا کی دریافت کرنے والا، علم سماجیات (SOCIOLOGY)، نفسیات اور اخلاقیات کا عظیم محقق

(xiii) شیخ حسین عبداللہ بن علی سینا (م ۴۲۸ھ/۱۰۳۸ء) علم طبیعات (PHYSICS) علم الامراض والادویہ کے فنون کا مجدد دنیا کی باکمال اور جامع شخصیت اور سائنسدانوں میں سب سے زیادہ کتابوں کا مصنف۔

(xiv) ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (م ۴۳۹ھ/۱۰۴۸ء) پہلا عظیم جغرافیہ داں، ماہر آثار قدیمہ، ارضیات برصغیر کا پہلا مورخ اور سیاح، دھاتوں کی کثافت اضافی معلوم کرنے والا پہلا سائنسداں۔

xv امام محمد بن احمد غزالی (م ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) علم دین کا مجدد اور جدید فلسفہ اخلاق کا بانی علم نفسیات اور فلسفہ کا عظیم محقق۔

(ماخذ ابراہیم عمادی ندوی مسلمان سائنسدان اور انکی خدمات ۱۹۸۷ء)

ان چند مسلمان سائنسدانوں کے تعارف کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی سنہری تاریخ سے واقف ہو سکیں کہ وہ کتنی حسین تھی۔ ہمارے مسلمان سائنسدانوں نے علوم و فنون کی ہر شاخ پر تحقیق و تجسس کیا اور ہر فن پر علمی آثار چھوڑے ہیں۔ سینکڑوں کتابوں کے مغربی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور بہت سی کتابیں آج بھی تدریس میں شامل ہیں لیکن ہم مسلمانوں کو اس کا کچھ علم نہیں۔

ہر صدی نے عظیم مسلمان سائنسدانوں کو جنم دیا ہے اور ہر کوئی اپنے اپنے علمی بساط کے مطابق ان علوم و فنون کا عظیم ماہر بنا۔ چند کا تعارف کرایا جا چکا ہے اور ہزاروں مسلمان سائنسدان تاریخ کی کتابوں کی زینت ہیں۔ البیرونی کے بعد مسلمانوں میں چودھویں صدی ہجری تک البیرونی جیسا عظیم

سائنسداں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہ اعزاز برصغیر پاک وہند کو (۱۸۵۶ء/۱۲۷۲ھ) کو حاصل ہوتا ہے جب دنیائے انسانیت کا عظیم مدبر، مفکر اور عظیم سائنسدان بریلی کی سر زمین پر جنم لیتا ہے۔ ان کا نام ہے احمد رضا خان بریلوی اور مسلمان ان کو اعلیٰ حضرت یا فاضل بریلوی کے نام سے یاد کرتے ہیں [۱]

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی جن کو تمام علوم وفنون (عقلیہ ونقلیہ/ قدیمہ وجدیدہ) پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ آپ کو ۵۵ سے زیادہ علوم وفنون پر مکمل دسترس تھی اور ان تمام فنون پر آپ کے قلمی یادگار موجود ہیں [۲]۔ آپکے ان تمام علوم وفنون کی تعداد امام احمد رضا کی اپنی کتاب الاجازہ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیہ جو ۱۳۲۳ھ میں تالیف فرمائی تھی اور عربی زبان میں لکھی تھی اس سے ماخوذ ہے۔ ان ۵۵ علوم وفنون میں علم قرآن، تفسیر حدیث، فقہ، منطق، عقائد وکلام وغیرہ سب شامل ہیں اور ان میں جو علوم عقلیہ ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں [۳]

بقول آپکے کسی استاد کا احسان اٹھائے بغیر محض توفیق الٰہی سے حاصل ہے۔

علم تکسیر، ہیئت، حساب، ہندسہ، ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، حساب سینی، لوغارثمات علم التوقیت زیجات مثلث کروی ومسطح، ہیئت جدیدہ، مربعات، جفر، فلسفہ قدیمہ/جدیدہ علم زائرچہ وغیرہ۔

علوم جدیدہ کی یہ فہرست جو خود مصنف نے پیش کی ہے اور بعد کے مورخین نے اسی کو اپنی کتابوں میں شامل رکھا ہے بہت کم ہے کیونکہ اوّل تو ایک ہزار سے زیادہ لکھی گئی [۴] کتابوں میں اکثر غیر مطبوعہ ہیں اور جو طبع ہو چکی ہیں ان پر جدید علوم کی روشنی میں نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے۔ راقم الحروف نے علوم جدیدہ کے حوالے سے جو کتب ورسائل اور فقہی مسائل میں جدید علوم کے جزئیات مطالعہ کئے ہیں اس سے مزید مندرجہ ذیل علوم وفنون کی شاخوں کا اضافہ ہوا ہے اس طرح آپ کے علوم وفنون کی تعداد ۷۰ تک جا پہنچتی ہے۔

(۱) علم طبیعیات (PHYSICS) (ii) علم صوتیات (iii) علم نور (iv) علم کیمیا (v) علم طب (vi) علم الادویہ

---

[۱] محمد ظفر الدین بہاری: حیات اعلیٰ حضرت جلد اوّل (۱۹۳۸ء) مطبوعہ کراچی

[۲] ڈاکٹر محمد مسعود احمد: حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی (۱۹۸۱ء) مطبوعہ کراچی

[۳] امام احمد رضا خان: الاجازہ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیہ (۱۳۲۳ھ) مطبوعہ

[۴] مفتی محمد اعجاز ولی: ضمیمہ المعتقد المنتقد مطبوعہ لاہور ص ۲۶۶

(vi) علم معاشیات (ECONOMICS) (vii) علم اقتصادیات (FINANCE) (viii) علم تجارت (COMMERCE) (ix) علم شماریات (STATISTICS) (x) علم ارضیات (GEOLOGY) (xi) علم جغرافیہ (GEORAPHY) (xii) علم سیاسیات (POLITICAL SCICNE) (xiii) علم بین الاقوامی امور ...... (INTERNALIONAL RELATION) (xiv) علم معدنیات (xv) علم اخلاقیات (ETHICS)

امام احمد رضا نے معقولات میں جن علوم وفنون پر اپنی قلمی کاوشیں یادگار چھوڑی ہیں ان کی فہرست پیش کی جاتی ہے پھر مختصراً آپ کے علمی بصیرت پر گفتگو کی جائیگی۔

نمبر شمار	کتاب یا رسالے کا نام	موضوع	زبان	سن اشاعت/ناشر
۱/	نزول آیات قرآن بسکون زمین وآسمان (۱۳۳۹ھ)	ہیئت/فلسفہ	اردو	حسنی پریس بریلی
۲/	نوز مبین در ردّ حرکتِ زمین (۱۳۳۸ھ)	ہیئت طبیعیات	"	۱۹۸۹ء دار الاشاعت بریلی
۳/	معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین (۱۳۳۸ھ)	ہیئت/طبیعیات	"	مجلس رضا لاہور
۴/	الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمہ فلسفہ المشئمۃ		"	۱۹۷۴ء سمنانی کتب خانہ
۵/	حاشیہ اصول طبعی	طبیعیات	عربی	غیر مطبوعہ
۶/	الصراح الموجز فی تعدیل المرکز ⊗ (۱۳۱۹ھ) ۲۴/ اوراق	ہیئت جدیدہ	فارسی	" "
۷/	جدول برائے جنتری سالہ	"	"	" "
۸/	قانون رویۃ اہلہ	"	اردو	" "
۹/	طلوع وغروب کواکب وقمر	"	"	" "
۱۰/	رویت الہلال ⊗ (۱۳۲۳ھ) ۱۳/ اوراق	"	"	" "
۱۱/	مبحث المعادلات الدرجۃ الثانیہ	"	عربی	" "
۱۲/	حاشیۂ کتاب الصور	"	"	" "
۱۳	حاشیۂ شرح تذکرہ	"	"	" "
۱۴	حاشیہ طیب النفس ⊗	"	"	" "
۱۵	اقمار الانشرح الحقیقۃ الاصباح	"	"	" "
۱۶	جادۃ الطلوع والظہر للسیارہ والنجوم والقمر	"	"	" "

نمبر شمار	کتاب یا رسالے کا نام	موضوع	زبان	سن اشاعت/ناشر
۱۷ ر	حاشیہ تسریح	ہیئت جدیدہ	عربی	غیر مطبوعہ
۱۸ ر	حاشیہ شرح چغمنی ⊗ ۳۹ اوراق	"	"	" "
۱۹ ر	حاشیہ علم ہیئات	"	"	" "
۲۰ ر	رفع الخلاف فی دقائق الاختلاف	ہیئت جدیدہ	"	" "
۲۱ ر	حاشیہ شرح باکورہ	"	"	" "
۲۲ ر	حاشیہ خزانۃ العلم	ریاضی	فارسی	" "
۲۳ ر	الجبل الدائرہ فی خطوط الدائرہ	ریاضی	فارسی	" "
۲۴ ر	مسئولیات اسہام	"	فارسی	
۲۵ ر	جدول الریاضی ⊗	"	عربی	" "
۲۶ ر	الکسر العشری ⊗ (۱۳۳۱ھ) (۱۴ اوراق)	"	"	" "
۲۷ ر	زاویۃ الاختلاف المنظر	"	فارسی	" "
۲۸ ر	عزم البازی فی جو الریاضی ⊗	"	"	" "
۲۹ ر	کسور اعشاریہ (۱۰ اوراق)	"	"	" "
۳۰ ر	معدن علومی در سنین ہجری عیسوی و رومی	"	"	" "
۳۱ ر	الاشکال الاقلیدس لنکس اشکال قلیدس	علم ہندسہ	عربی	(۱۳۰۶ھ) مطبوعہ لاہور
۳۲ ر	حاشیہ اصول ہندسہ (۱۵ اوراق)	"	"	غیر مطبوعہ
۳۳ ر	حاشیہ تحریر اقلیدس	"	"	" "
۳۴ ر	اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا	ٹرگنومیٹری	"	مطبوعہ لاہور
۳۵ ر	المعنی الجلی للمغنی والظلی	علم ہندسہ	"	غیر مطبوعہ
۳۶	اطائب الاکسیر فی علم تکسیر ⊗ (۴۳ اوراق)	علم تکسیر	"	" "
۳۷ ر	حاشیہ الدر المکنون	"	"	" "
۳۸ ر	۱۱۵۲ مربعات	"	"	" "
۳۹ ر	مجتلی العروس	"	"	" "

نمبر شمار	کتاب یا رسالے کا نام	موضوع	زبان	سن اشاعت/ناشر
۴۰ ر	رسالہ در علم تکسیر	تکسیر	فارسی	غیر مطبوعہ
۴۱ ر	الجداول الرضویہ للمسائل الجفریہ	علم جفر	عربی	″
۴۲ ر	الاجوبۃ الرضویہ للمسائل الجفریہ	″	″	″
۴۳ ر	الثواقب الرضویہ علی الکواکب الدریہ	″	″	″
۴۴ ر	رسالہ در لوگارثم	علم لوگارثم	اردو	مطبوعہ ۱۹۸۰ء کراچی
۴۵ ر	ستین ولوگارثم	″	″	غیر مطبوعہ
۴۶ ر	حاشیہ زلالات البرجندی ⊗	علم زیجات/حرکات سیارگان	عربی	″
۴۷ ر	حاشیہ برجندی	″	″	″
۴۸ ر	حاشیہ زیج ایلخانی	″	″	″
۴۹ ر	حاشیہ زیج بہادر خانی (۲۱۲ اوراق)	″	فارسی	″
۵۰ ر	حاشیہ فوائد بہادر خانی	″	″	″
۵۱ ر	حاشیہ جامع بہادر خانی	″	″	″
۵۲ ر	مفر المطالع للتقویم والطالع ⊗	زیجات/حرکات سیارگان	اردو	غیر مطبوعہ
۵۳ ر	حاشیہ القواعد الجلیلہ	ریاضی/جبر ومقابلہ	عربی	″
۵۴ ر	حل المعادلات لقوی المکعبات ⊗	″	فارسی	″
۵۵ ر	رسالہ جبر ومقابلہ	″	فارسی	″
۵۶ ر	تلخیص علم مثلث کروی	ٹریگنومیٹری	فارسی	″
۵۷ ر	رسالہ علم مثلث	″	″	″
۵۸ ر	وجوہ زوایا مثلث کروی	″	″	″
۵۹ ر	الموہبات فی المربعات ⊗	ارثماطیقی	عربی	″
۶۰ ر	کتاب الارثماطیقی	″	″	″
۶۱ ر	البدور فی اوج المجذور	″	فارسی	″

نمبر شمار	کتاب یا رسالے کا نام	موضوع	زبان	سن اشاعت/ناشر
۶۲،	درء القبح عن درک وقت الصبح	علم توقیت	اردو	فتاویٰ رضویہ ج ۴
۶۳،	تسہیل التعدیل	″	″	غیر مطبوعہ
۶۴،	ترجمہ قواعد ناٹیکل المنک	″	″	مطبوعہ ″
۶۵،	جدول اوقات	″	″	″ ″
۶۶،	میول الکواکب وتعدیل الایام	″/نجوم	″	″ ″
۶۷،	زیج الاوقات للصوم والصلوٰۃ	″	″	غیر مطبوعہ
۶۸،	طلوع وغروب نیرین	″	″	غیر مطبوعہ
۶۹،	الانجب الانیق فی طرق التعلیق	″	فارسی	مطبوعہ
۷۰،	استنباط الاوقات	″	″	غیر مطبوعہ
۷۱،	البرہان القویم علی العرض والتقویم ⊗	″	″	مطبوعہ
۷۲،	تاج توقیت (۱۳۲۰ھ)	″	″	″
۷۳،	رویت ہلال رمضان ⊗ (۱۳۲۳ھ)	″	اُردو	غیر مطبوعہ
۷۴،	جدول ضرب	″	عربی	مطبوعہ
۷۵،	حاشیہ جامع الافکار	″	″	″
۷۶،	حاشیہ زبدۃ المنتخب	″	″	″
۷۷،	استخراج تقویمات کواکب	نجوم/فلکیات	فارسی	غیر مطبوعہ
۷۸،	استخراج وصول قمر براس	″ ″	″	″
۷۹،	ازکی البہا فی قوۃ الکواب وضعفہا	″ ″	″	″
۸۰،	رسالۃ العاد قمر	″ ″	عربی	″
۸۱،	حاشیہ حدائق النجوم	″ ″	″	″
۸۲،	القواعد الجلیلہ فی العلم الجبریہ ⊗	علم ریاضی/الجبرا	عربی	غیر مطبوعہ
۸۳،	رسالہ در علم مثلث الکروی القائمۃ الزاویہ	″ ٹرگنومیٹری	″	″

نمبر شمار	کتاب یا رسالے کا نام	موضوع	زبان	سن اشاعت/ناشر
۸۴	الجفر الجامع (۱۳۳۳ھ)	علم جفر/فلکیات	عربی	غیر مطبوعہ
۸۵	البیان شافیا لفونو غرافیا (۱۳۲۶ھ)	علم صوتیات	〃	〃
۸۶	الجواہر والتوقیت فی علم التوقیت	علم توقیت	〃	〃
۸۷	سمع الدار - فیما جورت العجز عن الماء (۱۳۳۵ھ)	علم نور طبیعیات	اردو	فتاوی جلد اوّل
۸۸	النور والنورق لاسفار الماء المطلق (۱۳۳۴ھ)	〃	〃	〃
	الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان (۱۳۳۴ھ)	〃	〃	〃
۹۰	النھی النمیر فی الماء المستدیر (۱۳۳۴ھ)	علم ریاضیات	〃	〃
۹۱	رحب الساحۃ فی میاہ لا یستوی (۱۳۳۴ھ)	〃	〃	
۹۲	ذیحا وجوفہا فی الساحۃ	〃	〃	〃
۹۲	المطر السعید علی نبت جنس الصعید (۱۳۳۵ھ)	علم ارضیات	〃	〃
۹۳	سفر السفر عن الجفر بالجفر	علم جفر/نجوم/فلکیات		〃
۹۴	حسن التمم للبیان حد التیمم (۱۲۳۵ھ)	علم ارضیات	〃	〃
۹۵	کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ)	علم اقتصادیات/تجارت	عربی	مطبوعہ لاہور
۹۶	الصبح الحکومہ فی فنل الخصوصہ (۱۳۲۱ھ)	معاشیات	اردو	فتاوی رضویہ ج : ۷
۹۷	الکشف شافیہ حکم فونو غرافیا (۱۳۲۸ھ)	علم صوت	〃	فتاوی ج : ۱۰
۹۸	المنیٰ والدرر لمن عمد منی آرڈر (۱۳۱۱ھ)	علم تجارت/بینکاری	〃	فتاوی ج : ۱۱
۹۹	افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان	علم زراعت	〃	فتاوی ج : ۴
۱۰۰	الاحلی من اسکر لطلبۃ سکر روسر (۱۳۰۳ھ)	علم کیمیا اطلاق	〃	فتاوی ج : ۲
۱۰۱	تدبیر فلاح ونجات واصلاح	علم معاشیات/اقتصادیات	اردو	مطبوعہ کراچی
۱۰۲	اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام	علم بین الاقوامی امور	عربی	مطبوعہ
۱۰۳	دوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۲۹ھ)	علم سیاسیات	اُردو	مطبوعہ کراچی
۱۰۴	حاشیہ مقدمہ ابن خلدون	〃	عربی	غیر مطبوعہ
۱۰۵	فتوی رضویہ جلد ہفتم	کچہری کا نیلام/بیمہ/کوآپریٹو بنک/کمپنیوں کے حصص/انشورنس		مطبوعہ کراچی

⊗ یہ رسائل ادارہ تحقیقات امام احمد رضا میں موجود ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز نے منقولات کے بیش بہا خزانے کے ساتھ معقولات میں بھی ایک
قیمتی سرمایہ عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں میں یادگار چھوڑا ہے۔ علوم عقلیہ میں جو اہم یادگار چھوڑی ہیں
اس کی ایک نامکمل فہرست آپ کے سامنے ہے۔ آپ کا سب سے قیمتی، تحقیقی شاہکار قرآن مجید کا اردو زبان میں
کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے ترجمہ جو آپ نے ١٣٣٠ھ/١٩١١ء مکمل کیا یہ ترجمہ جہاں ایک طرف فنی
اعتبار سے مستند ترین ترجمہ ہے تو دوسری طرف مکمل سائینٹفک ترجمان ہے اور دوسرا اہم ترین شاہکار
فتاویٰ رضویہ ہے جو ١٢ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ ہر جلد ہزار حجازی سائز صفحات پر مشتمل ہے ایک ضخیم علمی تحقیقی
خزانہ ہے اگرچہ یہ فقہی مسائل پر مشتمل ہے لیکن یہ منقولات کے ساتھ ساتھ معقولات کے تمام علوم وفنون
کا احاطہ کرتا ہے۔ مثلاً ریاضی و جغرافیہ جیسے علوم سے مسائل شرعیہ کا استخراج[1]، مسافت قصر کا تعین علم
توقیت / جغرافیہ / ارضیات کی روشنی میں[2]

اوقات صوم وصلوٰۃ علم ہیئت / توقیت کے قواعد کی روشنی میں[3]، بینکاری، اقتصادیات، معاشیات
کی روشنی میں شرعی توجیہات[4]، علم زیجات / ریاضی / فلکیات کی مدد سے رویت ہلال کے مسائل کا حل[5]

فتاویٰ رضویہ جلد اوّل اگرچہ کتاب طہارت پر مشتمل ہے لیکن ضمنی مسائل کے اندر علوم عقلیہ کی تشریحات
میں مکمل دسترس کا ثبوت دیا ہے مثلاً پانی میں رنگ ہے یا نہیں، پانی کا رنگ سفید ہے یا سیاہ کیا سبب ہے
کہ موتی شیشہ بلور پیسنے سے خوب سفید ہو جاتے ہیں، رنگین پیشاب کا جھاگ سفید کیوں معلوم ہوتا ہے
آئینہ میں درز پڑ جائے تو وہاں سپیدی کیوں معلوم ہوتی ہے، آئینہ میں اپنی صورت اور وہ چیزیں جو پیٹھ
کے پیچھے ہوتی ہیں کس طرح نظر آتی ہیں، آئینہ میں داہنی جانب بائیں اور بائیں جانب داہنی کیوں نظر آتی ہے

---

١ امام احمد رضا خاں — فتاویٰ رضویہ ج: ٢
٢ امام احمد رضا خاں — جد الممتار علیٰ رد المحتار ج: اوّل
٣ 〃 〃 〃 — فتاویٰ رضویہ ج: ٢
٤ 〃 〃 〃 — 〃 〃 ج: ٧
٥ 〃 〃 〃 — 〃 〃 ج: ٤

برف کے سفید نظر آنے کا سبب، شعاعیں جتنے زاویے پر جاتی ہیں اتنے ہی زاویے پر پلٹتی ہیں، رنگتیں تاریکی میں موجود رہتی ہیں، پتھر کس طرح بنتا ہے، پتھروں کی اقسام، پارہ آگ پر کیوں نہیں ٹھہرتا۔ معدنیات میں چار قسمیں ناقص الترکیب ہیں، چاروں عنصروں میں ایک دوسرے سے تبدیلی کی بارہ صورتیں اجزائے ارضیہ بلاواسطہ بھی آگ ہو جاتے ہیں، کان کی ہر چیز گندھک و پارے کی اولاد ہے، گندھک نر ہے یا مادہ، قطر و محیط کی نسبت دائرے کے قطر و محیط و مساحت سے جو ایک چیز معلوم ہوتی ہے دو معلوم کرنے کا طریقہ، مصنف مٹی کی اقسام اور ان کی درجہ بندی وغیرہ۔ اسی طرح تمام مجلدات میں سائنسی موضوعات پر رسائل اور تحریر ملتی ہے فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم کا مطالعہ کیجیے تو اقتصادیات، معاشیات، بینکاری اور دیگر لین دین کے تمام مسائل سمٹے ہوئے ہیں اگر تحقیق کی نگاہ سے اس کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی نظام مالیات کی یہ نادر کتاب ہے جو ہر مسلمان معاشرہ کے لیے ضروری ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو سائنسی علوم پر بھی اتنی ہی دسترس حاصل تھی جتنی دینی علوم پر اور آپ کے سامنے دینی، سائنسی، منقولات یا معقولات کا کوئی بھی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ پیش ہوتا تو آپ فی الفور اور فی البدیہہ اس کا جواب تحریر فرما دیتے یا زبانی بتا دیتے اور خوبی یہ ہوتی کہ کتابوں کی مدد کے بغیر اس مسئلے کا حل پیش فرما دیتے۔ مثلاً دوسرے حج کے موقع پر (سنہ ۱۳۲۳ھ) میں علماء حرمین شریفین نے دو اہم مسئلوں کے سلسلے میں آپ سے استفسار کیا۔ ایک کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطائی علم الغیب سے تھا اور دوسرے کا تعلق کاغذ کے نوٹ کا مسئلہ تھا جو اقتصادیات اور معاشیات سے متعلق تھا آپ نے استفتاء کے جواب میں مسئلہ علم الغیب پر عربی زبان میں صرف ۸ - ۱۰ گھنٹوں میں ۳ نشست کے اندر بخار کے عالم میں بغیر کسی کتاب کتابچہ کی مدد کے ۴۰۲ صفحات پر مشتمل ایک مدلل جواب بعنوان "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۴ھ) اپنے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں (متوفی ۱۳۶۲ھ / سنہ ۱۹۴۲ء) کو املا کروائی اور اسی طرح دوسری کتاب نوٹ کے مسئلہ پر عربی زبان میں چند گھنٹوں میں بغیر کتب کی مدد کے "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" (۱۳۲۴ھ) جیسی ممتاز کتاب تصنیف فرمائی جو بلا سود بنکاری کے شرعی طریق کار پر منفرد کتاب ہے اور موجودہ بنکاری اور اقتصادی مسائل کی اہم ضرورت ہے اس طرح مسائل جدیدہ کے موضوع پر سینکڑوں کتب و رسائل تصنیف فرمائے اور اُن کی تصنیف میں بھی

ل امام احمد رضا الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۴ھ

کسی بھی کتاب کو کھول کر دیکھنے کی نوبت نہ آتی اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کبھی ایک کتاب نظر سے گزر جاتی وہ اسی طرح آپ کے ذہن میں محفوظ رہتی جس طرح آج کمپیوٹر پوری کتاب کو محفوظ کر لیتا ہے اور جس وقت بھی کوئی مسئلہ منقولات یا معقولات کا درپیش آتا آپ کا ذہن اس مسئلہ کو اسی لمحہ حل کر دیتا جس طرح بٹن دباتے ہی کمپیوٹر رزلٹ دے دیتا ہے۔ یہ ایک آپ کی بے پناہ ذہانت و فطانت کی دلیل ہے۔ مثلاً:۔

سان فرانسسکو (امریکہ) کے ایک ہیئت داں (ASTRONOMIST) پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے ایک دفعہ یہ پیشن گوئی کی کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو آفتاب کے سامنے بیک وقت کئی ستاروں کے اجتماع اور ان کی مجموعی کشش کے نتیجے میں بڑے بڑے گھاؤ پڑیں گے جس سے امریکہ میں خصوصاً اور دنیا میں عموماً زبردست تباہی مچے گی۔ یہ پیشنگوئی بھارتی اخبار ایکسپریس بانکی پور پٹنہ کے ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی[1]

امام احمد رضا کے سامنے جب علامہ ظفر الدین بہاری (متوفی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء مصنف صحیح البہاری ۶ جلدیں) نے اس پیشنگوئی پر استفسار کیا تو آپ نے اس کو لغو قرار دیا اور اس امریکی ہیئت داں کی پیشنگوئی کی رد میں ایک سائینٹفک رسالہ اردو زبان میں بعنوان معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ) مکمل کیا جو لاہور سے مجلس رضا نے طبع کروایا تھا اور اس سال اس کا انگریزی ترجمہ (مترجم مشہور صحافی نگار عرفانی) ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع کر رہا ہے۔

اس رسالے کے علاوہ آپ نے آئن اسٹائن اور آئزک نیوٹن کے خیالات کا بھی تعاقب کرتے ہوئے ۳ مزید سائنسی رسائل تحریر فرمائے۔

۱۔ الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء فلسفة المشئمه ۱۳۳۸ھ
(مطبوعہ انڈیا)

۲۔ فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ حال ہی میں بریلی سے مکمل شائع ہوا ہے)

۳۔ نزول آیات قرآن بسکون زمین و آسمان (۱۳۳۸ھ) مطبوعہ لاہور

۱۔ ظفر الدین بہاری حیات اعلیٰ حضرت جلد اوّل مطبوعہ کراچی

امام احمد رضا نے یہ رسائل لکھ کر علم ہیئت کے میدان میں تہلکہ مچا دیا کیوں کہ آپ نے نیوٹن آئن اسٹائن اور البرٹ ایف پورٹا کے پیش کئے ہوئے انکے بنیادی قانون کا رد فرمایا اور قرآن سے ثابت کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اور دوسرے سیارے زمین کے گرد گردش میں مصروف ہیں۔ آپنے رد میں ۱۰۵ دلیلیں قائم کیں جن میں سے ۱۵ دلیلیں سابقہ کتابوں کی ہیں اور ۹۰ دلائل خود آپ نے تنہا قائم کئے[1]۔ حرکت زمین کے رد میں ایک کتاب جرمنی سے بھی شائع ہوئی تھی بعنوان 100 AUTHORS AGAINST EINSTION[2]

نیوٹن اور آئن اسٹائن کے نظریات سے تمام دنیا واقف ہے اور ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ مولانا احمد رضا کے تعاقبات اور تنقیدات کا مطالعہ کریں اور دنیا کے سامنے پیش کریں کیونکہ اوّل تو آپ انکے معاصرین میں ہیں دوم آپ بات دلائل سے کرتے ہیں اور دلائل بھی عین سائنسی ہوتے ہیں۔ آپ کی کتاب نظریہ حرکت زمین کا جب پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام (نوبل انعام یافتہ) نے مطالعہ کیا تو اپنے خیال کا اظہار انھوں نے ایک مکتوب ہی میں کیا۔ جو ڈاکٹر محمد مسعود صاحب کے نام لکھا تھا۔[3]

"مجھے خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا نے اپنے دلائل میں LOGICAL & AXIOMATIC پہلو مدنظر رکھا ہے۔"

آپ کے فلسفہ رد حرکت زمین کے سلسلے میں پروفیسر ابرار حسین علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی رقمطراز ہیں[4]

"اعلیٰ حضرت کی ضرب دراصل نیوٹن کے نظریات پر ہے.... اعلیٰ حضرت کی تحریر کو سرسری نظر سے دیکھ کر رد کر دینا میرے خیال میں غیر سائنسی فعل ہے خصوصاً اس صورت میں جب نامور سائنسداں بھی اس قسم کے نظریات آج بھی رکھتے ہیں۔"

امام احمد رضا ہیئت، طبیعات، فلکیات کے ساتھ ساتھ ہی علم ریاضی، ہندسہ کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ علوم ریاضی پر بے شمار رسائل تصنیف فرمائے ہیں اور بہت سی کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں اور مختلف موقعوں پر حیرت انگیز جواب بھی دیئے ہیں۔ مثلاً ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء سے قبل برصغیر پاک و ہند کے ماہر

---

1. ڈاکٹر محمد مسعود احمد مقدمہ امام احمد رضا اور نظریہ حرکت زمین مطبوعہ کراچی ص ۱۱ ۱۹۸۳ء
2. ایضاً ص ۱۶
3. ڈاکٹر محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور نظریہ حرکت زمین کراچی ۱۹۸۳ء ص ۱۸
4. ایضاً ص ۱۹

ریاضی داں اور علیگڑھ یونیورسٹی کے سابق شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے علم المربعات سے متعلق ایک سوال اخبار دبدبۂ سکندری (رام پور) میں شائع کروایا کہ کوئی ریاضی داں اس کا جواب دے چنانچہ جب آپ کے سامنے وہ سوال پیش کیا گیا تو آپ نے نہ صرف جواب شائع کروایا بلکہ اپنی طرف سے ایک سوال اس جواب کے ساتھ پیش کیا جب کا جواب سر ضیاء الدین نے اخبار میں شائع کروایا تو آپ نے ڈاکٹر ضیاء الدین کے جواب کی تغلیط فرما کر ڈاکٹر صاحب کو حیرت میں ڈال دیا کہ ایک عالم دین دینی اور تدریسی زندگی بسر کرنے والا اتنا بڑا ریاضی داں بھی ہے[1]

ڈاکٹر سر ضیاء الدین کو ایک دفعہ پھر ریاضی کے مسئلہ میں دشواری پیش آئی اور جس کے حل کے لئے وہ جرمنی جانا چاہتے تھے لیکن پروفیسر علامہ سید سلیمان اشرف بہاری متوفی (۱۳۸۶ھ ۱۹۶۶ء) صدر شعبہ دینیات علیگڑھ یونیورسٹی جو امام احمد رضا کے تلمیذ و خلیفہ بھی ہیں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کو لے کر بریلی حاضر ہوئے اور جب سر ضیاء الدین نے اپنا لاینحل PROBABLITY کا سوال آپ کے سامنے زبانی پیش کیا تو آپ نے زبانی فوراً اس کا حل پیش کر دیا[2]۔ بعد میں سر ضیاء الدین نے اپنے تاثرات میں فرمایا:۔

> "میرے سوال کا جواب بہت مشکل اور لاینحل تھا۔ آپ نے ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصے سے ریسرچ کر رہے ہوں۔ اب ہندوستان میں اس کا کوئی جاننے والا نہیں[3]"

اسی طرح امام احمد رضا نے علم صوتیات کے موضوع پر ایک رسالہ بعنوان "البیان شافیا لفونوغرافیا" ۱۳۲۶ھ میں قلمبند فرمایا۔ اگرچہ اس کا موضوع بھی فقہی ہے مگر حقیقت میں سائنسی ہے اور سارے آوازوں کی لہروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی علم ہیئت / طبیعیات پر کئی رسائل فتاویٰ رضویہ کی زینت ہیں۔ علم ہیئت کے ساتھ ساتھ علم نجوم / توقیت / تکسیر پر کمال حد ایجاد کے درجہ پر تھا۔ چنانچہ ظفر الدین بہاری حیات اعلیٰ حضرت میں ص ۵۹ پر رقمطراز ہیں۔

---

[1] ظفر الدین بہاری حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد اوّل ص ۱۵۶

[2] ظفر الدین بہاری حیات اعلیٰ حضرت جلد اوّل مطبوعہ کراچی ص ۱۵۳

[3] ایضاً ص ۱۵۵

"ہیئت و نجوم میں کمال کے ساتھ علم توقیت میں کمال حدِ ایجاد کے درجہ پر تھا
یعنی اگر انہیں فن کا موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔"

امام احمد رضا نے علوم عقلیہ کے حوالے سے جو کچھ تحریر کیا ہے اس کی ندرت یہ ہے کہ پہلے حمد و ثنا بیان فرماتے ہیں پھر قرآنِ مجید کے حوالے دیتے ہیں اس کے بعد اقوالِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نقل فرماتے ہیں۔ پھر اقوال سلف صالحین سے دلائل مضبوط کرتے ہیں، ان تمام دلائل کو یکجا کرنے کے ساتھ ساتھ ترتیب نو کرتے ہیں اور آخر میں اپنے قول پیش فرماتے ہیں گویا ہر سائنسی رسالہ بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں۔ جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ قرآن مجید، احادیث پر آپ کی بڑی گہری اور وسیع نظر تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ نے قرآن اور سائنس کو کبھی علیحدہ نہ کیا اور ہر سائنسی موضوع پر لکھ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں تمام تعلیم موجود ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد رضا کا انداز فکر منطقی ہوتے ہوئے بھی مذہبی تھا وہ کسی علم و فن کو مذہب سے علیحدہ تصور نہ کرتے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جب پروفیسر حاکم علی خان[1] (المتوفی ۱۹۴۲ء) جو اسلامیہ کالج لاہور میں ریاضی کے استاد تھے اور اپنے فن میں یگانۂ روزگار تھے انہوں نے امام احمد رضا سے نظریۂ حرکت زمین کے متعلق استفسار کرتے ہوئے ایک مکتوب میں آپ کو لکھا[2]

"غریب نواز کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر انشاء اللہ سائنس کو اور سائنسدانوں کو مسلمان کیا ہوا پائیں گے!"

امام احمد رضا نے اس کا جو جواب قلمبند کیا وہ مسلمان سائنسدانوں کے لئے قابل توجہ ہے آپ نے لکھا[3]

محب، فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق کر لیا جائے یوں تو معاذ اللہ! اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلے اسلامی کو روشن کیا جائے، دلائل

---

[1] اقبال احمد فاروقی تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ لاہور

[2] پروفیسر محمد مسعود احمد حیات امام احمد رضا خاں بریلوی مطبوعہ کراچی ص :

[3] ایضاً ص :

سائنس کو مردود پامال کردیا جائے، جا بجا سائنس کے اقوال سے اسلامی مسئلے کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال و اسکات ہو، یوں قابو میں آئیگی اور یہ آپ جیسے فہیم سائنسداں کو باذنہٖ تعالیٰ دشوار نہیں۔"

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ فرزند مفتی محمد مظہر اللہ مجددی نقشبندی دہلوی (المتوفی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) امام احمد رضا کے فکری انداز کے سلسلے میں اپنی تالیف "حیات امام احمد رضا خاں" میں صفحہ نمبر ۱۱۳ پر رقمطراز ہیں۔

"مولانا بریلوی نے جس انداز فکر کی نشاندہی کی ہے اگر اس کو اپنا لیا جائے تو آج ہمارے پڑھے لکھے نوجوان جدید افکار و خیالات سے اتنے مرعوب اور اسلامی فکر و خیال سے اتنے بیگانہ نظر نہ آتے بلکہ راقم کا تو یہ خیال ہے کہ خود سائنس داں قرآن سے روشنی حاصل کرتے تو جہاں وہ آج پہنچے ہیں صدیوں قبل پہنچ چکے ہوتے"

امام احمد رضا قرآن پاک کے گرویدہ تھے اور آپ نے تمام علوم و فنون قرآن ہی سے سیکھے اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ آپ جب قرآن پاک کی ان آیات کا ترجمہ فرماتے جو قطعی طور پر علوم عقلیہ کی وضاحت کرتے ہیں یا اس طرف اشارہ ہوتا، تو اردو زبان کے تمام تراجم میں واحد آپ کا ترجمہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو اللہ نے وہ علم لدنّی عطا فرمایا ہے کہ اس کے صدقے میں آپ ہر آیت میں اس علم و فن کے متعلق جان لیتے اور پھر لفظوں کا چناؤ اسی علم کی اصطلاحات کے مطابق فرماتے۔ یہ خوبی اُردو زبان کے کسی بھی قرآنی ترجمہ میں نظر نہیں آتی اگرچہ تمام مترجمین یقیناً علوم دینیہ سے باخبر ہوں گے لیکن علوم عقلیہ کا کوئی واقف کار نظر نہیں آتا۔ مگر امام احمد رضا تمام سائنسدانوں کی توقعات پر پورا اُترتے ہیں اور آپ کا ترجمہ پڑھ کر جہاں ایک دینی عالم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا وہیں علوم عقلیہ کا ماہر بھی امام احمد رضا سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا اور وہ یہ جان کر خوش ہوتا ہے کہ سائنسی قانون جو آج پیش کئے جا رہے ہیں ہمارا قرآن ۱۴ سو سال قبل پیش کر چکا ہے۔

مثلاً اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان زمین کے کناروں سے نکل کر فضاؤں کو چیرتا ہوا چاند پر قدم رکھنے کے قابل ہو گیا۔ اب اس حقیقت کے لئے دو باتیں قرآن سے مطلوب ہیں پہلی یہ کہ کیا انسان زمین کے کناروں / حدود سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں اور نکلنے والا کافر

ہو گا یا مسلم دوسری بات یہ کہ آیا انسان چاند یا دوسرے سیاروں پر پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب قرآن پاک کے حوالے سے سوائے امام احمد رضا کے ترجمے کے اور کسی مترجم کے ہاں نہیں ملتا قرآن پاک نے ان دونوں سوالوں کی حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

یٰمعشر الجنّ والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لاتنفذون الّا بسلطٰن ۝ ۳۳ (الرحمٰن)

اے جن و انس کے گروہ اگر تم سے ہو سکے کہ آسمان و زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ۔ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے ۝ (ترجمہ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن امام احمد رضا)

امام احمد رضا نے قرآن پاک سے یہ ثابت کیا کہ زمین کے کناروں سے نکلنا آسان تو نہیں مگر اگر نکل جاؤ گے تو سلطنت اسی کی رہے گی یعنی وہ اس زمین کا بھی خدا ہے اور تم جس جگہ بھی چلے جاؤ وہاں اسی کی خدائی ہے۔ آپ نے لا تنفذون الّا بسلطٰن ۝ کا ترجمہ فرمایا کہ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے اور یہ عین سائنٹیفک ترجمہ ہے کیونکہ اس میں کوششوں کے بعد زمین کے کناروں سے نکلنے کا اشارہ موجود ہے کہ انسان ترقی کر کے اس دور میں داخل ہو گا کہ جب وہ زمین کے کناروں سے نکل سکے گا اور آج ہزاروں لاکھوں آدمی فضائی سفر کرتے ہیں زمین سے تیس ہزار سے ۴۰ ہزار فٹ بلندی پر پہنچ جاتے ہیں اور انسان نے جہاز کے بعد راکٹ بنائے جو لاکھوں میل دُور کی سیر کر سکتے ہیں اسی میں ایک راکٹ اپالو نام کا چاند پر بھی پہنچ گیا اور اب انسان کا سفر چاند سے بھی دُور مریخ کی طرف ہے جو زمین کے کنارے سے کروڑوں میل دُور ہے۔ تو زمین کے کناروں سے نکلنا ناممکن ہوتا تو کسی طرح کوئی بھی انسان ہزار کوشش کے باوجود نہیں نکل سکتا اور اگر یہ قرآنی قانون ہوتا کہ تم زمین کے کناروں سے نہ نکل سکو گے تو مرضی خداوندی کے خلاف انسان یہ کام انجام نہیں دے سکتا تھا مگر قرآن بتا رہا ہے کہ آؤ مجھ سے پوچھو میں ہر شے کی تفصیل بتاؤں گا۔ امام احمد رضا نے اس نکتے کو جب قرآن سے پوچھا تو قرآن نے جواب دیا کہ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے جب کہ مترجمین کے ترجموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان زمین کے کناروں سے نکل ہی نہیں سکتا۔

۱۔ لاتنفذون الا بسلطٰن ۝

نہ بیٹھ جاؤ گے تم مگر ساتھ غلبہ کے (شاہ رفیع الدین)

۲۔ مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (اور زور ہے ہی نہیں) (مولوی اشرف علی تھانوی)

۳۔ اور زور کے سوا تم نکل سکتے ہی نہیں۔ (مولوی فتح محمد جالندھری)

۴۔ مگر کچھ ایسا ہی زور ہو تو نکلو (ڈپٹی نذیر احمد دہلوی)

۵۔ تم دلیل کے بغیر ہرگز نہیں نکل سکتے۔ (مرزا بشیر الدین)

۶۔ تم بغیر قوت اور غلبہ کے نکل ہی نہیں سکتے (مولوی فرمان علی)

۷۔ نہیں بھاگ سکتے اس کے لیے بڑا زور چاہیئے۔ (مولوی مودودی)

اسی طرح دوسرے سوال کا جواب کہ آیا انسان زمین کے علاوہ کسی اور سیارے پر قدم رکھ سکتا ہے یا نہیں اس جواب کی گنجائش بھی صرف امام احمد رضا کو نظر آئی اگرچہ ان کے زمانے میں انسان نے چاند پر قدم نہیں رکھا تھا مگر انسان کی ترقی کی دوڑ کو انھوں نے دیکھ لیا تھا اور قرآن کو بھی انہوں نے دیکھا تو قرآن نے جواب دیا۔

والقمر اذا اتسق ۵ لترکبن طبقاً عن طبق ۱۹ فما لھم لا یؤمنون ۲۰ (الانشقاق)

اور چاند کی قسم جب کامل ہو جائے ۱۸ ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے ۱۹ تو کیا ہوا انھیں ایمان نہیں لاتے ۲۰

یہاں آپ نے لترکبن طبقاً عن طبق کا ترجمہ منزل چڑھنا فرما کر یہ بتا دیا کہ انسان جب فضاؤں کو چیرتا ہوا باہر نکلے گا تو ضرور اس کی کوئی دوسری منزل ہوگی اور صورت کی ۱۸ ویں آیت یہ بھی اشارہ کر رہی ہے کہ وہ منزل چاند ہوگی اور ممکن ہے کہ منزل بہ منزل انسان چڑھتا ہی چلا جائے اور ۲۰ ویں آیت یہ بھی اشارہ کر رہی ہے کہ یہ انسان جو چاند یا کسی اور سیارہ پر قدم رکھے گا وہ مسلمان نہیں کافر ہوگا اور دنیا گواہ ہے کہ چاند پر پہلا قدم رکھنے والے[1] دونوں امریکی خلا باز نیل آرمسٹرانگ اور ایڈن ایلڈرن کافر تھے۔ اب اگر قرآن یہ بات بتانے سے قاصر رہے کہ آیا انسان کسی دوسرے سیارے پر قدم رکھے گا یا نہیں اور انسان قدم رکھ لے تو اتنی بڑی ترقی اگر قرآن نہ بتا سکے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ درست نہیں رہتا کہ ہر خشک اور تر کا ذکر قرآن میں موجود ہے یا ہر شے کی تفصیل موجود ہے، لہٰذا یہ ضروری ہوا کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے خاص کر آج کل کے دور میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر دسترس بھی ضروری ہے۔ امام احمد رضا نے ایسے ہی لفظوں کا چناؤ کر کے جہاں مذہبی اور دینی قانون کی پابندی کی ہے تو دوسری طرف دیگر علوم وفنون کی معلومات کی بھی پرکھنے تک لفظوں میں ترجمانی کی ہے اب اسی آیت کا ترجمہ جو دیگر مترجمین کرتے ہیں اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

---

[1] اخبار جنگ مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۶۹ء

کہ یہ آیت انسان کی اس ترقی کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے ۔

لترکبن طبقاً عن طبق ۝ ۱۹ الانشقاق

۱۔ البتہ سوار ہوگے تم ایک حالت پر ایک حالت سے (شاہ رفیع الدین دہلوی)

۲۔ کہ تم لوگوں کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت کو پہنچنا ہے ۔ (مولوی اشرف علی تھانوی)

۳۔ کہ تم درجہ بدرجہ (رتبہ اعلیٰ) پر چڑھو گے ۔ (مولوی فتح محمد جالندھری)

۴۔ کہ تم لوگ اسی طرح درجہ بدرجہ منزل ہستی کو طے کرو گے ۔ (ڈپٹی نذیر احمد)

۵۔ تم ضرور درجہ بدرجہ ان حالتوں کو پہنچو گے (مرزا شبیر الدین)

۶۔ کہ تم لوگ ضرور ایک سختی کے بعد دوسری سختی میں پھنسو گے ۔ (مولوی فرمان علی)

۷۔ تم کو ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف گذرتے چلے جانا ہے (مولوی مودودی)

ان تراجم کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر پاک وہند میں امام احمد رضا جیسا متبحر عالم اور کوئی نہیں ۔ بات آپ نے بھی وہی کہی بس الفاظ کے چناؤ نے اس کو نکھار دیا اور اس سے سائنسی پہلو بھی اخذ ہو گیا اسی طرح آپ کی وسعت نظری کا اندازہ علم ارضیات کے حوالے سے قرآن پاک کی سورہ النّٰزعٰت کی ۳۰ ویں آیت سے کیجئے ۔

والارض بعد ذلک دحٰھا ۝ ۳۰ (النّٰزعٰت)

اور اس کے بعد زمین پھیلائی

جب کہ دیگر تمام اردو مترجمین نے لفظ دحٰھا کے معنی پھیلنے کے بجائے جماؤ کئے ہیں جبکہ لفظ پھیلنا اور جمانا دو مختلف مفہوم رکھتے ہیں ۔ جمانے سے جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کوئی چیز تہ بہ تہہ ایک کے اوپر ایک جم رہی ہو اور پھیلنا کا مفہوم یہ بتاتا ہے کہ کسی چیز کا حجم بڑھ رہا ہے ۔ علوم ارضیات زمین کے متعلق یہ معلومات فراہم کرتی ہے کہ زمین جب سے وجود میں آئی ہے برابر پھیل رہی ہے[۱] وہ اس طرح کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے سمندروں میں یعنی بحر ہند، اوقیانوس وغیرہ میں بیچ و بیچ سمندر میں نیچے پانی کی تہہ میں سمندری خندقیں (OCEANIC TRENCHES) پائی جاتی ہیں یہ خندقیں ہزاروں میل لمبی بھی ہیں اور ان خندقوں سے برابر گرم گرم پگھلا ہوا لاوا نکل رہا ہے اور اوپر آنے کے بعد یہ دونوں

۱؎ SAWKINS, F.S et-al 1978" THE EVOLVING EARTH 2ND ED. PAGE 153

جانب جم جاتا ہے جب نیا لاوا نکلتا ہے تو پہلے سے جمع شدہ تہہ دائیں بائیں جانب سرکتی ہے اس کے سرکنے سے براعظم پورا سرکتا ہے اور سمندر پیچھے چلا جاتا ہے زمین بلند ہو جاتی ہے یہ عمل اگرچہ بہت آہستہ ہوتا ہے لیکن برابر جاری رہتا ہے[1]۔ زمین چونکہ برابر اٹھ رہی ہے اپنے پھیلاؤ کی وجہ سے اور اس کے پھیلاؤ کی رفتار مختلف براعظموں میں مختلف ہے کوئی براعظم ۳ سینٹی میٹر ہر سال اوپر اٹھ جاتا ہے کوئی چار سینٹی میٹر ہمارا براعظم ایشیا کا برصغیر پاک و ہند کا حصہ ۳ اعشاریہ ۵ سینٹی میٹر ہر سال اوپر اٹھ جاتا ہے اور بحرہ عرب برابر پیچھے ہٹ رہا ہے ۔ یہی قدرتی عمل زمین کو برابر پھیلا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اس پھیلاؤ کا ذکر سورہ النّٰزعٰت کی ۳۰ ویں آیت میں کیا اور امام احمد رضا نے قدرت کے اس عمل کو اپنے ان لفظوں میں جتا کہ "اور اس کے بعد زمین پھیلائی"۔ زمین کے پھیلنے کے اس عمل کو صرف امام احمد رضا جیسا سائنسدان ہی دیکھ سکتا ہے ۔ اور پھر اس پورے عمل کو یا اس کی تفسیر کو اپنے لفظوں کے چناؤ کے بعد ایک لفظ میں سمیٹ دیا ۔ جبکہ اردو زبان کے تمام مترجمین جن کی تعداد ۳۰۰ کے لگ بھگ ہے اور ان میں سے راقم کو اکثر تراجم دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ کوئی بھی مترجم آیات کا ترجمہ اس کے علم کے مطابق نہ کر سکا جس علم کے متعلق وہ آیت خود اشارہ کرتی ہے ۔ دنیا کے مترجمین قرآن میں امام احمد رضا واحد مترجم ہیں جنھوں نے ترجمۂ قرآن میں علوم و فنون کے تمام زاویوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا اپنے اس دعوےٰ کی دلیل میں ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ امام احمد رضا جامع الکتاب (قرآن) کے جامع العلوم عالم اور نکتہ داں تھے ۔

فقیر کیونکہ علم ارضیات میں ایم ایس سی ہے اور گذشتہ ۱۲ سال سے جامعہ کراچی میں شعبۂ ارضیات میں علوم ارضیات پڑھا رہا ہوں اس لئے میری نظر جب ترجمۂ قرآن پر پڑتی ہے تو میں ان آیات میں وہ قانون تلاش کرتا ہوں جو زمین کی پیدائش اور اس کے ارتقا سے تعلق رکھتے ہیں تو سوائے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے اور کسی ترجمہ میں مجھے اس علم کے متعلق خصوصاً اور دیگر علوم سے متعلق عموماً ایسے اشارات نہیں ملتے جو قرآنی آیات کی حکمت پر روشنی ڈالے مثلاً علم ارضیات میں یہ قانون عام ہے کہ زمین جب پیدا کی گئی تو یہ آگ کا گولہ تھی اس کے بعد یہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی ۔ ٹھنڈی ہونے کے دوران یہ برابر ہچکولے کھاتی رہی یعنی اس میں تھرتھراہٹ تھی اور زمین کو قرار نہ تھا ۔ اس کے ساتھ ساتھ زمین کے اوپر پہاڑ بننا شروع ہوئے اور زمین اگرچہ اوپر سے ٹھنڈی ہو گئی مگر اس کے اندر گرم لاوا مائع کی شکل میں موجود

---

[1] SAWKINS, F-J et. al 1978 The evolving earth 2nd Ed. P 161-170

رہا پہاڑ جو سمندر کے اندر اور سمندر کے باہر بھی موجود ہیں اسی گرم لاوا کے اوپر لنگر انداز ہیں بالکل اسی طرح جس طرح سمندری جہاز سمندر میں لنگر انداز ہوتا ہے اور جہاز کے لنگر جہاز کو جنبش سے روکے رہتے ہیں اسی طرح قدرت نے پہاڑوں کے لنگر ڈال کر زمین کی تھرتھراہٹ اور اس کی جنبش کو روکے رکھا ہے اور زمین ہم کو ساکن محسوس ہوتی ہے اور جب کہیں اس قدرتی لنگر میں فرق آتا ہے اور اس کا توازن بگڑتا ہے تو ان مقامات پر زلزلے آجاتے ہیں اور آتش فشاں اُبلنے لگتا ہے کیونکہ ان پہاڑوں کے نیچے ہر جگہ آتش فشاں یا لاوا موجود ہے کہیں اس کی گہرائی چند ہزار فٹ ہے اور کہیں ہزاروں فٹ ہے مگر سخت زمین کے نیچے لاوا ہی لاوا ہے۔ زلزلے کی جو کیفیت ہم کو چند ساعت کے لیے نظر آتی یا محسوس ہوتی ہے زمین کی پیدائش کے وقت پوری زمین اسی طرح ہلتی تھی تو اللہ نے پہاڑ بنا کر اس سے لنگر اندازی کرائی اور آج زمین میں سکوت ہے اس سارے علم کو علم ارضیات میں[1] ISOSTATIC THEORY کہتے ہیں۔

قرآن نے بھی زمین کی پیدائش کے متعلق کئی انداز میں تذکرہ کیا ہے لیکن متعدد مترجم قرآن کی آیات کا لفظی، لغوی ترجمہ تو بے شک کرتے ہیں لیکن ان آیات کے پیچھے جو علم کا سمندر ہے اس کو سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مترجم ظاہری الفاظوں کی عکاسی کرتے ہیں مولانا احمد رضا خاں ان ہی ظاہری الفاظوں کے اندر لفظوں کا چناؤ کر کے اس علم کی بھی عکاسی کر جاتے ہیں جس علم کے لیے وہ آیت نشاندہی کر رہی ہے۔ مثلاً سورہ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم ص ..... ۳۱ الانبیاء

۱۔ اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے کہ انھیں لے کر نہ کانپے ص ..... (امام احمد رضا)

۲۔ اور رکھ دیئے ہم نے زمین میں بھاری بوجھ کبھی ان کو لیکر جھک پڑے (مولوی محمود الحسن دیوبندی)

۳۔ اور رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کبھی ان کو لے کر جھک پڑے (شاہ عبدالقادر دہلوی)

۴۔ اور ہم نے زمین پر بھاری پہاڑ اس لیے رکھ دیئے تاکہ وہ لوگوں کو لے کر ہلنے (اور جھکنے) نہ لگے۔
(ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی)

۵۔ اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنا دیئے کہ ایک طرف ان کے ساتھ جھک نہ پڑے (ابوالکلام آزاد)

۶۔ اور ہم نے زمین میں پہاڑ دیئے تاکہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے (محمد میمن جوناگڑھی)

---

۱ ARTHUR HOLMES 1972, PRINCIPLES OF PHYSICAL GEOLOGY 2nd-Ed-P 22-31

۷۔ اور زمین میں ہم نے بھاری بھاری پہاڑ قائم کر دیئے کہ کہیں ان کو لیکے جھک نہ جائے (مقبول احمد دہلوی)

۸۔ اور بنا دیئے ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ کہ کہیں جھک نہ پڑے ان کو لے کر (مولوی فیروز الدین)

ان تمام مترجمین کے ترجموں سے یہ بات قطعی واضح نہیں ہوتی کہ پہاڑ کس طرح قائم ہیں اور زمین کا سکوت کس طرح قائم ہے کسی کا ترجمہ ISOSTATIC THEORY کے مطابقت نہیں کرتا اس پورے عمل کا ان تراجم سے اشارہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صرف امام احمد رضا کی قوت فکری ہے کہ انھوں نے دو لفظوں کے استعمال سے قرآن کے دعویٰ کو بھی ثابت رکھا اور جو قدرتی عمل ہوا ہے اس کو بھی پیش کر دیا کہ پہاڑ ضرور جمائے گئے ہیں لیکن کس طرح اور کہا تو ترجمہ سے معلوم ہوا یہ لنگر انداز ہیں اور یہ کھلی حقیقت ہے علم ارضیات سے تعلق رکھنے والے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کس طرح قائم ہیں۔ آیت کے دوسرے حصہ کے دیگر مترجمین کے ترجموں سے جو بات حاصل ہوتی ہے وہ یہ کہ زمین لوگوں کے بوجھ سے چونکہ ادھر ادھر جھک جاتی ہے اس لئے پہاڑوں کو جما دیا۔ جبکہ زمین انسان کی پیدائش سے پہلے قرار پا چکی تھی یعنی جب حضرت آدم علیہ السلام بحیثیت بشر و انسان کے دنیا میں تشریف لائے تو اس سے پہلے یہ زمین قطعی سکوت میں تھی اور اگر انسانوں کے بوجھ سے زمین ہلتی جلتی تو آج اس کو ضرور ہلتے رہنا چاہیئے۔ صرف پاکستان کی مثال لیں کہ لاکھوں مربع میل کے اس علاقے میں صرف کراچی کی آبادی ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے جو چند مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے جبکہ بلوچستان جو ہزاروں مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اس کی آبادی چند لاکھ ہے تو پھر کراچی کو لوگوں کے بوجھ سے دب جانا چاہیئے جبکہ ایسا نہیں ہو رہا ہے کیونکہ انسانوں کا بوجھ ہوتا ہی کیا ہے کہ جو زمین کے توازن کو تبدیل کر سکے۔ دوسری یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس کائنات میں جو سب سے آخری مخلوق پیدا کی گئی وہ انسان ہے اور انسان ان تمام مخلوقات سے افضل و اعلیٰ ہے اس لئے اشرف المخلوق کو اس وقت پیدا کیا جب سب کچھ اس کی خاطر پیدا کر لیا گیا لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ انسان کے بوجھ سے زمین اِدھر اُدھر جھک سکتی ہے بلکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ پہاڑوں کے لنگر اس لئے ڈالے ہیں کہ زمین اس کے بغیر اِدھر اُدھر جھک سکتی تھی اور ایسی حالت میں انسان کس طرح زندگی گزار سکتا تھا۔ ہم کو تو اس وقت بھیجا جب یہ زمین ہمارے لئے بچھونا بن گئی۔ ان امثال کے بعد یہ بات قطعی واضح ہو گئی کہ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن تمام اردو تراجم سے زیادہ قرآنی مفہوم کے قریب تر ہے اور سائینٹیفک توجیہات کے مطابق ہے۔ یہاں موقع نہیں ورنہ دیگر علوم و فنون سے متعلق بھی آیات کا موازنہ پیش کیا جاتا۔

ان تمام شواہد اور دلائل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا مسلمان سائنسدانوں میں ان چند ہستیوں میں شامل ہیں جن کو دینی اور سائنسی دونوں علوم کا مجدّد تسلیم کیا جا سکتا ہے مثلاً امام محمد غزالی علیہ الرحمہ کا جہاں وہ مذہبی علوم کے مجدد ہیں وہاں وہ فلسفہ، اخلاق، نفسیات جیسے علوم وفنون کے بھی مجدد ہیں۔[1]

اسی طرح امام رازی، البیرونی، ابن سینا، ابن خلدون وغیرہ۔ لیکن ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں امام احمد رضا کا بھی منفرد اور ممتاز مقام ہے اگرچہ پچھلے ہزاروں مسلمان سائنسداں علوم عقلیہ کے امام تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور اکثر مجتہدانہ رائے بھی رکھتے ہیں لیکن سوائے امام غزالی علیہ الرحمہ کے ان سب میں امام علوم نقلیہ کوئی بھی نہیں اگرچہ ہر کوئی قرآن اور حدیث سے استفادہ ضرور کرتا تھا کیونکہ یہ ہی ان کا ماخذ تھا لیکن اس جیسی دسترس حاصل نہ تھی۔ امام احمد رضا دُنیائے اسلام کے واحد سائنسداں ہیں کہ علوم نقلیہ میں تو ان کو مجدّدِ دین وملت تسلیم کیا ہی گیا ہے[2] مگر علوم عقلیہ کے بھی آپ اکثر فنون میں مجدد نظر آتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۰۰ سے زیادہ مختلف علوم وفنون پر آپ کے تحقیقی رسائل یادگار ہیں۔ راقم اس دعویٰ میں غلط نہیں کہ آپ مجدد دین وملت اور مجدّد علوم جدیدہ ہیں۔ کاش کہ ان کی تمام تصنیفات عام فہم زبان میں (جنمیں اکثر عربی اور فارسی میں ہیں) دُنیا کے سامنے ان کی زبانوں میں پیش کی جاتیں تو میرا دعویٰ ہے کہ ان کی ہر تحقیقی تصنیف نوبل انعام کی مستحق قرار پائے اس دعویٰ کی تائید سر ضیاءالدین کے قول سے ہوتی ہے۔

"اپنے ملک میں معقولات کا جب اتنا بڑا ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا، وقت ضائع کیا۔"

(ماہنامہ تجلیات خطبہ صدارت یوم رضا ۱۳۷۹ھ ناگپور)

مفتی برہان الحق جبلپوری (المتوفی ۱۹۸۴ء) تلمیذ وخلیفہ امام احمد رضا اور بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کے خاص رفیق کار اپنے مشاہدات میں ڈاکٹر سر ضیاءالدین کا امام احمد رضا سے متعلق خود سنا ہوا یہ قول نقل کرتے ہیں[3]

"اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ہی ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر ومقابلہ، توقیت ہیئت وغیرہ میں اتنی زبردست قابلیت اور مہارت حاصل ہے کہ میری عقل جس ریاضی

---

[1] ابراہیم عمادی ندوی — مسلمان سائنسداں اور ان کی خدمات — مطبوعہ کراچی
[2] ڈاکٹر محمد مسعود احمد — امام احمد رضا اور عالم اسلام — مطبوعہ کراچی ص ۶۴
[3] محمد برہان الحق جبلپوری: اکرام امام احمد رضا مطبوعہ لاہور ص ۶۰

کے مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی حضرت نے چند منٹ میں بغیر کتابوں کی مدد کے حل کر کے رکھ دیا، صحیح معنوں میں یہ ہستی "NOBEL PRIZE" کی مستحق ہے۔"

امام احمد رضا کی علمی کاوشوں پر جب حکیم محمد سعید جیسے دانشور کی نظر پڑی تو موجودہ دور کے علم طب کے ماہر نے اپنے ایک پیغام میں یہ تاثر لکھا[۱]

"گزشتہ نصف صدی میں طبقہ علماء میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئی ہیں ان میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام بہت ممتاز ہے، ان کی علمی دینی اور ملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، تفقہ اور دینی علوم میں فاضل بریلوی کی مہارت کے ساتھ سائنس اور طب کے علوم میں بھی ان کی بصیرت علمائے سلف کے اس ذہن و فکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی و دنیوی علوم کی تفریق نہ تھی، ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصر حاضر کے علماء اور دانش گاہوں کے متعلمین دونوں کو دعوت فکر و مطالعہ دیتا ہے، ان کی تصانیف ہمارے لئے بیش بہا علمی ورثے کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کے تحقیقی مطالعے سے علوم و فنون کے بہت سے گوشے سامنے آسکتے ہیں۔"

امام احمد رضا جو مغربی دنیا میں بھی اب متعارف ہو چکے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے علمی ورثے کو بھی جلد از جلد متعارف کرایا جائے، مجھے یقین ہے کہ مغربی دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ جب ان کو تمام علوم و فنون کے اندر نئے اور حقیقت پر مبنی خیالات ملیں گے، نئے مشاہدات اور زاویوں سے متعارف ہوں گے اور بعید نہیں کہ تاریخ میں بحیثیت مسلمان سائنسداں امام احمد رضا دیگر مسلمان سائنسدانوں کی طرح اپنی وسعت علمی کے باعث منفرد مقام کے مستحق اور مجدد علوم جدیدہ قرار پائیں۔ مغربی دنیا میں کئی ریسرچ اسکالر امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کی تصانیف پر تحقیق فرما رہے ہیں انھیں میں ایک مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ ایس بلیان بھی ہیں جو لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں ایک سن رسیدہ پروفیسر ایمرٹس ہیں اور پچھلے دس سال سے امام احمد رضا کی مطبوعات بالخصوص فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ آپ اپنے ایک خط میں بنام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا کے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال فرماتے ہیں[۲]

"حقیقت میں وہ ایک عظیم محقق اور فاضل تھے میں نے ان کے فتاویٰ پڑھے تو میں ان کے

۱؎ حکیم محمد سعید: مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۸۸ء ص ۱۵ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا

۲؎ معارف رضا شمارہ ہفتم ۱۹۸۷ء ص ۶۸ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(باقی صفحہ ۲۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

حکیم محمد سعید دہلوی

امام احمد رضا کی طبی بصیرت

مولانا کی شخصیت بہت جامع تھی، وہ اپنے تفقہ اور علم و اطلاع کی وسعت کے اعتبار سے علمائے متاخرین میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے اکثر علمی اور دینی موضوعات پر اہم اور قابلِ قدر کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن جو تحریریں ان کی شخصیت کی مکمل ترجمانی اور آئینہ داری کرتی ہیں وہ ان کے فتاویٰ ہیں کہ جو متعدد مبسوط اور ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

میرے نزدیک ان کے فتاویٰ کی اہمیت اس لیے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب و معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہا میں نظر آتی ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ قرآنی نصوص اور سنن نبویہ کی تشریح و تعبیر اور ان سے احکام کے استنباط کے لئے قدیم فقہا جملہ علوم و سائل سے کام لیتے تھے، اور یہ خصوصیت مولانا کے فتاویٰ میں موجود ہے آج بھی افتاء اور احکام کی تشریح کرنے والوں کا یہ فرض ہے کہ اسی اصول تحقیق کو اپنے پیش نظر رکھیں اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کتاب و سنت نے جس نظام حیات کی طرف ہماری رہبری کی ہے اور جو ضابطہ ہمیں عطا کیا ہے وہ مکمل اور دائمی ہے۔ اس کے دوام اور اس کی ہمہ گیری کا تقاضا یہ ہے کہ فقہا کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دینے سے پہلے ایک ایک لفظ کی تحقیق اس طرح کرلیں کہ اس کا مدلول واضح

ہو جائے اور کسی عہد میں تشنگی کا احساس نہ ہو۔ ایسی تحقیق کے لئے ہمیں طبی اور سائنسی علوم کا بھی مطالعہ کرنا
ہوگا ورنہ احکام کی وسعت اور دین کی حکمت کا اندازہ دشوار ہوگا۔ قرآن پاک میں تیمم کے لئے "سعید"
کا لفظ وارد ہوا ہے جسے مٹی کہتے ہیں مگر مٹی اور جنس ارض کا اطلاق جن جن چیزوں پر ہوتا ہے ان کا تعین
علمائے طبیعیات وطب کو نظر انداز کرکے نہیں کیا جاسکتا۔

فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور
طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت
کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے
نکات ملتے ہیں مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے
ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے
وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اس تحقیقی اسلوب کے
معیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بہ خوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

مولانا نے مٹی اور جنس ارض نیز احجار کی تحقیق کے سلسلے میں صرف متقدمین کی تصریحات پر تکیہ نہیں
کیا بلکہ از روئے دیانت علمی احجار و معدنیات اور طب و کیمیا کے مستند علماء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جو
تحقیق کا صحیح انداز ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ کسی شے کی حقیقت و ماہیت ہمیں اس کے ماہرین ہی کے ذریعہ
سے معلوم ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک چیز عرف عام میں یا اپنی ظاہری صورت میں پتھر معلوم ہوتی ہو لیکن
اس کی یہ خصوصیت اس کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں اور جب تک ان کا حوالہ نہ دیا جائے اس سے تیمم
کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ ہمیشہ محل نظر ہوگا۔ فاضل بریلوی ماہرین فن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً
کہربا جو بظاہر پتھر معلوم ہوتا ہے مولانا نے اس کی ماہیت ابن سینا اور القافقی جیسے محققین طب سے
معلوم کی۔ اس کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ یہ پتھر نہیں ہے اس سے تیمم درست نہیں۔ سنگ بصری کے سلسلے
میں بھی انہوں نے اسی طرز تحقیق سے کام لیا اور رازی کے حوالے سے یہ بتایا کہ
یہ پتھر نہیں سیسے کا دھواں ہے، اس سے تیمم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ابرک
چونکہ معدنیات سے ہے اس لئے اس کی ماہیت بھی متعدد اکابر علمائے طب سے معلوم کی اور ان میں
دیسقوریدوس، داؤد انطاکی، رازی، ابن البیطار اور صاحب مخزن جیسے محققین طب ہیں ان کی کتابوں کے مکمل
حوالے ہیں اور ابرک کی حقیقت و ماہیت کے ساتھ ان کی اقسام پر مکمل بحث ہے۔ اس طرح ان کے

فتاوٰی میں وسعت اور گہرائی کے ساتھ دینی و دنیوی علوم کا حسن امتزاج ملتا ہے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک محقق کے لئے یہ بات کہاں تک درست ہوسکتی ہے کہ وہ علمائے طب کی تصریحات پر آنکھ بند کرکے انحصار کرے تو میں یہ عرض کروں گا۔ یقیناً یہ بات اصول تحقیق کے خلاف ہے لیکن یہ بھی عرض کروں گا کہ مولانا اس نکتے سے واقف ہیں اس لئے اطبائے کرام کی تصریحات کا مطالعہ بھی وہ انتقادی نظر سے کرتے ہیں۔ ارسطو نے زجاج کو پتھر کہا اب مولانا کا تعقب ملاحظہ کیجئے۔

”ارسطو زجاج و بلّور میں فرق نہیں کرسکا اس لئے وہ بلور کو بھی زجاج ہی کہتا رہا حالانکہ ان میں سے ایک معدنی ہے، ایک مصنوعی اور ان دونوں کی ماہیت میں فرق ہے۔“

پھر ابن البیطار اور مخزن کے حوالے پیش کئے ہیں۔

ایک مثال اور ملاحظہ فرمالیجئے: فقہ کی تمام کتابوں میں جن پتھروں سے تیمّم کو جائز کہا گیا ہے ان میں ایک نام البلخش بھی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

”کتب لغت حتیٰ کہ قاموس محیط میں اس لفظ کا پتا نہیں۔ نہ تاج العروس نے اس سے استدراک کیا، نہ جامع ابن بیطار نہ داؤد انطاکی، و تحفہ و مخزن میں اس کا ذکر۔ عجب یہ کہ کتاب معرب میں بھی اس سے غفلت کی۔ مگر انوار الاسرار میں اس کا تذکرہ نظر آیا (ترجمہ) بلخش ایک پتھر ہے جو اطراف مشرق میں سونے کی کان میں ہوتا ہے اس کا رنگ یاقوت احمر کا ہوتا ہے اور یہ یاقوت سے زیادہ شفاف ہوتا ہے۔ یہ تعریف لعل پر صادق آتی ہے مگر سونے کی کان میں پیدا ہونا ظاہراً اس کے خلاف ہے۔“

مولانا کی طبّی بصیرت اور ان کی دقت نظر کا اندازہ مرجان کی تحقیق سے بھی ہوتا ہے مرجان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دس مستند فقہی کتابوں میں تو اس سے تیمّم کے جواز کی صراحت ملتی ہے مگر فتح اور درمختار میں اس سے تیمم کی ممانعت آئی ہے۔

مولانا نے یہ محسوس کیا کہ آخرالذکر فقہا نے مرجان کی حقیقت و ماہیت دریافت کرنے کی کوشش نہیں فرمائی اور ان ماخذ کی طرف رجوع نہیں کیا جن سے مرجان کے بارے میں مستند معلومات حاصل ہوسکیں فقہا بڑی حد تک لغتوں میں الجھ گئے اور نزاع لفظی کے شکار ہوگئے اگر مرجان کی ماہیت کے لئے کتب طبیہ کی طرف رجوع کیا جاتا تو جواز اور عدم جواز کی متنازعہ صورت حال واقع نہیں ہوتی۔ مولانا نے مرجان سے جواز تیمّم کا فتویٰ دیا اور اس کی ماہیت پر طبّی کتابوں کی مدد سے مبسوط روشنی ڈالی۔

سب سے پہلے مخزن کے حوالے سے لکھا کہ

مرجان ایک جسم حجری ہے جو شاخ درخت سے مشابہ ہوتا ہے پھر تحفہ کے حوالے سے لکھا کہ

مرجان بسد کو کہتے ہیں اور وہ ایک پتھر ہے جو نباتی قوت کے ساتھ دریا کی گہرائی میں پیدا ہوتا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ علامہ ابن الجوزی مرجان کو عالم نبات اور عالم جمادات کی درمیانی چیز تصور کرتے ہیں داؤد انطاکی کا خیال بھی یہی ہے کہ وہ نباتی اور حجری اشیا کی درمیانی چیز ہے۔

مولانا نے اطبا کے ان اقوال میں تطبیق کی ایک اچھی صورت نکالی ہے فرماتے ہیں

جس طرح کھجور کو کہنا کہ وہ عالم نبات اور عالم حیوانات میں متوسط ہے، نر و مادہ ہوتی ہے اور مادہ جانب نر میل کرتی ہوئی دیکھی جاتی ہے تلقیح سے بار در ہوتی ہے اسے نبات سے خارج اور حیوانات میں داخل نہیں کرتا، اسی طرح مرجان کو نباتات سے مشابہت کے باوجود اسے احجار سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

اس استدلال کے بعد واضح انداز میں مولانا نے لکھا ہے کہ اصحاب احجار نے اس کے حجر ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے حجر شجری کہا، شجر حجری کسی نے نہیں کہا مفردات ابن البیطار میں بہ حوالہ ارسطو منقول ہے۔

بسذ و مرجان ایک ہی پتھر ہیں، فرق یہ ہے کہ مرجان اصل ہے، اور بسذ فرع۔

ان تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اکثر فقہائے کرام نے مرجان کی ماہیت کا تعین نہیں کیا اسی لئے اختلاف ہوا، مولانا نے اب حجت قاطعہ پیش کر دی ہے، اور طبی کتابوں کی مدد سے اس کی ماہیت کا تعین کر دیا ہے جسے ہم تحقیق کی جدید تکنیک کہہ سکتے ہیں۔

فتاویٰ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جزیئے یا مسئلے کا جائزہ مولانا نے سرسری طور پر نہیں لیا اور تقلیدی طور پر اس کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ اس کی پوری پوری تحقیق کی مثلاً فقہا مقبرے کی مٹی سے تیمم کو جائز سمجھتے ہیں، بہ شرطیکہ اس میں کسی قسم کی نجاست نہ ہو، مولانا کا ذہن فوراً گل مختوم کی طرف گیا، جو اصلاً تو مٹی ہے لیکن اس کے بارے میں عجیب و غریب روایات مشہور ہیں، اگر ان کا یقین کر لیا جائے تو پھر اس مٹی سے یا اس کے ڈھیلوں سے تیمم جائز نہ ہو گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گل مختوم ہے کیا؟ اور اس کے بارے میں کون سی عجیب وغریب روایات مشہور ہیں۔

چونکہ اطباء گل مختوم کو دوائی استعمال کراتے ہیں، اور طبی کتابوں میں اس کی متعدد دوائی خاصیتوں کا بھی ذکر ملتا ہے، اس لئے مولانا نے طب کی امہات کتب سے اس کی ماہیت معلوم کی، تاکہ اس مٹی سے تیمّم کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں کوئی فقہی رائے دی جا سکے۔ گل مختوم کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں، اگرچہ حوالہ مذکور نہیں ہے مگر خزانۃ الادویہ میں ہے۔

"بحرِ مغرب میں ایک جزیرہ ملیون ہے، وہاں ایک معبد ہے جس کی مجاور عورت ہوتی ہے۔ بیرونِ شہر ایک ٹیلہ ہے جس کی مٹی متبرک خیال کی جاتی ہے وہ عورت تعظیم کے ساتھ اس کی لاتی اور گوندھ کر اس کی ٹکیاں بنا کر ان پر مہر لگاتی دیقوریدوس وغیرہ نے زعم کیا کہ اس میں بکری کا خون ملتا ہے جالینوس کہتا ہے کہ میں انطاکیہ سے دو ہزار میل سفر کر کے اس جزیرے میں پہنچا میرے سامنے اس عورت نے وہاں سے ایک گاڑی مٹی لی اور ٹکیاں بنائیں اور خون کا کچھ لگاؤ نہ تھا، میں نے وہاں کے مؤدب لوگوں اور علماء کے صحبت یافتوں سے پوچھا کہ پہلے کسی زمانے میں اس میں خون ملایا جاتا تھا جس نے یہ سوال سنا مجھ پر ہنسنے لگا۔"

مولانا پر تو اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا کہ اس میں خون نہیں ملایا جاتا اور یہ خالصتاً مٹی ہے، لہٰذا تیمّم کے عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن مطالعے کے دوران انہیں خود اطبا کے اقوال میں خلط آرا کا ایک دلچسپ تماشا نظر آیا، جس کی تنقیح انھوں نے ضروری سمجھی بلاشبہ یہ غلطی داؤد انطاکی سے سرزد ہوئی، مگر میرا خیال یہ ہے کہ انطاکی نے مظنۂ عامہ بیان کیا ہے یا پھر تحقیق سے پہلے کی یہ رائے ہے بہر حال مولانا لکھتے ہیں کہ:

"حیرت ہے کہ انطاکی نے اپنی کتاب التذکرہ میں گل مختوم کے اندر خون ملانے کے وہم کو جالینوس کی طرف منسوب کر دیا ہے اور تنکابنی نے اپنی کتاب تحفہ میں دیسقوایدوس کی طرف اس کا انتساب کیا جب کہ جالینوس ہی وہ شخص ہے جس نے ذاتی طور پر گل مختوم کی حقیقت معلوم کی اور اس کا عینی مشاہدہ کیا۔"

قرائن یہ کہتے ہیں کہ دیسقوایدوس نے گل مختوم کے بارے میں عام معتقدات کی طرف اشارہ کیا

ہوگا اور جالینوس نے اسی کا خیال نقل کر دیا ہوگا اس لئے انطاکی نے اسی کی جانب منسوب کر دیا اگر جالینوس کو اس کا یقین ہوتا تو وہ جزیرۂ مغرب کا سفر کرنے کی صعوبت کیوں اٹھاتا۔

یہ باتیں تو جملہ معترضہ کے طور پر آگئی تھیں جہاں تک مولانا کا تعلق ہے ان کے مطالعہ کی وسعت اور ان کی طبی بصیرت مسلم ہے تحقیق میں سنجیدگی اور دیانت کی جو مثال انھوں نے قائم کی ہے وہ محققین کے لئے سبق آموز ہے اور سب سے بڑا نقطہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ فقہ اور طب کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے اور کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک اسے طبی علوم پر دسترس نہ ہو، مولانا کے اکثر فتاویٰ سے طبی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے۔

علم الاحجار والمعادن طب کا ایک اہم شعبہ ہے معدنیات کی تکوینی حقیقت کا علم دقت نظر کا متقاضی ہے وہ صرف احجار کے اسمائے تک محدود نہیں ہے بلکہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک بحر بیکراں ہے مولانا کی طبی بصیرت کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ انھوں نے عام فقہا کی طرح صرف معدنی احجار کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی اس اہم تحقیق سے بیان کا آغاز کیا کہ "جملہ معدنیات کا تکون گندھک اور پارے کے امتزاج سے ہے۔ کبریت تو ہے کہ گرم ہے اور پارہ مادہ"۔ کیمسٹری کے علماء شاید انکار نہ کر سکیں کہ جدید علم الکیمیا کا نظریہ بھی یہی ہے اور معدنیات کی تخلیق فطری کیمیائی عمل ہی سے ہوتی ہے۔

تیمم ہی کے ضمن میں رماد یعنی راکھ کی بحث بھی آگئی ہے جس میں مولانا نے جامع الرموز وغیرہ کے حوالے سے کشتہ سازی کے بھی سارے نکات بیان کر دیئے ہیں۔

مولانا کی اس طبی بصیرت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فقہا نے جو قابل تیمم اشیا بتائی تھیں ان پر انہوں نے 107 چیزوں کا اضافہ کیا۔

آج فقہا طبی اور سائنسی علوم سے بیگانگی کی وجہ سے بیشتر تمدنی مسائل میں عصری علوم کے حوالے سے احکام شریعت کی تشریح و تعبیر کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت سے محروم ہیں اور یہ ایک زبردست المیہ ہے غالباً اسلاف کی زندگیاں ان کے سامنے نہیں ہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے ایک جلیل القدر عالم عارف باللہ اور عبقری شخصیت تھے، علمائے عرب و عجم نے ان کی ذات کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ کہا ہے۔

انہوں نے قرآن حکیم کا بے ساختہ اور بامحاورہ ترجمہ کیا اور جب تفسیر لکھنی شروع کی تو سورۂ "والضحیٰ" کی چند آیتوں کی تفسیر ۹۰۰ صفحات سے تجاوز کر گئی اگر وہ زندگی بھر بھی صرف تفسیر ہی لکھتے رہتے تو زندگی ختم ہو جاتی مگر تفسیر ختم نہ ہوتی۔

وہ علوم اسلامیہ کے بحر بیکراں تھے علم کے جس دھارے کے ساتھ چلتے، چلتے چلے جاتے۔ احادیث پر مہارت و عبور کا یہ عالم کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء نے ان کو "امام المحدثین" کے خطاب جلیل سے نوازا۔ فقہ میں تبحر کی یہ کیفیت کہ جب ایک مکی عالم نے عربی متون کے فتاویٰ مطالعہ کئے تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ "یہ فتاویٰ امام ابوحنیفہ دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں اور اس کے مصنف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے"۔ امام احمد رضا کی فقاہت کا عالم اسلام میں جواب نہ تھا اُن کے مخالف بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، توقیت وفرائض تو ان کے خاص میدان تھے، مگر وہ پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر دسترس رکھتے تھے یہی نہیں بلکہ ہر علم وفن میں اپنی ایک نہ ایک یادگار بھی چھوڑ گئے، جن پر کام کرنا کسی فردِ واحد کے بس کی بات نہیں بلکہ ایک اکیڈمی کا کام ہے [1]

امام احمد رضا موحد تھے، ان کے خیال میں توحید یہ نہیں کہ محبوبانِ خدا سے پیٹھ پھیر کر اللہ کے آگے سرِ نیاز خم کیا جائے۔ ان کے نزدیک مقام محبوبیت میں محبوبانِ خدا غیر نہیں۔ ابلیس اس نکتہ کو نہ سمجھا اور مارا گیا، تحقیر وتذلیلِ آدم علیہ السلام پر مردود ٹھہرا اور مقام عظمت سے گر کر ذلت وخواری کی پستیوں میں دھکیل دیا گیا۔ امام احمد رضا کے خیال میں توحید یہ ہے کہ محبوبانِ خدا کی محبتوں اور عظمتوں سے دل کو آباد کر کے پھر اللہ کے آگے جھکا جائے کہ ویران دل جھکنے کے قابل نہیں ہوتے۔ ان کے فکر وشعور پر اللہ چھایا ہوا تھا وہ فکر وحیات کے ہر گوشے میں اللہ کی جلوہ گری دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی اللہ کی محبت تھی جس نے ان کو اللہ کے محبوب کا شیدائی بنا دیا تھا۔ وہ محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی نجی اور ملی زندگی میں بنیادی حیثیت دیتے تھے۔

امام احمد رضا کی شخصیت ایسی عبقری اور تابناک ہے کہ ان کے خلاف ایک منظم پروپیگنڈے کے باوجود آج اندرون ملک وبیرون ملک محققین برابر متوجہ ہو رہے ہیں۔ بعض جامعات میں کام ہو رہا ہے اور بعض جامعات میں کام ہو چکا ہے مثلاً لندن یونیورسٹی، لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ، شکاگو یونیورسٹی، کیلیفورنیا یونیورسٹی، الازہر یونیورسٹی مصر، عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن، جبل پور یونیورسٹی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، کراچی یونیورسٹی، سندھ حیدر آباد یونیورسٹی، کلکتہ یونیورسٹی، پٹنہ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی لاہور وغیرہ وغیرہ۔ تحقیقی کام کے علاوہ امام احمد رضا کی حیات وافکار پر اب تک ہزار سے زیادہ مضامین ومقالات اخبارات وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں اور گزشتہ بیس سالوں میں امام احمد رضا پر تحقیق وتصنیف کے کام میں کافی تیزی سے اضافہ ہوا ہے محققین اور دانشوروں کی قلمی جدوجہد گزشتہ ستر سالوں کے مقابلے میں پچھلے بیس سالوں میں زیادہ منظم اور مثبت انداز میں برق رفتاری کے

---

[1] امام احمد رضا کی اپنی یادگاروں کو محفوظ رکھنے اور ان کے علمی ورثے پر تحقیق وتصنیف کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" کا آج سے آٹھ سال قبل کراچی میں قیام عمل میں آیا۔

ساتھ بڑھتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک جدید جامعات میں بھی امام احمد رضا کا چرچا ہونے لگا تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو امام احمد رضا ملتِ اسلامیہ کی ایک بہت عظیم ہستی تھے۔ وہ ایک نادر روزگار فقیہہ ایک عظیم محدث، علوم قدیمہ و جدیدہ کے ماہر ہونے کے علاوہ ایک بلند رتبہ مصلح بھی تھے، انہوں نے مذہبی اور دینی محاذ کے علاوہ ملی، سیاسی اور معاشی محاذ پر بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ بحسن و خوبی کامل بصیرت کے ساتھ انجام دیا۔ ان کا سب سے عظیم کارنامہ ان کے فتاوٰی کا مجموعہ فتاویٰ رضویہ ہے جو فتاویٰ عالمگیری کے بعد فقہ اسلامی کا عظیم ماخذ سمجھا جاتا ہے فتاویٰ رضویہ[1] کے علاوہ ان کا دوسرا بڑا کارنامہ قرآن کریم کا ترجمہ (اردو) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن ہے جو ۱۹۱۱ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ تقریباً اسی برس اس ترجمہ کی تکمیل اور اشاعت کو ہو گئے اور اس دور میں جانبین کے لیے اکابر علماء و فضلا موجود تھے کہ آج کل جن کا کوئی پاسنگ بھی نہیں۔

اس کے بعد پاکستان میں گذشتہ چالیس سالوں سے لاکھوں کی تعداد میں یہ ترجمہ چھپ کر شائع ہو رہا ہے۔ علمی و ادبی حلقوں میں اس ترجمہ کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ لیکن برا ہو گروہی تعصب کا آج اسی برس کے بعد کچھ لوگ ان کے ترجمے میں خامیاں نکالنے کے لئے دور کی کوڑیاں لا رہے ہیں جس کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ امام احمد رضا کی حیات میں اور ان کے بعد مخالفین کے اکابر علماء میں سے کسی نے ترجمے میں غلطی نکالنے کی جرأت نہ کی۔ کیوں کہ اس میں کوئی ایسی غلطی تھی ہی نہیں جس کی وہ گرفت کرتے

قرآن مجید کے ترجمہ کو جو خالصتاً ایک علمی مسئلہ ہے اور جس کا تعلق صرف اہلِ علم سے ہے من مانی تاویلات کر کے مسلم عوام میں پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی وہ ترجمہ میں فاش غلطیوں حتیٰ کہ نعوذ باللہ تحریف معانیِ قرآن کے مرتکب ہوتے ہیں، اس طرح سے مسلمان عوام کی قرآن شریف سے والہانہ عقیدت کا فائدہ لیتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی سے ان کو متنفر کرنے کی سعی لاحاصل کی۔ اگر امام احمد رضا کی شخصیت کے گوشے پہلے کی طرح پوشیدہ ہوتے تو شاید اس حربے سے مخالفین اور معاندین کو کچھ زیادہ کامیابی ہو سکتی۔ لیکن اب جبکہ ان کی شخصیت کا ہر پہلو سامنے آ گیا ہے اور لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ علم و فضل

---

[1] العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ان کے فتاویٰ کے مجموعے کا نام ہے جو بارہ ۱۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور جن میں سے اب تک نو ۹ جلدیں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

میں وہ یکتائے زمانہ تھے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پہچان تھی، فنا فی اللہ ان کا مقام تھا، تو یہ حربہ وہیں کامیاب ہو سکتا ہے جہاں امام احمد رضا کا تعارف نہیں۔

اس ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

- یہ ایک ایسے عالم کے قلم سے ہوا ہے جو لغتِ قرآنی کا ایسا ماہر ہے کہ اس کو تمام مضامینِ قرآن ازبر ہیں۔
- جو لغاتِ عرب پر ایسی دسترس رکھتا ہے کہ خود اہلِ عرب نے اس کی عربی دانی کی داد دی ہے۔
- جو اردو زبان و ادب کا ایسا صاحبِ کمال ہے کہ اردو کے بڑے بڑے شعراء و ادباء اس کو تحسین و آفرین کہتے ہیں۔
- جو علوم تفسیرِ قرآن، فقہ اور حدیث پر ایسا عبور رکھتا ہے کہ عرب و عجم کے علماء اس کو اپنا امام تسلیم کرتے رہیں۔
- جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ایسا سرشار ہے کہ غیر بھی اس کے عشق پر گواہ ہیں
- جو قرآن حکیم کے متعلقہ علوم سے باخبر ہے۔

مقام غور ہے کہ کیا ایسا عالم بے بدل و باخبر قرآن کریم کے ترجمہ میں غلطی کر سکتا ہے؟ اگر وہ غلطی کر سکتا ہے تو کسی بڑے سے بڑے عالم کے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ترجمہ غلطیوں سے مبرا ہے۔ اگر امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں غلطیاں اور خامیاں ہیں تو کسی اردو ترجمہ کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ غلطیوں سے پاک و صاف ہے اس لئے کہ علم و فضل کے اعتبار سے امام احمد رضا کی شخصیت اردو کے تمام مترجمین سے بلند و بالا اور قد آور ہے۔

مختصر یہ کہ امام احمد رضا کے ترجمہ کی مخالفت کی وجہ نہ تو علمی ہے اور نہ مذہبی بلکہ سراسر فرقہ وارانہ اور تاجرانہ ہے، جو سیاسی عیاری اور منافقانہ کردار کی مظہر ہے۔ سچ ہے رقابت و عصبیت اچھے اچھوں کو بے بصر کر دیتی ہے اور اس کو انسانیت کی پست ترین سطح پر لے آتی ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس کی شرارت اور حسد و عصبیت سے محفوظ رکھے (آمین)

زیر نظر کتابچہ بعنوان "قرآن پاک کے اردو تراجم کا مختصر تقابلی جائزہ" ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا

کراچی، قرآن کمپنی لاہور کے ناشرین کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہا ہے ۔

یہ تقابلی جائزہ تمام سلیم الطبع انصاف پسند اور اہلِ نظر حضرات کے لیے ایک دعوتِ فکر ہے ۔ اس مقالے میں امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن مجید کا ان کے مخالفین کے ترجموں سے ایک مختصر تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے اور فیصلہ خود قارئین کرام پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ :۔

- ۔کون سا ترجمہ قرآن کے مفہوم کے قریب تر ہے اور کون سا دور ۔ ؟
- ۔کون سا ترجمہ اردو اور عربی زبان کے محاسن کا حامل ہے ۔ کون سا اس سے محروم ؟
- ۔کون سا ترجمہ اللہ رب العزت ذوالجلال والاکرام کی عظمت و شان کے شایانِ شان ہے اور کون سا منافی ؟
- ۔کون سا ترجمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور ناموس و ادب کا محافظ ہے اور کون سا بے باکی و گستاخی کا مظہر ہے ؟
- ۔کس ترجمہ کو پڑھ کر دل میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت میں اضافہ ہوتا ہے اور کس کو پڑھ کر قلوب کو تکلیف پہنچتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں کی جرائتیں بڑھتی ہیں ؟

لہٰذا قارئین کرام سے درخواست ہے کہ تعصب و تنگ نظری سے بالاتر ہو کر نہایت غیر جانبداری سے قرآنی تراجم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کریں اور پھر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کریں کہ اس قرآنی ترجمہ کے خلاف مخالفین کا شور و غوغا اور بے جا پروپیگنڈہ عدل و انصاف کا خون ہے کہ نہیں اور یہ کہ اس کی حقیقت محض ایک سیاسی ڈھونگ اور گروہی اسٹنٹ کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتی ہے ؟

قرآنِ پاک کے اردو تراجم کا تقابلی جائزہ

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور بنی نوعِ انسان کی طرف اللہ کا آخری پیغام ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حفاظت اور کتابت کا پورا پورا انتظام کیا ، اور اس کی نشر و اشاعت میں اپنی پوری مبارک زندگی صرف کی ، اس کے ہر قانون پر خود عمل کیا اور دوسروں کو سختی سے اس پر عمل کی تاکید فرمائی ۔ بار بار اپنے مبارک اور مختصر جملوں میں اس کی اہمیت جتلائی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مساعی جمیلہ کی بنا پر قرآن کریم کو ہر مسلمان نے اپنے دل وجان سے زیادہ عزیز رکھا اور علماء نے اس کی تفسیر اور تشریح میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کیا۔

قرآنِ کریم چونکہ عربی زبان میں ہے اس لئے دنیا کی ہر زبان بولنے والے مسلمانوں نے اس کا اپنی اپنی زبان میں ترجمہ کیا اور تراجم قرآن کی دنیا میں کثرت ہوگئی ان تراجم کی کثرت خود اس بات کا بیّن اور واضح ثبوت ہے کہ آج تک قرآن کریم کا کوئی جامع اور مکمل ترجمہ نہ ہو سکا۔ آقائے دوجہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی وابی) کا یہ فرمان مبارک وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ نہ اس کے عجائبات ختم ہوں گے اور نہ یہ کثرتِ تکرار سے پرانا ہوگا، کس قدر جامع ہے اور اس بات کی طرف واضح اشارہ کہ قرآن کی تفسیریں اور تراجم دنیا قائم رہنے تک جاری رہیں گے۔

برّ اعظیم پاک وہند میں قرآن کریم کے تراجم زیادہ تر اردو زبان میں ہوئے ہیں۔ ان مترجمین کا سرخیل شاہ ولی اللہ کا خاندان ہے اور اس کے بعد بھی ترجمے ہوتے رہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گذشتہ تراجم جامع نہیں تھے۔ خاص کر شاہ عبدالقادر کا ترجمہ تو اخذ مفہوم کے لئے بالکل نامکمل ہے مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ اگرچہ اخذِ مفہوم کے لئے قدرے بہتر تھا لیکن اس میں یہ قباحت تھی کہ ترجمہ صرف سرسری کر دیا گیا۔ چند باتیں جو نہایت اہم تھیں نظر انداز کر دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ ایک لفظ ایک جگہ جو معنی دیتا ہے دوسری جگہ بھی وہی معنی استعمال کر لئے گئے حالانکہ یہ درست نہیں تھا کیونکہ قرآن کریم کے اسلوب بیان میں ایک خاص کیفیت ہے جو دوسری زبانوں یا زبان کی کسی صنف میں نہیں ہے۔ اس کی تمثیلیں، استعارات، کنایات، اشارات اور تشبیہات کا انداز تمام اصناف سخن سے مختلف ہے۔

مندرجہ بالا گزارش سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کا کسی دوسری زبان میں کماحقہٗ ترجمہ ہو سکتا ہے نہیں؟

اس کا جواب بہت آسان ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن نہیں بلکہ اگر عربی ہی کے مترادف الفاظ لے آئے جائیں تو بھی مفہوم کہیں سے کہیں جا پہنچے گا اور قرآنی مفہوم ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔ اس بارے میں ابنِ قتیبہ کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم کا نزول ان تمام اسالیب کلام کے مطابق ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ترجمہ کرنے والا قرآن کریم کا ترجمہ کسی

(دوسری) زبان میں کماحقہٗ نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ ترجمہ کرنے والوں نے انجیل کا ترجمہ سُریانی زبان سے حبشی یا رُومی زبان میں کر لیا تھا۔ ایسے ہی زبُور، تورات کے تراجم اور باقی کتبِ الٰہیہ کے تراجم عربی زبان میں کر لئے گئے تھے کیونکہ عجمی زبانوں میں مجاز کی وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے۔ اس لئے یہ دشوار ترین امر ہے کہ قرآن کریم کو کماحقہٗ کسی بھی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے۔

قرآن کریم ہی سے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جس سے یہ ثابت ہو گا کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا کتنا دشوار ہے۔

پہلی آیت:۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۸/۵۸

آپ کبھی بھی ایسے الفاظ نہیں لا سکتے جو ان لفظوں کا صحیح ترین ترجمہ ہوں اور ان الفاظ کی خوبی ان میں موجود ہو۔

دوسری آیت: فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۱۸/۱۱ ہیں

اگر قرآن کے اس فرمان کو کماحقہٗ لفظوں کی شکل میں ادا کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے ہاں اس کا مفہوم ضرور معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی آئتیں ہیں جو طوالت کے پیشِ نظر ذکر نہیں کی جا رہی ہیں اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ قرآن مجید کا ترجمہ کماحقہٗ نہیں کیا جا سکتا لیکن کیا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ قرآنِ کریم کا ترجمہ کماحقہٗ نہیں کیا جا سکتا اس لئے چھوڑو قرآن سمجھ کر کیا کرنا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن کا ترجمہ کیا جائے گا اور اس کی تشریح و تفسیر بیان کی جائے گی اور اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ ترجمہ و تفسیر کماحقہٗ ہو۔

مترجمین کرام نے جو خاص بات نظر انداز کر دی وہ یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وسلم فداہ اُمّی و ابی کو جہاں قرآن میں مخاطب کیا ہے وہاں وہ ادب ملحوظِ خاطر نہ رکھا جو شانِ مصطفوی کا متقاضی ہے اور ترجمہ میں اس قسم کا سقم واقع ہو گیا جس سے محبانِ رسُول اور عاشقانِ مصطفےٰ کے قلوب کو تکلیف پہنچی ہے

بعض جگہوں پر اللہ ربّ العزت ذوالجلال والاکرام کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے جو شانِ کبریائی کے منافی ہیں بلکہ اللہ کی شان اور اس کی عظمت میں ان الفاظ کا استعمال گستاخی ہے حالانکہ کسی بھی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرتے وقت اس زبان کے آداب بلحوظِ خاطر رکھے جاتے ہیں قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر ایک ہی لفظ استعمال ہوا ہے لیکن سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کے معانی مختلف ہیں۔ اگر ہر جگہ ایک ہی معنیٰ لئے جائیں تو مفہوم درست نہیں ہو گا۔ ان الفاظ میں سے چند درج ذیل ہیں ؛۔

خدع، مکر، ھدیٰ، علم، ضال، وحی، مومن، شاکر اس کے علاوہ اور بہت سے

ایسے الفاظ ہیں جن کے معانی اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صیغۂ واحد حاضر میں مخاطب فرمایا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ترجمہ کرتے وقت اُردو میں وہی الفاظ استعمال کئے جائیں۔ اُردو زبان میں تُو کہہ کر اپنے بڑے کو مخاطب کرنا گستاخی ہے۔ ہاں اللہ کے لئے تو تُو استعمال کیا جا سکتا ہے کہ وہ مالک اور خالق اور بندے کا راز دار ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فداہُ امی وابی کے لئے تو استعمال کرنا اُردو آداب زبان کے خلاف ہوگا۔

مندرجہ بالا الفاظ کی تشریح اور مناسب معنیٰ:۔

خَدَع کے معنی ہیں جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف ظاہر کر کے کسی کو اس چیز سے پھیر دینا جس کے وہ درپے ہو۔ جب یہ لفظ دشمنِ خدا اور رسول کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے معنیٰ اور ہوں گے اور جب یہی لفظ اللہ کے لئے قرآن میں استعمال کیا گیا ہو تو معنیٰ اور ہوں گے۔ ایک ہی معنی میں استعمال کر دینا صریحاً غلطی ہے مثلاً کہ وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکا دیتا ہے۔ بالکل غلط ہے اور اعلیٰحضرت بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس ترجمے میں اس بات کا خاص خیال رکھا ہے جو دوسرے کسی مترجم قرآن نے نہیں رکھا۔

مَکر کے معنی کسی شخص کو حیلہ کے ساتھ اس کے مقصد سے پھیر دینے کے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اگر اس سے کوئی اچھا فعل مقصود ہو تو محمود ہوتا ہے ورنہ مذموم۔ اب وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ کا ترجمہ "اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے" قطعاً غلط ہوگا (خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ) میں اللہ تعالیٰ تدابیر محمود کا مالک ہے کافروں کی تدبیریں مذموم ہیں لیکن اللہ کی تدبیر محمود ہے اور اللہ محمود تدبیریں کرنے والا ہے دوسری جگہ پر یہی لفظ مذموم تدابیر کے معنی میں آیا ہے جیسے وَلَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ۳۵/۴۳ ترجمہ:۔ اور مذموم تدابیر کرنے والے کا وبال اس کے کرنے والے پر ہوتا ہے۔ اور وَاِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کرو جب کافر لوگ تمہارے بارے میں (مذموم) چال چل رہے تھے ۸۔۔۔ ۳۰۔

وَمَکَرُوۡا مَکۡرًا وَّ مَکَرۡنَا مَکۡرًا۔ اور وہ ایک چال چلے (مذموم) اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی (محمود) یعنی انہوں نے مذموم تدابیر اختیار کیں اور ہم نے محمود تدبیر اختیار کی۔ بعض نے کہا کہ مکرِ خداوندی کے معنی بندے کو ڈھیل دینے اور ساز و سامان پر خوب قدرت دینے کے ہیں اس لئے امیر المومنین حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے فرمایا مَنْ وُسِّعَ عَلَیْہِ دُنْیَاہُ وَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّہٗ مُکِرَ بِہٖ فَھُوَ مَخْدُوْعٌ فِیْ عَقْلِہٖ ۔ کہ جس پر اس کی دُنیا فراخ کر دی گئی اور وہ یہ نہ سمجھا ہو کہ اُسے ڈھیل دی گئی ہے تو وہ فریب خوردہ اور احمق ہے ۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوگیا کہ مکر کے کیا معنی ہیں ۔ اس کے معنی مترجمین نے اکثر غلط کئے ہیں ۔

علم کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا اور یہ دو قسم پر ہے اوّل یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کرنا دوم ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو اس کے لئے ثابت ہو ۔ یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو اس سے منفی ہو ۔ پہلی صورت میں یہ لفظ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے :۔

لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ ۸؍۶ جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ۔ ۸ ۔ ۶ اور دوسری صورت میں متعدی بہ دو مفعول ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے ۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ ۶۰؍۱۰ اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں ۔ اور آیت یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ کے آخر میں لَا عِلْمَ لَنَا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے ہوش و حواس قائم نہیں رہیں گے ۔ ایک اور حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) نظری علم (۲) عملی علم ۔ علم نظری یہ ہے کہ جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے ۔ جیسے وہ علم جس کا تعلق موجوداتِ عالم سے ہے اور علم عملی یہ ہے کہ جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے جیسے عبادات کا علم ۔

علم کی ایک اور حیثیت سے بھی تقسیم کی گئی ہے ۔ ایک علم عقلی یعنی وہ علم جو صرف عقل سے حاصل ہو سکے دوسری علم سمعی یعنی وہ علم جو محض عقل سے حاصل نہ ہو بلکہ ذریعہ نقل و سماعت کے حاصل کیا جائے اسی لئے جب عالمؔ اللہ کیلئے بولا جائے گا تو معنیٰ اور ہوں گے اور انسان کے لئے بولا جائے گا تو اور معنیٰ ہوں گے ۔ ظاہر ہے دونوں کو خلط ملط کر دینا غلط ہی ہوگا ۔ تو جہاں جہاں قرآن میں " نَعْلَمَ لِنَعْلَمَ " کا لفظ آیا ہے وہاں معانی بھی اسی اعتبار سے کئے جائیں گے ورنہ بہت سارے اشکال وارد ہونے کا خطرہ ہے ۔

الضَّلَال کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے ہیں ۔ یہ ہٹنا خواہ عمداً ہو یا سہواً تھوڑا ہو یا زیادہ تو جس سے بھی کسی قسم کی غلطی سرزد ہوگی اس کے متعلق ضلالت کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءؑ اور کفار دونوں کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن ترجمہ کرتے وقت ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے کہ فرق مراتب کا خیال رکھا جائے ۔ اگر ایک ہی معنی کئے تو یہ صریح گستاخی ہوگی ۔

مومن کا لفظ اہل ایمان کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ رب العزت کے لئے بھی

چنانچہ دونوں میں ترجمہ کرتے وقت فرق ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے اسی طرح لفظ "شاکر" جو بندہ و معبود دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ خیال نہ کیا جائے تو ترجمہ بالکل چوپٹ ہو اور بجائے ثواب کے عذاب ہو۔ مترجمین میں سے شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ ولی اللہ (فارسی ترجمہ) عبدالماجد دریا آبادی۔ ڈپٹی نذیر احمد، اشرف علی تھانوی۔ مرزا حیرت دہلوی وغیرہم۔ سب نے ترجمہ میں ان باتوں کا خیال نہیں رکھا۔ نہ جانے کیوں؟ بہرحال اعلیٰحضرت احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ نے ان تمام باتوں کا خیال رکھا اور ادب مصطفوی کو مقصد زندگی بنایا اور ایسا ترجمہ پیش کیا جن میں ادب، شستگی، آرائش، حسن بیان مکمل طور پر موجود ہے۔

قرآن کریم کے مروجہ تمام ترجمے اگر غور سے دیکھے جائیں تو یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ ترجمہ کرتے وقت کس مترجم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ ذیل میں ہم تمام ترجموں سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں اور آپ سے اس بات کی التجا کرتے ہیں کہ آپ خود فیصلہ فرمادیں کہ کون سا ترجمہ ادب کے قریب اور کون سا ترجمہ بے ادبی اور گستاخی پر مبنی ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى سورہ الضحیٰ آیت (۷) مترجمین :-

مترجمہ : اور پایا تجھ کو بھٹکتا ہوا، پھر راہ دی (شاہ عبدالقادر)

اور پایا تجھ کو راہ بھولا ہوا پس راہ دکھائی (شاہ رفیع الدین)

ویافت ترا راہ گم کردہ یعنی شریعت نمی دانستی پس راہ نمود (شاہ ولی اللہ)

اور آپ کو بے خبر پایا، سو رستہ بتایا (عبدالماجد دریابادی)

اور تمہیں گم کردہ راہ پایا تو کیا (تمہیں) ہدایت (نہیں) کی؟ (مرزا حیرت دہلوی)

اور تم کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہو تو تم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا۔

(ڈپٹی نذیر احمد)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلادیا۔ (اشرف علی تھانوی)

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی (اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں)

تمام مترجمین کرام نے ضَآلًّا کا ترجمہ بھٹکا ہوا، گم کردہ راہ وغیرہ کے معنی میں استعمال کیا ہے جو صریحاً غلط اور بے ادبی پر دال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں یہ کہنا کہ بھٹکا ہوا گم کردہ راہ ہے صاف اور صریح گستاخی ہے۔ البتہ آخری مترجم کا ترجمہ آپ دو تین بار پڑھیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کون سا ترجمہ صحت و ادب کے قریب ہے۔

کو اپنی زبان میں اس طرح ڈھالا کہ جس سے صاف یہ پتا چلتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ بھی نہیں تھے صرف بھٹکنے والے ایک پریشان گم کردہ راہ آدمی تھے (نعوذ باللہ من ذالک) تو انہیں پھر ہدایت دے دی گئی۔

اعلیٰ حضرت نے اس قدر با ادب اور نفیس ترجمہ کیا ہے کہ آپ اسے کسی زبان میں بھی منتقل کریں کسی صورت بے ادبی اور غلط فہمی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ الفاظ پر غور کیجیے۔

”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔“

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نبی تھے، رسول تھے، پیغمبر تھے، راہِ حق پر تھے لیکن اللہ کی محبت میں از خود رفتہ ہو چکے تھے تو اللہ نے وہ ظاہری لباسِ نبوت اور اپنا قرب نصیب فرمایا جس کے لئے آپ پریشان رہتے تھے۔ نہ یہ کہ آپ راہ بھٹکے ہوئے گم کردہ تھے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ بات بیان کر دی گئی کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (سورہ نجم آیت نمبر ۲ - یعنی آپ کے صاحب (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نہ گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح ۱،۲)

ترجمہ: ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے (شاہ عبدالقادر)

تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تا کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں سے تیرے اور جو کچھ پیچھے ہو۔ (شاہ رفیع الدین)

ہر آئینہ ما حکم کردیم برائے تو بفتح ظاہر عاقبت فتح آنست کہ بیامرزد ترا خدا آنچہ کہ سابق گذشت از گناہِ تو و آنچہ پس ماند۔ (شاہ ولی اللہ)

بے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے (عبدالماجد دریابادی)

اے پیغمبر یہ حدیبیہ کی صلح کیا ہوئی۔ در اصل ہم نے تمہاری کھلم کھلا فتح کرا دی تا کہ تم اس فتح کے شکریہ میں دینِ حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور خدا اس کے صلے میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے۔ (ڈپٹی نذیر احمد)

بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے (اشرف علی تھانوی)

بے شک اے نبی ہم نے تمہیں ایک فتح ظاہر عنایت کی۔ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہوں کو بخش دے (مرزا حیرت دہلوی)

بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے ۔(اعلیٰ حضرت)

کسی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مترجم ان دونوں زبانوں کا ماہر ہو اور یہ بات اس آیت کے ترجمے میں نہیں ہے کیونکہ سوائے اعلیٰ حضرت کے سب نے ایسا ترجمہ کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ من ذالک) پہلے بھی گناہ کر چکے تھے اور بعد میں بھی کرنے کا امکان ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ایک سند دینی پڑی کہ آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ ہم نے معاف کر دیئے ۔

ترجمے میں دو سوال ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اوّل یہ کہ کیا نبی معصوم نہیں ؟ دوسرے یہ کہ کیا گناہ اسی طرح معاف ہوا کرتے ہیں کہ اللہ نے فتح بھی دی اور اس کے ساتھ گناہ کی مغفرت کا سرٹیفکیٹ بھی ساتھ ہی دے دیا؟

سوال اوّل کا جواب صاف ہے اور ہر مسلمان اور عاشق رسول کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی معصوم تھے اور بعد میں بھی معصوم ہیں۔ گناہ کا شائبہ اور تصوّر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا۔

ترجمے کی یہی غلطی اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے مترجمین نے بھی کی ہے۔ مثلاً قرآن کے انگریز مترجم اے۔ جے۔ آربری (A.J. ARBERRY) نے اپنے انگریزی ترجمے میں اس آیت کریمہ کے معنی اس طرح کئے ہیں۔

> Surely we have given thee (you) a manifest
> victory, that God may forgive thee (you) the
> former and the latters sins.

اس انگریزی ترجمے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) رسول گنہگار تھے۔ اور اسی قسم کے ترجموں نے نئے انگریزی محققین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی پر آمادہ کیا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کئے جو شانِ رسالت پناہ کے بالکل منافی تھے Marmaduke Picthal کا ترجمہ دیکھئے:۔

> (1) Lo! We have given thee (O, Muhammad) a signal
> victory, (2) that Allah may forgive thee of
> thy sin, that which is past and that which is
> to come.

اب بتایئے کہ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے اس ترجمے سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسول گنہگار تھے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) لیکن اعلیحضرت کے ترجمے میں آپ خود دیکھیں کہ یہ بات نہیں ہے۔ اب اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھیئے تو جی میں وہ انبساط و سرور پیدا ہوگا جو قرآن کا مقصود ہے۔

فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ   سورہ شوریٰ آیت ۲۴

ترجمہ: پس اگر خواہد خدا مہر نہد بر دل تو   (شاہ ولی اللہ)

" پس اگر چاہتا اللہ مُہر کر دے تیرے دل پر   (شاہ رفیع الدین)

" سو اگر اللہ چاہے مُہر کر دے تیرے دل پر (شاہ عبدالقادر)

" سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر لگادے (عبدالماجد دریا بادی)

" سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (اشرف علی تھانوی)

" اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مُہر لگا دے (اعلیٰ حضرت)

سوائے اعلیحضرت بریلوی کے تمام ترجموں سے قاری یہی نتیجہ اخذ کرے گا کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ کے دل پر مُہر لگانے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر کچھ سوچ کر چھوڑ دیا ورنہ ضرور مہر لگا دیتا۔ اب یہ تو معلوم ہی نہیں کہ کیوں مہر نہیں لگائی۔ یہ کس قدر گستاخی اور بے ادبی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو چاہتا تھا کہ مہر لگادیں (کیونکہ) نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضور کے اعمال ہی ایسے تھے جن کی وجہ سے مہر لگانے کی ضرورت تھی لیکن پھر چھوڑ دیا اس ترجمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی ہونا کوئی غیر معمولی اور بڑی بات نہیں۔ بھلا جس کو اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے اور وہ بھی جس پر نبوت کا خاتمہ ہو منتخب کرے اور پھر خود ہی اس کو بار بار سرزنش کرے کیوں کر ہو سکتا ہے؟

حضرت احمد رضا خاں بریلوی کے علاوہ دیگر ترجموں سے دو باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو نبوت کا تاج تو پہنا دیا لیکن استغفراللہ حضور نبوت کے قابل نہ تھے۔ حالانکہ تمام مسلمان اہل علم ہوں یا بے علم سب اس بات پر متفق ہیں کہ نبوت، اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور صرف اس شخص کو نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے جو قوت عقلیہ، فراست و تدبر میں کل عالم میں سب سے افضل ہو۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے ان تمام خدشات اور توہین آمیز کلمات کو محبت و رحمت کی مہر کہہ کر صاف مٹا دیا۔ دوم جب انسان کسی کو نبی تسلیم کر لیتا ہے تو متعلقات نبوت سے کیونکر انکار کرے گا۔ نبی کا قوت عقلیہ میں کل عالم سے برتر ہونا وہ خود بخود تسلیم کرے گا۔ اگر نہیں تو اس کا صاف مطلب ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ سورۂ بقرہ : آیت ۱۲۰

ترجمہ : اور کبھی چلا تو ان کی پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا نہ مدد گار (شاہ عبدالقادر)

" اور البتہ اگر پیروی کرے گا تو خواہشوں ان کے پیچھے اس چیز کے آئی تیرے پاس علم سے نہیں واسطے تیرے اللہ سے کوئی دوست اور نہ کوئی مدد گار۔ (شاہ رفیع الدین)

" اگر پیروی کردی آرزو ہائے باطل ایشاں را پس آنچہ آمدہ است بتو از دانش نہ باشد ترا برائے اخلاص از عذاب خدا ہیچ دوستی و نہ یارے دہند۔ (شاہ ولی اللہ)

" اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لئے اللہ کی گرفت کے مقابلے میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مدد گار۔ (عبدالماجد دریا بادی)

" اور اے پیغمبر اگر تم اس کے بعد تمہارے پاس علم یعنی قرآن آچکا ہے۔ ان کی خواہشوں پر چلے تو پھر تم کو خدا کے غضب سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مدد گار (ڈپٹی نذیر احمد)

" اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں ان کے غلط خیالات کا علم قطعی ثابت بالوحی آچکنے کے بعد تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے نہ مدد گار۔ (اشرف علی تھانوی)

" اور (اے سننے والے۔ کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا، بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے کوئی تیرا بچانے والا ہوگا اور نہ مدد گار۔ (اعلیٰحضرت بریلوی)

مندرجہ بالا ترجموں میں سوائے اعلیٰ حضرت بریلوی کے تمام ترجموں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر زجر و توبیخ کی جا رہی ہے تم قرآنی علم آجانے کے بعد ان کی پیروی کرو گے۔ (نعوذ باللہ) لہٰذا اگر ایسا کیا تو خبردار تم کو ایسی پکڑ پکڑیں گے کہ کوئی چھڑا نہ سکے گا۔ بھلا بتایئے یہ کیا بات ہوئی حالانکہ تفسیر خازن میں ہے کہ "خطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد بہ امتہ"[1] یہ خطاب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس سے مراد امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا تھا تو ان حضرات کو ترجمے میں یہ بات واضح کرنی چاہیئے تھی نہ کہ ایسا ترجمہ کرتے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہو

---

[1] تفسیر خازن ج اول ص ۸۷

اعلیٰ حضرت بریلوی نے اس لفظ کے ترجمے میں یہ کمال کیا کہ ترجمہ وہ کر دیا جو منشائے مولیٰ اور تقاضائے ادب تھا۔

مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ۔ سورہ شوریٰ آیت ۵۲۔

ترجمہ: تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان (شاہ عبدالقادر)

"نمی دانستی کہ چیست کتاب ونمی دانستی کہ چیست ایمان (شاہ ولی اللہ)

" آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا چیز ہے (عبدالماجد دریا بادی)

" تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا چیز ہے۔

(اشرف علی تھانوی)

"اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل (اعلیٰ حضرت بریلوی)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ امی وابی) کو شرف نبوت کا تاج تخلیق آدم سے قبل ہی عطا کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ ترجمہ کرنا کہ نہ تو کتاب جانتا تھا اور نہ ایمان تو یہ صاف اور صریح عصمت انبیاء پر حملہ ہے کیونکہ نبوت اللہ نے اپنے منتخب بندوں ہی کو عطا فرمائی ہے اور یہ انتخاب لوح وقلم میں محفوظ ہے۔ پھر یہ کہنا کس قدر گستاخی ہے کہ اس سے قبل آپ مومن نہ تھے جب کہ ایک روایت میں آتا ہے جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو اللہ رب العزت کو سجدہ کیا اور فرمایا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو خود ہی فیصلہ کریں گے کہ حقیقت کیا ہے۔

آیت کا مطلب صاف یہ ہے کہ جو لوگ آپ کو نبی نہیں مانتے ان کو معلوم ہو جائے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے اور اس کتاب کے نزول کے بعد ہی انہوں نے بنی نوع انسان کے سامنے ایمان پیش کیا اگر یہ سچی نبوت نہ ہوتی تو پہلے سے کتاب وایمان کا تذکرہ فرماتے نہ کہ بعد میں چالیس سال کی عمر کے بعد ذکر کرتے۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو بات پیش کر رہے ہیں وہ من جانب اللہ ہے ان کی اپنی طرف سے نہیں ہے۔

صاف صاف لفظوں میں ایسا ترجمہ کرنا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کتاب کا پتا تھا نہ ایمان کا۔ سریحاً بے ادبی اور گستاخی ہے۔ جہاں جہاں اس قسم کی آیت آئے اس کا ترجمہ کرنا ضروری نہیں ہوتا بلکہ وہاں ایسا مفہوم لینا چاہیئے جس سے شان رسالت بلند ہو اور آقائے دو جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سید الاصفات کی تعریف وتوصیف ہوتی ہو۔

مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات واضح کرنی مقصود ہے کہ ہم اب چشم پوشی سے کام نہ لیں اور نہ شخصیت پرستی کے جال میں پھنسیں اور دلیل صرف یہ دیں کہ چونکہ فلاں نے کہا ہے اس لئے درست ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ نہ دیکھیں کہ کس نے کہا بلکہ یہ دیکھیں کہ کیا کہا۔ اگر کہا ہوا درست ہے تو سبحان اللہ ورنہ اس غلطی کی نشاندہی ضرور کریں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی ہی کا ترجمہ سب کچھ ہے بلکہ ہم صرف یہ احساس دلانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ٹھیک کہا اور ہر آیت کے ترجمے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو برقرار رکھا اور کوئی ایسی بات نہیں کی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام کی تنقیص ہوتی ہو یا ان کی گستاخی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔ آپ شروع سے لے کر آخر تک اس ترجمے کو پڑھ ڈالئے آپ کو کہیں بھی ایسا جملہ نہیں ملے گا جس میں اللہ تعالےٰ اور انبیائے کرام کی تنقیص ہوتی ہو بلکہ حضرت علامہ احمد رضا خاں نے ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر رکھا ہے اور وہی کچھ بیان کیا جو حق تھا۔ جس میں سچائی تھی عشقِ رسول تھا۔

ہم نے آپ کو اس نہج پر سوچنے کی دعوت دی ہے۔ آپ سوچیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا حق ہے اور کیا ناحق۔

(وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝)

عبد الستار طاھر

امام اہلسنت، مجددِ دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ صفات وکمالات کے لحاظ سے اپنے دور میں جملہ باکمال حضرات میں سب سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور قلمی میدان کے تو ایسے شہسوار ہیں جس موضوع پر قلم اُٹھایا حق ادا کر دیا بقول علامہ اختر شاہجہان پوری

علم و عرفان کے خزائن ہیں رسائل آپ کے
نورِ عرفان سب کے اندر بھر دیا، پائندہ باد

چودھویں صدی میں دستِ قدرت نے دین ومِلت کی تجدید کا سہرا امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے سر سجایا تھا۔ آپ کو ۵۵ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ اور علم وفن کے ہر شعبہ میں اُن کی مستقل تصانیف ہیں۔ امام احمد رضا کے جملہ علمی وعملی کارناموں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں جاری وساری نظر آتا ہے جیسے جسم کے اندر روح۔ آپ کے نزدیک اسلام میں عشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام یہی تھا یہی تو وہ دولت ہے جو خود ایمان بھی ہے اور جانِ ایمان بھی۔

بقول راجہ خورشید احمد ریٹائرڈ بریگیڈیئر (جہلم) :- امام احمد رضا، اللہ اور رسول کے

عشق میں بے خود و مست تھے۔ اسے حدّت کا نام دیں یا شدّت کا، یہ بھی اعدائے خدا اور رسول کے لئے تھی۔ اُن کے دل میں آں حضور علیہ التحیۃ والثناء کی جو محبت تھی وہ اُن کے کام سے اظہر من الشمس ہے۔ آپ پروانۂ رسالت تھے جتنا نور انھوں نے اخذ کیا، وہ نور بہت کم لوگوں کے حصّہ میں آیا ہوگا۔" لہ

آپ کی ساری زندگی پاسبانِ عشقِ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیثیت سے گزری صوفی محمد اسلم نقشبندی اپنے ایک مضمون "امامِ اہلسنّت کی تعلیمات اور علمائے کرام کا حصّہ" میں لکھتے ہیں :-

"امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے ہم لوگوں پر سب سے بڑا احسان یہ فرمایا ہے کہ ہمیں ایک ایسا اندازِ فکر عطا فرمایا جو اسلام کی حقیقی روح اور منشاء کے مطابق ہے۔ قرآنِ مقدّس کا مقصود بھی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اور اولیائے عظّام رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین کو تنقیص کے غبار سے پاک رکھا جائے اُن کے فضائل و کمالات کو نہ صرف زُبانی بلکہ دِل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے اور ہرگز ہرگز ایسی راہ نہ اختیار کی جائے جس سے ان برگزیدہ ہستیوں کی بارگاہ میں بے باکی اور گستاخی کا شائبہ بھی نکلتا ہو۔ یہ وہ نعمتِ عُظمٰی ہے جس کی حفاظت کا فریضہ ہم سب پر عائد ہوتا ہے" ٢ہ

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف میں یہی رنگ نمایاں ہے جس کا ذکر صوفی اسلم صاحب نے کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے "کنزالایمان" کے نام سے قرآنِ کریم کا جو اردو ترجمہ لکھا۔ اُس میں حفظِ مراتب کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اُسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح لہو شریانوں میں۔

تفسیر کی طرح قرآنِ پاک کے ترجمہ کا فن بھی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنا اور بات ہے۔ اصل میں ترجمۂ قرآنِ پاک کے اپنے کچھ تقاضے ہیں، کچھ اپنے قواعد ہیں اور وہ

لہ خورشید احمد۔ راجہ: مولانا احمد رضا خان بریلوی، ماہنامہ جادہ مجدّد دورِ حاضر نمبر ص ۴ مطبوعہ جہلم نومبر ۱۹۸۷ء

٢ہ محمد اسلم نقشبندی صوفی: امام اہلِ سنت کی تعلیمات اور علمائے کرام کا حصّہ جادہ جہلم شمارہ نومبر ۱۹۸۷ء، ص ۱۵

تقاضے صرف عربی دانی کے بل بوتے پر پورے نہیں ہو سکتے۔

علامہ محمد صدیق ہزاروی کے مقالہ "کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں" پر مسعود ملت، مخدوم اہل سنت عزت مآب حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مجددی مظہری زید عنایتہ نے تقدیم لکھی ہے جس میں ترجمے اور ترجمۂ قرآن کے تقاضوں کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

"امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآن 'کنزالایمان' اپنی مثال آپ ہے۔ کسی کتاب کا ترجمہ اتنا آسان نہیں جتنا آسان سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینے سے دل نکال کر دوسرے سینے میں رکھنا ہے اور ظاہر ہے یہ کام آسان نہیں۔ پھر قرآن جیسی عظیم کتاب کا ترجمہ کرنا تو اور بھی مشکل ہے۔ ہر ترجمے کے لئے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے۔ دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو۔ اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے اُن معانی کا جاننا بھی ضروری ہے جو اُس عہد میں لئے جاتے تھے، جس عہد میں کتاب سامنے آئی۔ کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ اور معانی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ بعض الفاظ سفر کر کے دوسری زبانوں سے بھی آجاتے ہیں۔ اس لئے جب قومیں آپس میں ملتی ہیں تو اُن کی زبان اور تہذیب و تمدن ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہو بہو قبول کر لئے جاتے ہیں اور کبھی الفاظ و معنی میں کچھ تغیر کے ساتھ۔ مترجم کو زبان پر کامل عبور اور اہل زبان کے اسرار و رموز کے ساتھ ان تمام حقائق کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سباقیات و سیاقیات اور اُن علوم و فنون پر اُس کی نگاہ ہونی چاہیئے، جن سے وہ کتاب بحث کر رہی ہے کیونکہ علمی و فنی کتاب کے ترجمے کے لئے صرف زبان دانی کافی نہیں۔"

قرآن مجید میں بعض مقامات ایسے ہیں جن کا تعلق علوم جدیدہ سے ہے۔ ایسے مقامات کا ترجمہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک اُن علوم پر بصیرت حاصل نہ ہو۔

الفاظ کے معنی کا صحیح تعین متکلم کے تیور اور چہرے کے اُتار چڑھاؤ، اندازِ بیان

کے نشیب و فراز اور اسلوبِ خطابت سے ہوتا ہے۔ لیکن کتاب میں الفاظ تنہا رہ جاتے ہیں۔ ان تنہائی میں اُن کے معانی کا صحیح ادراک ایک مُشکل کام ہے۔ اس لئے مترجم کے لئے ضروری ہے کہ کتاب اور صاحبِ کتاب کی معرفت رکھتا ہو۔ کتاب اللہ کا ترجمہ اُس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک معرفتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ معرفتِ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم بھی حاصل نہ ہو۔ جس کو یہ معرفت حاصل نہیں، وہ ترجمہ کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

ایک عام مترجم کے دل میں علم و حکمت اور اسرار و معارف کے وہ چشمے پھوٹ ہی نہیں سکتے جو عاشقِ رسول کا مقدر بن چکے ہیں۔ ترجمۂ قرآن کے لئے دلِ گرم، نگاہِ پاک بین، جانِ بیتاب کی ضرورت ہے۔" [۱]

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی معرفت تک اپنے نورِ بصیرت سے رسائی پائی تو جو کچھ ملاحظہ کیا، اسے اس طرح اہلِ دل کی نذر کر دیا:۔

"یہ ترجمہ اُس کا پیش کردہ ہے جو

- عظمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمبردار،
- تائیدِ رحمانی کا سرمایہ دار،
- انوارِ ربانی کا حامل
- حقائقِ قرآن کا ماہر (غواص) اور
- حقائقِ آیات کا عارف (صادق) تھا۔" [۲]

آپ کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے جس کا ایک ایک سانس خوشبوئے عشقِ رسول سے معنبر و معطر تھا۔ اس اَمر کا اظہار و اعتراف موافقین نے بھی کیا اور مخالفین نے بھی جو آپ کی حق پرستی اور حق آگہی کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔ بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

"ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔" [۳]

۱؎ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تقدیم، کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

۲؎ سید محمد مدنی میاں، شیخ الاسلام: امام احمد رضا اور اردو تراجمِ قرآن کا تقابلی مطالعہ، انوارِ رضا مطبوعہ لاہور

۳؎ مقبول احمد قادری، حاجی، مقالات یوم رضا، جلد دوم، ص ۶۵، مطبوعہ لاہور

کنزالایمان کی شانِ انفرادیت

یہاں مختلف تراجم کے حوالے سے کنزالایمان کی شانِ انفرادیت بیان کی جارہی ہے اگر کھلے دل سے اور اپنے شعور واستعداد کے مطابق کوئی بھی شخص موازنہ کرے تو حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔ جانبداری سے ہٹ کر مطالعہ اور تجزیہ یقیناً اندھیرے سمجھا جائے کی طرف سفر میں رہنمائی کا کام دیتا ہے ملاحظہ فرمائیں:۔

(۹) شانِ الوہیت اور مترجمین قرآن

مثال نمبر ۱۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

- ترجمہ مولوی محمود الحسن: "شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے"۔
- مولانا اشرف علی تھانوی: "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں"
- ترجمہ اعلیٰ حضرت: "اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا"

یعنی جس کے نام سے شروع کیا جارہا ہے۔ اس کا نام پہلے ادا کرنا چاہیئے یا اپنے فعل کا واقع ہونا ظاہر کیا جائے۔

مثال نمبر ۲

(آل عمران۔ آیت ۵۴)

وَمَكَرُوۡا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ۝ (پارہ ۳، رکوع ۱۳)

- ترجمہ مولانا محمود الحسن: "اور مکر کیا اُن کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے۔ اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"۔
- ترجمہ مولوی فتح محمد: "اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لئے) چال چلا۔ اور خدا خوب چال چلنے والا ہے"۔
- ترجمہ اعلیٰ حضرت: "اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے اُن کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے"۔

مثال نمبر ۳۔

وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝ (آل عمران آیت ۱۴۲)

- ترجمہ مولوی محمود الحسن: "اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔"
- ترجمہ فتح محمد جالندھری: "حالانکہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔"
- ترجمۂ اعلیٰ حضرت: ۔ اور اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔"

مثال نمبر ۴

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج (النساء ۱۴۲، پارہ ۵ رکوع ۱۸)

- ترجمہ مولانا محمود الحسن: "البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔"
- ترجمۂ اعلیٰ حضرت: "بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔"

مثال نمبر ۵

نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ط پارہ نمبر ۱۰، رکوع ۱۵)

- ترجمہ مولانا محمود حسن: "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو۔"
- ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: "انھوں نے خدا کا خیال نہ کیا۔"
- ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری: "انھوں نے خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ان کو بھلا دیا۔"
- ترجمۂ اعلیٰ حضرت: "وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا۔

شانِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مترجمینِ قرآن

مثال نمبر ۱

فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ (شوریٰ۔ آیت ۲۴ پارہ ۲۵

("اگر خدا چاہے تو اے محمد تمہارے دل پر مہر لگا دے۔" (فتح محمد جالندھری)

- "تو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب پر مہر لگا دے۔" (عبدالماجد دریاآبادی)
- "سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔" (مولانا اشرف علی تھانوی)

- سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر" (مولوی محمود الحسن)
- "اگر اللہ چاہے تو تمھارے دل پر مہر کر دے" (مولانا مودودی)
- اور اگر اللہ چاہے تو تمھارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر لگا دے" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۲

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط (پارہ ۲۶، رکوع ۶)

- "اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لئے (مولانا محمود حسن)
- اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے۔ اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی" (مولانا اشرف علی تھانوی)
- اور معافی مانگو اپنے قصور کے لئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی (مولانا مودودی)
- اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"
  (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۳

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح، آیت ۱، ۲)

- ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ" تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے" (مولوی محمود الحسن)
- بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالےٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی (سب) اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے" (مولوی عبدالماجد دریا آبادی)
- اے پیغمبر! ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ (اس کی وجہ سے) آپ کی اگلی اور پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کر دے" (مولانا ابوالکلام آزاد)
- اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی تاکہ اللہ تمھاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے (مولانا مودودی)

- "بے شک ہم نے تمھارے لیے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے۔" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۴

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

(محمد: آیت ۱۹)

- "سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لئے۔" (مولوی محمود الحسن)
- "تو آپ اس کا یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابلِ عبادت نہیں اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے بھی۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)
- "پس جان رکھو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی۔" (مولوی فتح محمد جالندھری)
- سو اے نبی! یا آپ یقین رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور آپ اپنی خطاؤں کے لئے بخشش طلب کیجیے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے بھی" (ابوالکلام آزاد)
- "تو آپ اس کا یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سارے ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے بھی۔" (مولوی عبدالماجد دریا آبادی)
- "پس اے نبی خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور معافی مانگو اپنے قصور کے لئے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی (مولانا مودودی)
- "تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۵

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (الضحیٰ: آیت ۷)

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی۔" مولوی محمود الحسن

- "اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- "اور رستے سے ناواقف دیکھا تو رستہ دکھایا" (مولوی فتح محمد جالندھری)
- "اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی"۔ (مولانا مودودی)
- "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ٦

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ (النجم-١)

- "قسم ہے تارے کی جب گرے" (مولوی محمود الحسن)
- "قسم ہے (مطلق) ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- "قسم ہے تارے کی جبکہ وہ غروب ہوا" (مولانا مودودی)
- "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ٧

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانبیاء، آیت ١٠٧)

- "اور جب تجھ کو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر جہاں کے لوگوں پر" (مولوی محمود الحسن)
- "آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دُنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلّفین) پر مہربانی کرنے کے لئے"
- (مولانا اشرف علی تھانوی)
- "اے محمد! ہم نے جو تمہیں بھیجا ہے تو یہ در اصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے"

(مولانا مودودی)

- "اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے" (اعلیٰ حضرت)

مثال ٨

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکہف، آیت ١١٠)

- "اور آپ یوں بھی کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- "تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم" (مولوی محمود الحسن)
- "کہہ دے میں اور کچھ بھی نہیں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں" (مولوی وحید الزمان)

- "تم فرماؤ ظاہری صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہی ہوں۔" (اعلیٰ حضرت)

عصمتِ انبیاء علیہم السّلام اور مترجمینِ قرآن

مثال نمبر ۱:

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰهٰ: آیت ۱۲۱)

- "اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا۔" (مولوی محمود الحسن)
- "اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے۔" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- "اور آدم نے اپنے پروردگار کے (حکم کے) خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔" (مولوی فتح محمد جالندھری)
- "اور آدم سے اپنے پروردگار کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔" (مولوی عبدالماجد دریابادی)
- غرض کہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے پر نہ چلا، پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہو گیا۔ (ابوالکلام آزاد)

آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گیا۔ (مولانا مودودی)

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔ (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۲ ۔ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ (الحجرات۔ آیت ۷۱)

- "بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔" (مولوی محمود الحسن)
- "لوط نے فرمایا کہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- "(لوط نے) کہا یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔" (مولانا عبدالماجد دریابادی)
- "لوط نے عاجز ہو کر کہا، اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں" (مولانا مودودی)

"یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں، اگر تمہیں کرنا ہے۔" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۳

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ (یوسف: ۲۴)

- "اور البتہ عورت نے فکر کیا اُس کا اور اُس نے فکر کیا عورت کا، اگر نہ ہوتا یہ کہ دیکھے قدرت اپنے رب کی"۔ (مولوی محمود الحسن)
- "اور اُس عورت کے دل میں تو اُس کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔" (مولانا اشرف علی تھانوی)
- اور اس عورت نے اُن کا قصد کیا اور انھوں نے اس کا قصد کیا، اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے۔ (مولوی فتح محمد جالندھری)
- اور اُس (عورت) کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور انہیں بھی اُس (عورت) کا خیال ہو چلا تھا اور اپنے پروردگار کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھ لیا ہوتا۔" (مولوی عبدالماجد دریابادی)
- اور بے شک عورت نے اُس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۴

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝ (الشعراء آیت ۲۰)

- "کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا۔" (مولوی محمود الحسن)
- "موسیٰ نے جواب دیا کہ اُس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی تھی" (مولوی اشرف علی تھانوی)
- کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں خطا کاروں میں تھا۔" فتح محمد جالندھری)
- (موسیٰ نے) کہا واقعی میں وہ حرکت کر بیٹھا تھا اور مجھ سے (نادانستہ) غلطی ہو گئی تھی۔ (مولوی عبدالماجد دریابادی)
- کہا ہاں اُس وقت میں نے وہ کام کیا تھا اور میں غلطی کرنے والا تھا۔" (ابوالکلام آزاد)
- موسیٰ نے فرمایا! میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔" (اعلیٰ حضرت)

مثال نمبر ۵

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم۔ آیت ۱۲)

- اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو۔" مولوی محمود الحسن)
- اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی۔ (اعلیٰ حضرت)

الملخص: ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات وصفات وکمالات میں جس طرح یکتا و بے مثل ہے ۔ اسی طرح اُس کی عطائے خاص کے سبب نبیٔ آخرالزماں سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی ذات وصفات وکمالات میں بے نظیر ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کسی قسم کی معصیت سے بالکل پاک ومطہر ہیں۔ اس لئے کہ نبی کا مطلب ہی معصوم اور عالم الغیب ہوتا ہے۔ پھر معصیت کا امر تو محال ٹھہرا۔

ان تمام واجب الاحترام ہستیوں کی شان کس قدر تعظیم کے لائق ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مذکورہ بالا امثال سے آپ پر واضح ہوگیا ہوگا بشرطیکہ بنظر عدل مطالعہ کیا ہو کہ اعلیٰ حضرت نے حسب مراتب شان کا بطور خاص التزام رکھا ہے جبکہ دیگر مترجمین میں یہ بات عنقا ہے۔ حالانکہ یہی شئے کنزالایمان اور صاحب کنزالایمان کو دیگر تصانیف وصاحبان تصانیف عصر و مابعدالعصر ممتاز کرتی ہے کہ عشق ادب اور احترام کا جو سلیقہ ان کے ہاں ہے انہی کے لئے خاص ہو کے رہ گیا ہے۔ بہ نسبت معاصرین ومخالفین کے بلکہ موافقین کے۔

کنزالایمان دانشوروں کی نظر میں

۱۹۱۱ء سے لے کر آج تک (۱۹۸۹ء) جب سے یہ ایمان افروز تحفہ عالم اسلام کو ملا ہے تب سے اہل نظر، صاحبان علم وفن اپنی اپنی بساط کے مطابق کنزالایمان کی فنی خوبیاں اور شان انفرادیت بیان کرتے آرہے ہیں۔ مختلف ادوار میں ارباب علم ودانش نے جو کنزالایمان اور صاحب کنزالایمان کے بارے میں تاثرات پیش کئے ہیں ان میں سے چند تاثرات پیش خدمت ہیں۔

قرآن مجید کے یوں تو اُردو میں بہت سے ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں۔ لیکن کنزالایمان کے نام سے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں جو ترجمہ امام احمد رضا خاں بریلوی نے کیا اس کا جواب نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اُردو میں کلام الٰہی کی ترجمانی کا حق ادا کردیا ہے۔ یہ ترجمہ ایک جانب تفاسیر معتبرہ کے عین مطابق ہے تو دوسری جانب اردو ادب کی جان، عظمت خداوندی وشان مصطفوی کا نگہبان اور

حفظِ مراتب کا پاسبان ہے واقعی یہ ترجمہ کنز الایمان یعنی ایمان کا خزانہ ہے۔ اسی لئے تو راقم الحروف نے لکھا ہے:۔

ترجمہ قرآن کا لکھا، کنزِ ایمان کر دیا

اے مفسر! واقفِ رمزِ خدا، پائندہ باد [1]

مسعودِ ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی مظہری زید لطفہ،

(مشہور محقق و عالمِ دین، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ)

آپ کنز الایمان پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں، مختلف المعانی الفاظ کے معانی کو محدود کر کے متعین کرنا بڑا نازک مسئلہ ہے۔ کیونکہ ترجمہ ہدایت کی اساس بھی بن سکتا ہے اور گمراہی کی بنیاد بھی۔ اردو تراجم کی تاریخ کی روشنی میں گروہ بندیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ منشاء قرآن کے خلاف جب مترجمین نے اپنی اپنی منشاء کو داخل کیا اور اپنی مراد کو قرآن کی مراد سمجھا تو بات بگڑنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے سوادِ اعظم پارہ پارہ گیا۔ مختلف فرقے بن گئے۔ غالباً اسی لئے محتاطین نے قرآنِ حکیم کے ترجمہ کی مخالفت کی تھی...... کامیاب ترجمے کے لئے زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ مترجم کے ذہنی افق کا وسیع ہونا ضروری ہے۔ ذہنی افق علم و حکمت سے وسیع ہوتا ہے۔ یہ افق جتنا وسیع ہوگا ترجمہ اتنا ہی مکمل ہوگا۔ تنگ ہوگا تو ترجمہ بھی نامکمل و ناتمام ہوگا۔ بالخصوص قرآن حکیم کا ترجمہ۔ مترجمینِ قرآن میں بعض حضرات ایسے نظر آئے جو ان چیزوں سے بے خبر ہیں، جن سے قرآن کے مترجم کو باخبر ہونا چاہیئے حتیٰ کہ بعض مترجمین عربی ہی سے نابلد ہیں۔

اردو کے تمام مترجمین میں امام احمد رضا اس لئے فوقیت رکھتے ہیں کہ ان کا ذہنی افق نہایت ہی وسیع تھا۔ وہ نہ صرف عربی اور اردو زبان دان اور

---

[1] عبد الحکیم خاں اختر شاہجہان پوری، علامہ: خصائص کنز الایمان۔ ص ۲۶، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

ماہر تھے بلکہ اُن علوم وفنون پر بھی عبُور رکھتے تھے، جن سے قرآن بحث کرتا ہے۔

ایک مترجم قرآن وہ ہے جس کی نظر عربی و اُردو ادب پر بھی ہے، لفظیات و لسانیات پر بھی ہے۔ تفسیر پر بھی ہے، حدیث پر بھی ہے، فقہ پر بھی ہے، فلکیات و ریاضیات اور طبیعات پر بھی۔ الغرض ۵۵ علوم وفنون پر دستگاہ رکھتا ہے۔ ایسے مترجم کی ذہنی سطح یقیناً اس سے بلند ہوگی جو صرف چند درسی علوم وفنون پر عبُور رکھتا ہے اور عربی و اردو زبان و ادب کا رمز شناس نہیں۔

کنزالایمان میں امام احمد رضا کی ذہنی اور فکری وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ جب ایک صاحبِ علم وفضل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات و مشاہدات اُس کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ بولتا ہے یا لکھتا ہے، وہ برسوں کی محنت کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس کو سرسری نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ مترجم کے فکری اور علمی پس منظر میں اس ترجمہ کو دیکھنا اور پرکھنا چاہیئے۔" ؎۱

پروفیسر محمد فیاض احمد خاں کاوش وارثی

شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج (صدر شعبہ اُردو) میرپور خاص (سندھ)

"یہ حقیقت ہے کہ سُنّیت کی صداقت کے لئے امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو مواد موضوع فراہم کیا۔ وہ اسلام میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُن کا سب سے بڑا کارنامہ ترجمۂ قرآن ہے جو حقانیت کا ایسا مینارہ نور ہے جس کے مقابلہ میں تمام تراجم کے چراغ جھلملاتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن آیاتِ قرآنی کے ترجمہ میں ذرا سی بے احتیاطی سے رب تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے۔ اُن نازک مقامات سے آپ بڑی احتیاط اور پوری کامیابی سے گزرے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کے ترجمہ کے لئے صرف علم ودانش ہی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جذبۂ عشق ومحبت بھی درکار ہوتا ہے۔ چنانچہ ترجمہ کے دوران بہت سے ایسے نازک مواقع آتے ہیں کہ پاسِ ادب کے ساتھ وہاں سے گزر جانا آسان کام نہیں ہوتا۔ مگر وہ عشقِ مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ادب کے اُس پُل صراط سے پلک جھپکتے گزر گئے۔ ترجمہ

؎۱ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تقدیم، کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں۔ مطبوعہ ۱۹۸۸ء، لاہور

کی خوبی کی انتہا یہ ہے کہ جن اشکال اور اُن کے حل کے لئے مفسرین نے کئی صفحات میں جاکر مشکل بیان کیا ہے۔ اُس محسن ملّت نے اپنے ترجمہ کے چند لفظوں میں کھول کر سامنے رکھ دیا ہے۔ بلا شبہ آپ کا ترجمۂ قرآن' تمام تراجم پر بھاری ہے [1]

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں

(بھارت کے مشہور عالم دین، ریسرچ اسکالر)

کلامِ الٰہی کا ترجمہ کرنا اور ہے اور عربی کلمات کو اُردو کا روپ دے دینا اور ہے۔ المختصر صرف تبدیلیٔ زبان اور ہے اور ترجمہ قرآن اور ..... کیا آپ اُس ترجمہ کو آنکھوں سے نہ لگائیں گے جس میں صرف زبان کو تبدیل نہیں کیا گیا بلکہ صحیح معنوں میں قرآن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔.....

اگر فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن کو اردو کے دیگر شائع شدہ ترجموں کے سامنے رکھ کر انصاف و دیانت اور فکر و نظر کی گہرائی کے ساتھ ان سب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو انصاف پسند کے لئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ دورِ حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنزالایمان ہے جو۔

قرآن کریم کا صحیح ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے۔

اہل تفویض کے مسلکِ اسلم کا عکاس ہے ۔ اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا مؤید ہے۔

- زبان کی روانی و سلاست میں بے مثل ہے ۔ عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے
- قرآن پاک کے اصل منشاء و مراد کو بتاتا ہے۔ آیاتِ ربانی کے اندازِ خطاب کی پہچان کراتا ہے
- قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضرات انبیاء کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے ۔ عامہ مسلمین کے لئے حقائق و معرفت کا اُمنڈتا سمندر ہے۔
- قادرِ مطلق کی ردائے عزت و جلال میں نقص و عیب کا دھبہ لگانے والوں کے لئے شمشیر براں ہے،
- بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآنِ حکیم قادرِ مطلق جلّ جلالہٗ کا مقدس کلام ہے اور کنزالایمان اس کا مہذب ترجمان ہے۔'' [2]

ملک شیر محمد اعوان مرحوم آف کالا باغ

''امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم مترجم ہیں جنھوں نے انتہائی کدو کاوش سے قرآن پاک کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے، جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے

- مقامِ حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور با محاورہ بھی، اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے
- پھر انھوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لُغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔
- اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔
- یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روحِ قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔
- اُن کے ترجمہ قرآن کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا ہے۔" ؎۱

علامہ رانا محمد جاوید القادری

مُدیرِ اعلیٰ ماہنامہ منہاج القرآن، لاہور

کنز الایمان کے معنی ہیں ایمان کا خزانہ۔ کنز الایمان اور دیگر تراجم کا دقّتِ نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی غیر جانبدار قاری اس امر کا دانشگاف الفاظ میں اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کنز الایمان تمام تراجم میں منفرد، ممتاز اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے... لیکن یہاں کنز الایمان کے امتیاز اور شرفِ انفرادیت کے جن پہلوؤں کا ذکر کرنا مقصود ہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

- اسلوبِ ترجمہ • انداز بیان • معنویت و مقصدیت • صوتی حسن، سلاست، ترنم اور نغمگی • فہم و تدبر • ادب الوہیت • احترام رسالت۔

قرآنِ حکیم کے تراجم کو تاریخی تناظر میں دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ترجمے کا آغاز اگرچہ لفظی ترجمے سے ہوا ہے۔ لیکن اس اسلوب ترجمہ میں موجود سُقم اور بیانی کمزوریوں کی بناء پر با محاورہ ترجمہ رائج ہوا۔ لیکن اس میں بھی تمام تر کوشش عبارت آرائی پر صرف ہونے لگیں جس سے توجہ

؎۱ بشیر محمد اعوان، ملک، محاسنِ کنز الایمان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء

فہمِ قرآن سے زبان دانی پر مرکوز ہوگئی۔ اس طرح قرآن حکیم کا حقیقی مفہوم نہ تو لفظی ترجمہ ادا کر سکا اور نہ ہی بامحاورہ۔ کنزالایمان میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اُس نے لفظی ترجمے کے محاسن کے حوالے سے قرآن کے ہر ہر لفظ کا مفہوم اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لُغت کی طرح رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی اور بامحاورہ ترجمہ کے محاسن کو بھی اس خوبی و کمال کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا بوجھ یا ثقل محسوس نہیں ہوتا۔ [۱]

علامہ غلام رسُول سعیدی
شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ کراچی

جو مقامِ امتیاز قرآنِ مجید کو باقی کُتبِ سماویہ کے درمیان حاصل ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کو وہی مقام باقی تراجم میں حاصل ہے۔ . . . . فصاحتِ بیان کے آئینہ میں اعجازِ قرآن کا عکس نظر آتا ہے۔" [۲]

علامہ محمّد صدیق ہزاروی
(شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا ترجمۂ قرآن آپ کی ذہنی اختراع اور کسی نئے مذہب کے معتقدات کا پرچار نہیں بلکہ یہ ترجمہ متقدمین کی تفاسیرِ معتبرہ کا نچوڑ، تقدیسِ خداوندی کا امین، ناموسِ رسالت و عظمتِ صلحاء کا محافظ اور فصاحت و بلاغت کا مرقع ہے۔ [۳]

استاذ الاساتذہ علامہ عطا محمد بندیالوی
(بندیال ضلع سرگودھا، پاکستان)

حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں۔ اور جس مسئلے پر قلم اٹھایا، الم نشرح کر کے چھوڑا ان تمام تصانیف کا سرتاج اُردو ترجمۂ قرآن پاک کنزالایمان ہے۔ جس کی نظیر نہیں ہے اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر نظر ہے۔ اس ترجمۂ مبارک میں مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے۔ اور جن مشکلات اور اُن کے حل مفسرین نے

---

[۱] جاوید القادری، علامہ کنزالایمان اور اس کی فنی حیثیت، منہاج القرآن، لاہور شمارہ، اکتوبر ۱۹۸۷ء

[۲] غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث: ضیائے کنزالایمان مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

[۳] محمد صدیق ہزاروی، علامہ: کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں ص ۹ ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

صفحات میں جا کر بمشکل بیان فرمائے ہیں اِس محسنِ اہلِ سُنّت نے اس ترجمہ کے چند الفاظ میں کھول کر رکھ دیا ہے۔" [1]

مجاہدِ ملّت مولانا عبدالستار خاں نیازی

(سیکریٹری جمعیت علمائے پاکستان)

"اہلسنّت وجماعت کا یہ ترجمہ وتفسیر سلف صالحین، تابعین، تبع تابعین، صحابہ کرام، خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے عقائد کے عین مطابق ہے ...... اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدّین مرادآبادی کا تفسیری حاشیہ سلف صالحین کی تفاسیر کے عین مطابق ہے۔ کسی جگہ تفسیر بالرّائے سے کام نہیں لیا گیا۔" [2]

مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی

(مُدیر اعلیٰ ماہنامہ حجازِ جدید، دہلی بھارت)

آپ کا ترجمۂ قرآنِ حکیم اپنے فنّی وادبی خصائص ومحاسن کے لحاظ سے شہرۂ آفاق ہے۔ علمی، اعتقادی، جس رُخ سے بھی اسے دیکھا جائے، قرآنِ مقدس کی جھلک ایک ایک سطر سے نمایاں ہے۔" [2]

حضرت سیّد محمد صاحب، محدّث کچھوچھوی علیہ الرحمہ

(کچھوچھہ شریف، ہند)

"اعلیٰ حضرت کے علمِ قرآن کا اندازہ اس اردو ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جاسکتا جو بظاہر ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآنِ مجید کی صحیح تفسیر ہے اور اردو زبان میں روحِ قرآن ہے۔ [3]

صدر الافاضل علامہ سیّد محمد نعیم الدّین مرادآبادی علیہ الرحمہ

اس ترجمہ کی شرح میں حضرت صدر الافاضل اُستاذ العلماء علامہ سیّد محمد نعیم الدّین مرادآبادی علیہ الرحمہ حاشیہ پر فرماتے ہیں :-

---

[1] مقبول احمد قادری، حاجی : پیغاماتِ یومِ رضا، جلد نمبر ۱، ص ۷۴، مطبوعہ لاہور

[2] محمد یٰسین اختر مصباحی، مولانا : امام احمد رضا، ماہنامہ استقامت ص ۴۱ شمارہ اپریل ۱۹۸۸ء مطبوعہ کانپور

[3] سیّد محمد، محدث ومفتی، سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۳۴۳

دورانِ شرح ایسا کئی بار ہوا کہ اعلیٰ حضرت ، کے استعمال کردہ لفظ کے مقامِ استنباط کی تلاش میں دن پر دن گزرے اور رات پر رات کٹتی رہی اور بالآخر ماخذ ملا تو ترجمہ کا لفظ اٹل ہی نکلا۔ اعلیٰ حضرت خود حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے۔ لیکن اگر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ اردو زبان کے اس ترجمہ کو پاتے تو فرما ہی دیتے کہ ترجمۂ قرآن شئ دیگر است و علم القرآن شئ دیگر ست [1]

علامہ محمد غافر بخش مدنی قادری رضوی

(فاضل مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب)

اس ترجمہ کی امتیازی شان کا پتہ اس وقت چلتا ہے۔ جب موجودہ دور کے دوسرے تراجم سے کنز الایمان کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔ اور اس کی مقبولیت کا اندازہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے حکیم الامت جناب تھانوی کے اس بیان سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن عظیم کی معرفت اگر اس زمانے میں کسی کو حاصل ہے تو وہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی ہیں'' [2]

مولانا ماہر القادری

(مدیر ماہنامہ فاران، کراچی)

مولانا احمد رضا خاں نے قرآنِ پاک کا سلیس رواں ترجمہ کیا ہے ...... مولانا صاحب نے ترجمہ میں بڑی نازک احتیاط برتی ہے .... مولانا کا ترجمہ اچھا ہے .... ترجمہ میں اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب قائم ہے [3]

ماہنامہ معارف، ندوہ، ضلع اعظم گڑھ بھارت

مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنے وقت کے زبردست عالم و مصنف اور فقیہ تھے۔ انھوں نے چھوٹے بڑے سینکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن کا سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزارہا فتوؤں کے جواب بھی انھوں نے دیئے ہیں فقہ اور

---

[1] محمد نعیم الدین، علامہ ۔ سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۴۴

[2] محمد غافر بخش، علامہ : امتِ مسلمہ پر اعلیٰ حضرت کے احسانات، ص ۵، مطبوعہ لاہور جولائی ۱۹۸۷ء

[3] ماہر القادری، مولانا، مدیر، ماہنامہ فاران، کراچی، شمارہ، مارچ ۱۹۷۶ء

حدیث پر اُن کی نظر بڑی وسیع ہے۔ [1] ۱۴۰

خلاصۂ کلام

مختلف الخیال حضرات کی آراء کے مطالعہ کے بعد کنزالایمان کی جو خصوصیات مجموعی طور پر سامنے آتی ہیں، حسبِ ذیل ہیں :۔

۱۔ عظمتِ خداوندی و شانِ مصطفوی کا نگہبان ہے ۲۔ حضرات انبیاء کے ادب و احترام کا محافظ اور عظمتِ صلحاء کا پاسبان ہے ۳۔ سلف صالحین کا سچا ترجمان ہے ۴۔ اولیائے عظام کے مسلکِ اسلم کا عکاس ہے ۵۔ قرآن کے اصل منشاء و مراد کو بیان کرتا ہے ۶۔ آیاتِ ربانی کے اندازِ خطاب کی پہچان کراتا ہے۔ ۷۔ عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے ۸۔ آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے الفاظ کے موزوں ترین معانی کا انتخاب ہے ۹۔ یہ ترجمہ لفظی بھی ہے اور بامحاورہ بھی، گویا لفظ و محاورہ کا حسین امتزاج ہے ۱۰۔ روحِ قرآن اور عربیّت کے قریب تر ہے ۱۱۔ اس کا بے ساختہ پن سلاست و روانی اردو ادب کی جان ہے ۱۲۔ تفاسیرِ معتبرہ کے مطابق ہے بلکہ اُن کا نچوڑ ہے۔ ۱۳۔ بے شمار خوبیوں سے مالامال واحد مہذّب ترجمۂ قرآن ہے۔ ۱۴۔ اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف کا سرتاج ہے ۱۵۔ سب سے بڑھ کر ایمان کی سلامتی کا پاسدار ہے

کنزالایمان پر تفاسیر

نمبر شمار	نام مفسر	نام تفسیر	کیفیت
۱	مولانا نعیم الدین مُراد آبادی	خزائن العرفان (حواشی)	۳۰ پارے
۲	مفتی احمد یار خاں بدایونی	نور العرفان فی حاشیۃ القرآن	۳۰ پارے
۳	مفتی احمد یار خاں بدایونی	اشرف التفاسیر (المعروف بہ تفسیر نعیمی)	
۴	مفتی اعجاز ولی خاں	تنویر القرآن علیٰ کنزالایمان	۱۳ پارے
۵	مولانا محمد حشمت علی خاں بریلوی	جواہر الایقان فی توضیح کنزالایمان	۳ پارے
۶	محمد عبدالمصطفےٰ ازہری ابن	تفسیر ازہری موسوم بہ اسم تاریخی	۵ پارے
۷	مولانا محمد امجد علی	احسن البیان لتفسیر القرآن	
۸	مولانا غلام معین الدین	نعیم البیان	پارہ اوّل
۹	علامہ پیر مفتی محمد ریاض الدین قادری	تفسیر ریاض القرآن	۶½ ساڑھے چھ پارے

---

[1] ماہنامہ معارف، ندوہ، ضلع اعظم گڑھ، بھارت، شمارہ فروری ۱۹۶۲ء

اسلام نے علم پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن وحدیث میں علم کی فضیلت اِس کے حصول اور اِس کی اشاعت کے بارے میں بکثرت نصوص ملتی ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے ہر ہر علم وفن میں اپنے کمالات کے جوہر دکھائے۔ دنیائے اسلام میں ایسے ایسے عظیم علماء وفقہا پیدا ہوئے کہ جو کہ کئی کئی علوم فنون کے ماہر اور امام مانے جاتے تھے۔ ملت اسلامیہ کی یہ وہ ہستیاں تھیں جن پر دُنیائے علم وفن بھی ہمیشہ نازاں رہے گی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ملت اسلامیہ کی ایسی ہی جلیل القدر، ہمہ صفت اور ہمہ جہت پہلو ہستیوں میں سے ایک عظیم ہستی ہیں۔ آپ علمی وعملی لحاظ سے اسلاف واکابرین امت مسلمہ کی ایک حسین وجمیل اور قابل فخر یادگار ہیں۔ آپ کی ذات کو جس پہلو اور جس زاویہ سے دیکھا جائے آپ علم وعمل کی عظیم تر بلندیوں پر فائز نظر آتے ہیں۔ آپ عظیم مفسر، بے مثال محدث، یکتائے روزگار فقیہہ، عدیم المثال ریاضی دان، ماہر نجوم ہیئت وعلم توقیت، نابغہ عصر عالم، جلیل القدر مصلح عظیم الشان ماہر علم الکلام وفلسفہ، باکمال شاعر، بے نظیر انشا پرداز، صوفی باعمل، غرضیکہ بے شمار خوبیوں کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کئی علوم وفنون کے موجد ومنتہا اور بہت سے علوم وفنون کے ماہر تھے۔ آپ کے تبحر علمی کی نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ تمام بلاد اسلامیہ میں دھوم مچی۔ اگر آپ کو جامع العلوم کہا جائے

تو بے جا نہ ہوگا۔

ہمارا عمل تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہم اپنے اسلاف کے علمی و تحقیقی اور فکری کام کو آگے بڑھاتے۔ ان کے علمی و تحقیقی کاموں سے علمی دُنیا کو روشناس کراتے لیکن افسوس ہم ایسی قوم ہیں جو کہ اپنے عظیم محسنوں اور عظیم بالشان کارناموں کو فراموش کرتے کی عادی ہیں یا صرف زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال!

گفتار کا تو یہ غازی بنا کردار کا غازی بن نہ سکا (۱)

ایک طرف تو ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اس بات سے لاعلم ہیں کہ علمی و نظریاتی لحاظ سے ہمارے اسلاف نے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ دوسری طرف اقوام مغرب ہیں۔ جو کہ اپنے اکابرین کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہیں اور یہ ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہیں کہ تمام علوم و فنون اور تحقیق کی ابتدا و ارتقاء کے حاملین انھیں کے اسلاف اکابرین ہیں۔

افسوس اس بات پر ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے افراد بھی آج مغربی اقوام کے پروپیگنڈہ کا شکار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ واقعی علم و فنون کے سوتے مغرب سے ہی پھوٹے ہیں۔ ہم یہ بھول گئے ہیں کہ ہمارے ہاں تو اس وقت بھی علم و فن کے سوتے پھوٹتے تھے جب کہ مغرب اس سے نابلد تھا۔ ہمارے بلاد و امصار پر تو اس وقت بھی علوم و فنون کی روشنیاں رقصاں تھیں جب کہ مغرب پر تاریکی کا دَور دورہ تھا۔ لیکن افسوس ہم نے اپنے اسلاف اور ان کے بلند پایہ علمی و تحقیقی کارناموں کی کچھ قدر نہ کی اور انھیں فراموش کر دیا۔

کچھ یہی حال ہم نے برصغیر پاک و ہند کی اس عظیم شخصیت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ساتھ بھی کیا۔ ہمارا فرض تو یہ تھا کہ ہم ان کی علمی و فکری کاوشوں سے امت مسلمہ کی حالت سنوارنے کے لئے انقلاب برپا کرتے، ان کے علمی و تحقیقی کارناموں سے آنے والی نسل میں تحریک پیدا کرتے اور انھیں اپنے اسلاف پر فخر کرنا سکھاتے

خدا کا شکر ہے کہ اس منصب جلیلہ کو سرانجام دینے کے لئے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا معرض وجود میں آچکا ہے اور میں اس ادارے کو خراجِ تبریک و تحسین پیش کرتا ہوں۔ یہ ادارہ مولانا احمد رضا خان کی فکر کو نئی نسل میں منتقل کر رہا ہے۔ ان کے علمی و تحقیقی کارناموں کو نہ صرف پھیلا رہا ہے

۱۔ اقبال، بانگ درا ص ۲۹۱

بلکہ انھیں علمی دنیا میں متعارف بھی کروا رہا ہے ۔ از روئے وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی علمی و تحقیقی کاوشوں کی نشر و اشاعت کی جائے ۔

چنانچہ اس ضمن میں بانی جماعت اسلامی مولانا مودودی اپنے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۵ء کے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں

" مولانا مرحوم کے معتقدین و متوسلین کے لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ ..... ان کے مثبت فقیہانہ افکار کی اشاعت کریں بحالت موجودہ اس چیز کی اشد ضرورت ہے " [۱]

پروفیسر سید کرم حیدری (ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد) اپنے مقالے میں رقمطراز ہیں !

" اس دور میں امام احمد رضا کے مسلک پر چلنے کی سخت ضرورت ہے ۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہماری بازیافت اور مستقبل میں قومی و ملی پیش رفت کے لئے انتہائی ضروری ہے " [۲]

اس اہمیت کے پیش نظر میں نے اپنے موضوع کا انتخاب مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ کے " فتاویٰ رضویہ ایک فقہی شاہکار " کیا ہے ۔

فاضل بریلوی کے فقہی کام کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسائیکلوپیڈیا طرز کی ان عظیم الشان کتب کی ترتیب و تسوید شخصِ واحد کے قلم سے ہوئی ۔ ان کتب میں ہزارہا کتب کے حوالے جات موجود ہیں ان پر تعریفی و تنقیدی تبصرے اور آخر میں جچی تلی رائے ایسا زبردست علمی کارنامہ ہے جو اس دور میں اداروں سے بھی متوقع نہیں ہے ۔

امام احمد رضا خان بریلوی ایک بڑے مفتی اور ان کے فتاویٰ ایک عالمگیر شاہکار ہیں ۔ فتاویٰ کے ضمن میں اعلیٰ حضرت بریلوی کا مؤقف یہ ہے کہ مفتی قرآن و حدیث و فقہ کا علم رکھتا ہو ۔ اقوال صحابہ و سلف کا واقف ہو کہ جاہل کا مفتی بننا حرام ہے ۔ [۳] مفتی کا اپنے زمانے اور اس کے عرف و عادات کا جاننا ضروری ہے کہ وہ آدمی " من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل " [۴]

۱۔ قاضی عبدالنبی کوکب ' مقالات یوم رضا بحوالہ مرید احمد چشتی خیابان رضا ص ۱۶ ۔

۲۔ خواجہ انجم نظامی ' امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں ص ۶۶

۳۔ مولانا بریلوی ' فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۳۱

۴۔ " " " ج ۱۰ ص ۱۹۲

مفتی مطلق قول امام پر فتویٰ دے البتہ چھ باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے۔
لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں ہیں۔ ضرورت، دفع، حرج، عرف، تعامل دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود کا ازالہ ان سب میں بھی حقیقتاً قول امام پر عمل ہے (۱)

جب کسی مسئلہ میں امام کا قول نہ ملے تو امام ابو یوسف کا قول معتبر جانا جائے گا۔ ان کے بعد امام محمد پھر امام زفر پھر امام حسن بن زیاد وغیرھم مثل امام عبداللہ بن مبارک، امام اسد بن عمر، امام زاہد لیث بن سعد اکابر امام کے اقوال پر اعتماد کیا جائے گا۔ (۲)

مفتی کے لئے یہی کافی نہیں کہ وہ مختلف اقوال کو نقل کرے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مختلف اقوال میں تمیز کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے۔ تاکہ قول فیصل صادر کر سکے (۳)

مفتی کو اپنے زمانہ اور لوگوں کے احوال سے مطلع ہو کر فتویٰ دینا چاہیئے کہ "اختلاف زمانہ سے احوال بدلتے ہیں" (۴) اور جو اپنے زمانہ کو نہ پہچان کر اور لوگوں کے احوال کی رعایت نہ کرے وہ جاہل ہے۔ کیونکہ بعض احکام میں عرف و مصالح کے سبب تغیر و تبدل ہوتا ہے (۵)

اعلیٰ حضرت بریلوی نے کچھ مثالیں بھی دی ہیں۔ مثلاً تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا مسئلہ اور زمین بٹائی پر اٹھانے کا مسئلہ۔

فاضل بریلوی کے نزدیک مفتی کو مالی منفعت کے بغیر فتویٰ دینا چاہیئے اور وہ خود بھی اس پر عامل تھے۔ چنانچہ جب بہاولپور کے جسٹس محمد دین نے آپ سے ایک مسئلہ وصیت و وراثت کے بارے میں فتویٰ مانگا تو کچھ رقم بھی منی آرڈر کر دی۔ جسے آپ نے واپس فرما دیا اور فرمایا کہ۔

"الحمد للہ یہاں فتویٰ پر فیس نہیں لی جاتی" (۶)

۱۔ امام احمد رضا، اجلی الاعلام ص ۹
۲۔ " " " " ص ۲۴
۳۔ مولانا بریلوی، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۴۸
۴۔ " " " " ج ۶ ص ۸۵
۵۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان ملفوظات اعلیٰ حضرت مکمل ص ۲۰
۶۔ فتاویٰ رضویہ ۱۱/۲۳۱ (۷)

مفتی کو صرف نیت پر اور قول ضعیف پر فتویٰ نہیں دینا چاہیئے کہ فقط نیت سے حکم نہیں ہوتا" [۱]
اور قول ضعیف پر فتویٰ دینا جہل و مخالف اجماع ہے۔ مفتی کو چاہیئے کہ مسئلہ میں طے شدہ امور کو بالکل نہ
چھیڑے مفتی کو کوئی حق نہیں کہ وہ نادر پر فتویٰ دے۔ نادر پر حکم نہیں ہوتا اور احکام فقہ غالب پر ہی
مرتب ہوتے ہیں۔ [۲] آپ کے نزدیک افتاء کی تعریف یہ ہے۔

"انما الافتاء ان تعمد علی شئ و تبین لسائلك ان هذا حکم الشرع
فی ما سألت وهذا حکم الشرع فی ما سألت وهذا لا یحل
لاحد من دون ان یعرفه عن دلیل شرعی والا کان جزاء وافتراء
علی الشرع ودخولا تحت قوله عز وجل ام تقولون علی الله
ما لا تعلمون وقوله تعالی قل آلله اذن لکم ام علی الله
تفترون [۳]

آپ کے نزدیک فتویٰ کی دو قسمیں ہیں!

(۱) الفتوی حقیقه (۲) الفتوی عرفیه

الفتوی حقیقه:

هو الافتاء عن معونته الدلیل التفصیلی وأولئك الذین
یقال لهم اصحاب الفتوی ویقال بهذا افتی الفقیه ابو جعفر
والفقیه ابو اللیث واضرابهما رحمهم الله تعالی

الفتوی عرفیه

اخبار العالم باقوال الامام جاهلا عنها تقلیدا له من دون تلك المعرفه
کما یقال فتاوی ابن نجیم والغزی والطوری والفتاوی الخیریه وهلم
تنزلا الی زماننا ورتبه الی الرضویه جعلها الله تعالی مرضیه مرضیه امین [۴]

۱۔ فتاوی رضویہ : ۱۱/ ۲۸۶

۲ " " " : ۱۰/ ۴۴

۳ الامام احمد رضا بریلوی، اجلی الاعلام (منتظمہ الدعوہ الاسلامیہ) ص ۶

۴۔ الامام احمد رضا بریلوی، اجلی الاعلام (منتظمہ الدعوہ الاسلامیہ) ص ۶

فاضل بریلوی کی فقہ پر بہت زیادہ کتب ہیں ۔ کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں ان کے تعارف کے لئے کافی ورق درکار ہیں جس کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا ۔ چونکہ فقہ میں فتاویٰ رضویہ ہمارا موضوع سخن ہے لہٰذا ہم اس کے تعارف پر اکتفا کرتے ہیں ۔ فتاویٰ رضویہ آپ کی فقہی خدمات کا بہترین شاہد و ثبوت اور آپ کے فقہ میں تبحر علمی کا بہترین شاہکار ہے جس کا پورا نام ۔

"العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" ہے فتاویٰ رضویہ بڑے سائز کی بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ۔ یہ آپ کی ذہانت و فطانت نقطہ سنجی، تبحر علمی اور فقیہانہ بالغ نظری کا آئینہ دار ہے ۔ بقول شمس بریلوی !

ایسا جامع، مبسوط کوئی دوسرا مجموعہ فتاویٰ حنفیہ چودھویں صدی میں مرتب نہیں ہوا ..... برصغیر پاک و ہند میں فتاویٰ رضویہ فقہ حنفیہ پر مشتمل آخری گراں قدر فتاویٰ ہے" [1]

اپنے فتاویٰ میں سب سے زیادہ اولیت قرآن مجید کو دیتے ہیں ۔ حجیت قرآن مسلمہ ہے اور ضروریات دین میں قرآن مجید کو مرکز کا درجہ حاصل ہے ۔ اس کے تمام احکام شک و شبہ سے بالاتر ہیں اور ان پر بلا چوں و چرا عمل کرنا فرض ہے ۔ اور اس میں شک کرنا کفر ہے ۔ جیسا کہ مولانا فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں !

"قرآن مجید میں شک کرنا کفر ہے" [2]

اور اس کی کسی بھی آیت کا انکار کرنا بدرجہ اولی کفر ہے اس لئے تو فاضل بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے کہ صرف آیت قرآنی کو ہی نہ ماننا یعنی انکار کرنا کفر ہے اور اس شخص کے پیچھے پڑھی جانے والی نمازیں واجب الاعادہ ہیں ۔ [3]

مولانا بریلوی نے فقہی مسائل کے حل میں نہ صرف قرآن مجید کی اولیت کو مانا بلکہ اس پر عمل بھی فرمایا آپ کا کوئی مسئلہ بھی دیکھا جائے یا کوئی فقہی کتاب دیکھی جائے آپ نے اولاً قرآن مجید ہی سے بکثرت استدلال فرمایا ۔ مثلاً تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں باب اول یا ھیکل اول میں دس آیات

---

[1] شمس بریلوی، مقدمہ فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۲-۲۱

[2] مولانا احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۵۴

[3] " " " " " " ج ۶ ص ۵۰، ۴۹

مرکزی نقطہ سے اور بہت سی آیات ضمناً بیان ہیں اور اس کے بعد احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔ رسالہ الامن والعلی میں پہلا باب آیات قرآنی پر مشتمل ہے اور چھ آیات قرآنی بطور نص پیش کی گئی ہیں ۔[۱]

جہاں آپ نے اپنے فتاویٰ میں قرآن، حدیث و اجماع سے استدلال کیا۔ وہاں قیاس کے ذریعے بھی مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے متعدد ایسے ضوابط وضع کئے، جو کتب فقہ میں نہیں ملتے اگرچہ ان کا وجود ناگزیر ہے۔ اجتہاد کی بہت سی مثالیں آپ کی تصانیف سے ملتی ہیں مثلاً کتب اصول میں احکام شرعیہ کی عموماً سات اقسام ذکر کی گئی ہیں۔ یعنی فرض، واجب، مستحب، حرام، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی، لیکن مولانا نے احکام کی گیارہ اقسام بیان کی ہیں۔ یعنی فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، مباح، مکروہ تحریمی، اسات، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ۔[۲]

اسی طرح تیمم کے بارے میں فاضل بریلوی نے ۳۱۱ امور بیان فرمائے جن میں سے ایک سو اکاسی ۱۸۱ سے تیمم جائز ہے۔ ان ایک سو اکاسی ۱۸۱ امور میں سے چوہتر ۷۴ کو فقہائے متقدمین نے بیان فرمایا اور بقیہ ایک سو سات ۱۰۷ سے تیمم کے عدم جواز کو بیان فرمایا جس میں اٹھاون ۵۸ کا فقہائے متقدمین نے ذکر کیا ہے۔ اور بہتر ۷۲ اشیاء کا عدم جواز مولانا بریلوی نے اپنے اجتہاد سے بیان فرمائے ہیں۔ [۳]

لوبان یا اگربتی کا دھواں بے ارادہ ناک یا حلق کے ذریعہ جوف میں داخل ہو جائے تو اس سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ مولانا بریلوی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بشرطیکہ دھواں خود بخود بلا قصد دماغ یا حلق میں چلا جائے ۔

دھویں کا اطلاق اگربتی اور لوبان کے دھویں کو بھی شامل ہے۔ اور دھویں کا یہ حکم اگلے فقہا سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن فاضل بریلوی نے مزید تائید کے لئے اس مسئلہ کو غبار اور مکھی کے حلق میں داخل ہونے پر قیاس کیا۔ (۴)

---

۱ دیکھئے مولانا بریلوی، تجلی الیقین ص ۱۳ تا ۴۱، مولانا بریلوی، الامن والعلی طبع ۱۳۹۶ھ شبیر برادرز، لاہور ص ۱۹، ۲۰

۲ مولانا بریلوی، فتاویٰ رضویہ، باب الغسل ج ۱ ص ۹-۱۸۸

۳ مولانا بریلوی، فتاویٰ رضویہ، باب التیمم ج ۱ ص ۶۲۸ تا ۷۸۱

۴ 〃 〃 〃 〃 〃 ج ۴ ص ۵۸۸

کاغذ سے استنجا مکروہ ہے۔ اسی حکم کے استنباط میں فاضل بریلوی نے کاغذ کو درخت کے پتوں پر قیاس کیا کہ درخت کے نرم و چکنا ہونے کی بناء پر نجاست زائل ہونے کے بجائے پھیلتی ہے۔ اور یہی حال کاغذ کا ہے دوسرا قیاس قیمتی اشیاء پر فرمایا جو قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ اور کاغذ کتابت علم کا سب سے قریبی طریقہ ہے لہٰذا یہ بھی قابلِ احترام ہوا۔ جس کی وجہ سے استنجا ممنوع ہے۔[1]

فتاویٰ رضویہ سے اگر سوالات حذف کر دیئے جائیں تو اس کی ہر جلد ایک فقہی موسوعہ (کتاب) پر گراں قدر تصنیف ہو گی۔ جس میں آپ کو اس فقہی موضوع سے متعلق تمام جزئی مسائل بھی پوری صراحت و دلالت سے ملیں گے۔ اس سلسلے میں خامۂ رضا نے ایسی موشگافیاں کی ہیں اور فکر رضا ان بلندیوں تک پہنچی ہے اور ایسے حقائق کو واشگاف کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور زیر بحث مسئلہ میں ایسے نکات سے روشناس کرایا گیا ہے کہ ان تک کسی عظیم فقیہہ کی ہی نگاہ پہنچ ہو سکتی ہے۔

آپ نے جزئی مسائل کو اپنی قوت تخریج اور اپنی طبع وقار سے ان دلائل و براہین کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جو ہمارے فقہائے متقدمین اپنی بلند پایہ تصانیف میں بیان کر چکے ہیں۔ دلائل و براہین اور مخالف دلائل کی تردید اور ان دلائل پر اعتراضات اور تردیدی قول کو مرجح بنانے کے لئے دلائل سنیہ اور براہین قاطعہ کی تخریج کوئی آسان کام نہیں اس کے لئے رفعت نظر کے ساتھ وسعت معلومات بصیرت تامہ اور متون مختلفہ کا استحضار ضروری عناصر ہیں۔ ان کے بغیر ان جزئی مسائل یا کلیات پر بحث و تمحیص اور مسئلہ کی تنقیح و تصحیح نہیں ہو سکتی۔ مولانا بریلوی کے سامنے یہ چیزیں ہاتھ باندھے کھڑی نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنے قول کی تائید یا کسی قول کی تردید کے لئے کتب فقہ میں ایسے مقامات کے تلاش و جستجو کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بلکہ آپ نہایت آسانی اور برق رفتاری سے ان حوالوں کو رقم کرتے چلے جاتے تھے۔ جو مسائل زیر بحث کی تائید کے لئے ضروری ہوتے تھے۔ آپ کی ذکاوت و فہم اور سرعت تحریر کی نسبت عبدالحئی ندوی نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں رقمطراز ہیں۔

"آپ نے حرمین شریفین کے زمانہ قیام کے دوران بعض علمی مسائل کے جوابات تحریر کئے جو علماء حرمین کے سامنے پیش کئے گئے تھے اور ان حضرات نے آپ کے تبحر علمی اور فقہ حنفیہ کے متون سے آگاہی پر تعجب فرمایا اور مسائل

---

[1] مولانا بریلوی، فتاویٰ افریقہ ص ۲۵

خلافیہ سے آپ کی آگاہی پر اور آپ کی سرعت تحریر اور ذکاوت پر وہ حضرات حیران رہ گئے"۔ [1]

مولانا بریلوی نے تیرہ سال دس مہینہ اور چار دن کی عمر میں ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء اپنے والد مولوی محمد نقی علی خان کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ سات برس بعد ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں فتویٰ نویسی کی مستقل اجازت مل گئی پھر جب ۱۸۸۰ء میں والد ماجد کا انتقال ہوا تو مستقل طور پر فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دینے لگے۔ [2]

مولانا بریلوی کے دار الافتاء (بریلی) میں ہندوستان، پاکستان، برما، چین، امریکہ، افغانستان، افریقہ، حجاز مقدس اور بلاد اسلامیہ سے بالکثرت فتاویٰ آتے تھے۔ جن کی تعداد ایک وقت میں کبھی چار سو اور کبھی پانچ سو جا پہنچتی تھی۔ مولانا بریلوی اور ان کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خان نے خود اس کا ذکر کیا ہے۔ [3]

مولانا بریلوی کے فتوے عربی، اردو، فارسی اور انگریزی میں ہیں۔ اور ہر زبان میں ایسی پیاری تحریر گویا کہ ان کی مادری زبان ہے۔ بعض فتاویٰ انگریزی زبان میں بھی ترجمہ کئے گئے ہیں کیونکہ مستفتی جس زبان میں سوال کرتا تھا۔ اس کو اسی زبان میں جواب بھیجا جاتا تھا۔ انگریزی زبان میں ایک استفتاء ۱۹۰۸ء کو محمد قادر غنی نے رنگون سے بھیجا تھا۔ جس کا جواب ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء کو ارسال کیا گیا۔ اس کا عکس معارف رضا کراچی ۱۹۸۲ء میں شامل ہے۔

مولانا بریلوی نے خود اپنی تصانیف میں یا ان کے سوانح نگاروں نے انگریزی زبان میں واقفیت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔

اس لئے اندازہ یہی ہے کہ انگریزی فتاویٰ کسی صاحب نے ترجمہ کئے ہوں گے مگر فتوے کا ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں اور وہ بھی محققانہ اور فقیہانہ و عالمانہ فتویٰ۔ جس کسی نے بھی ترجمہ کیا ہوگا وہ بھی علم فقہ کا متبحر عالم ہوگا۔ اس کے بغیر صحیح ترجمہ ممکن نہیں۔

---

[1] ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر ۳۹/۸

[2] محمد مصطفےٰ رضا خان، الملفوظ حصہ اول مطبوعہ کراچی ص ۱۳-۱۴

[3] احمد رضا خان، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، ج ۴ مطبوعہ فیصل آباد ص ۱۴۹

جناب امام احمد رضا خان کے فتاویٰ رضویہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں اس بات کا خصوصی لحاظ رکھا گیا کہ جس زبان میں استفتاء آئے اسی زبان میں جواب لکھا جائے ۔ اگر استفتاء منثور ہے تو جواب بھی منثور ہے اور منظوم ہے تو جواب بھی منظوم ہے ۔

مولانا بریلوی کے فتاویٰ بلاد اسلامیہ اور پاکستان و ہندوستان میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ۔ حافظ سید اسماعیل خلیل کو جب مولانا بریلوی نے اپنے عربی فتوے ارسال کئے تو انھوں نے جواب دیا ۔

واللہ اقول والحق اقول رآھا ابوحنیفہ النعمان لاقرت عینہ وجعل مولفہا من جملہ الاصحاب [1]

ترجمہ : اور میں قسم کھاکر کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ اگر ان فتووں کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دیکھ لیتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور وہ ان کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے [2]

فتاویٰ رضویہ میں تقلید کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر آپ کی گراں قدر رائے کے اجتہادی پہلو بھی ہمارے سامنے آتے ہیں ۔ جو آپ کے کمال تفقہ کی دلیل ہے ۔ آپ اکثر علماء سلف سے اختلاف رائے فرماتے ہیں ۔ لیکن یہ اختلاف برائے اختلاف نہیں ہے ۔ بلکہ ایسے مواقع پر آپ کی رائے وزنی ہوتی ہے ۔ اور آپ کی دُور رس نگاہ اپنے اس اختلافی قول کی تائید میں متقدمین فقہا کے یہاں سے اشباہ و نظائر تلاش کر لیتی ہے ۔ اس طرح بظاہر نظر آنے والا اجتہاد آپ کے کمال علمی اور متون فقہی پر آپ کے تبحر کی دلیل بن جاتا ہے ۔ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کتاب الطہارت میں باب الماء اس کی بہترین مثال ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو وہ کامل بصیرت عطا فرمائی تھی جس کی ایک فقیہہ کامل کو ضرورت ہوتی ہے ۔ یعنی تحقیقِ فکر، جودتِ طبع اور ذہانت اس کے ساتھ ساتھ علم منقولات یعنی علم القرآن، تفسیر، حدیث و اصول حدیث وغیرہ پر مہارت تامہ اور معقولات یعنی فلسفہ کلام منطق سائنس ریاضی وغیرہ پر کامل دسترس یہی وجہ ہے کہ آپ نے جمیع علوم کے ذریعے فقہ کی خدمت کی ہے

---

[1] رسائل رضویہ ۔ ج ۲ ص ۲۵۸

[2] محمد یسین اختر، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الہ آباد ۱۳۹۷ ص ۱۹۲ - ۱۹۳

اور ان کے نظائر آپ کی تصانیف فتاوی رضویہ میں نظر آتے ہیں۔ مثلاً فتاوی رضویہ جلد اول میں مباحث سائنس یہ ہیں کہ پانی میں کچھ رنگ ہے یا نہیں؟ پانی کا رنگ سیاہ ہے یا سفید؟ جھاگ سفید کیوں ہوتے ہیں؟ سونے اور چاندی کے پگھلنے کا سبب کیا ہے؟ پتھر کس طرح بنتا ہے؟ جو چیز جتنے فاصلے پر ہے آئینہ میں اتنی دور کیوں نظر آتی ہے۔ شعاعیں جتنے زاویے پر جاتی ہیں۔ اتنے ہی پر پلٹتی ہیں، پارہ آگ پر کیوں نہیں ٹھہرتا؟ قطر اور محیط کی نسبت وغیرہ وغیرہ

فتاوی رضویہ کو اگر جدید انداز میں پیرہ بندی عربی و فارسی عبارات کا اردو ترجمہ اور حواشی میں حوالوں کی تخریج کر کے شائع کیا جائے تو کم از کم تیس جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

آپ کے فتاوی سے آپ کا تبحر علمی اور فقہی خدمات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک بہت بڑے مجتہد تھے۔ جدید دور کے مسائل کو اپنی اجتہادانہ بصیرت سے حل فرماتے تھے۔ مثلاً منی آرڈر کا مسئلہ بھی اس دور کے جدید مسائل میں سے ایک تھا۔ میرٹھ سے مولوی عبدالسمیع صاحب نے امام احمد رضا خان صاحب سے منی آرڈر کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں فتوی چاہا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک مفصل فتوی دیا جو آپ کے فتاوی رضویہ کی گیارہویں جلد کی المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر کی شکل میں زینت ہے۔ جس میں آپ نے بتایا کہ منی آرڈر کرنا جائز ہے اور جو رقم منی آرڈر کے لئے ڈاک خانہ کو دی جاتی ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ وہ ربا ہے یا اجرت آپ نے اس کو یعنی منی آرڈر فیس کو اجرت قرار دیا ہے۔ جیسے کہ لفافے اور پارسل وغیرہ پر اجرت دی جاتی ہے آپ فرماتے ہیں!

وہ فتوی مطبوعہ فقیر' غفر اللہ تعالی کی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں! یہ ربا ہے۔ دو آنے دس کے عوض دس ملتے ہیں۔ مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ وہ کاہے کے دیئے جاتے ہیں۔ شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاک خانہ ایک اجیر مشترک کی دوکان ہے جو بغرض تحصیل اجرت کھولی گئی ہے۔ تو یہ دو قطعاً وہاں جانے روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے کی اجرت ہے جیسے لفافے پر یا پارسل وغیرہ پر اسکے تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کرسکتا

فتاوی رضویہ کی ہر جلد فقہی موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے۔ جس میں اس فقہی موضوع سے متعلق تمام جزئی مسائل بھی پوری صراحت اور دلالت کے ساتھ ملیں گے اور اس سلسلہ میں ایسی موشگافیاں کی گئی ہیں کہ ان تک ایک فقیہہ بالغ نظر کی نگاہ ہی پہنچ سکتی ہے۔ تقلید سے

ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر آپ کی گراں قدر رائے کے اجتہادی پہلو بھی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے فقہائے سلف سے اختلاف بھی کیا مثلاً ابن نجیم، ابن ہمام، علامہ طحطاوی اور اپنے معاصر فقہا سے ان فقہی مسائل میں اختلاف کیا جس میں ان حضرات سے لغزشیں ہوئیں اور پھر اعتراض کر کے ہی مسائل کو نہ چھوڑ دیا بلکہ ان کی صحیح نوعیت بدلائل واضح کی۔ ان کا اختلاف علمی اختلاف تھا۔ اختلاف برائے اختلاف نہ تھا۔ اور اس طرح آپ نے اس بات کو واضح کیا کہ اگر کسی عالم کے پاس قوی دلائل ہوں تو وہ اپنے پیش رو یا ہمعصر سے اختلاف کا حق رکھتا ہے۔ خواہ ان کا پیش رو ہمعصر کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ مولانا کے یہ فقہی جوہر اس وقت کھل کر سامنے آتے ہیں، جب وہ متقدمین فقہا و اصولیین پر بھی کھل کر تنقید کرتے ہیں اور ان کی اغلاط کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور دلائل سے ان کا رد کرتے ہیں۔ مولانا بریلوی حالانکہ صاحب فتح القدیر کو جگہ جگہ محقق علی الاطلاق لکھتے ہیں مگر جب یہی محقق علی الاطلاق وضو سے قبل بسم اللہ اور ذکر الٰہی کو واجب عملی قرار دیتے ہیں [1] تو مولانا بریلوی فرماتے ہیں!

اقول لم یات المستدل بشیٔ حتی سمع ما سمع [2]

یعنی مستدل (ابن ہمام) نے کوئی معقول دلیل پیش نہیں کی یہاں تک کہ جو سنا گیا وہ سننا پڑا۔

الغرض فتاویٰ رضویہ ایک ایسا شاہکار ہے جس کی فقہی اور دینی اہمیت تو مسلم ہے ہی یا تاریخی سیاسی علمی لسانی ادبی عمرانیاتی اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے بھی ایک عظیم شاہکار ہے اور میرے نزدیک اس کا مقام فتاویٰ عالمگیری سے بھی بڑھ کر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کو مدون کرنے والی فقہا کی ایک جماعت تھی اور بیس سے زائد علماء کی اس جماعت نے کئی سال کی مسلسل کوششوں سے اسے مدون کیا اس کے مدمقابل فتاویٰ رضویہ صرف اور صرف فرد واحد امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ کی فکر ساطع کا نتیجہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ تیرھویں صدی کے عشرہ آخر اور چودھویں صدی کے ربع اوّل میں لکھے جانے والے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جو اعلیٰ حضرت کی ذہانت، تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک شاہکار ہے اسّی ۸۰ سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اس جیسا جامع، مبسوط اور مدلل دوسرا فتاویٰ حنفیہ اس صدی میں مرتب نہیں ہوا۔ اگر اسے اس صدی کا ایک عظیم فقہی شاہکار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

---

[1] امام ابن ہمام، فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱
[2] مولانا بریلوی، فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۲۵

امام احمد رضا

علماء مشائخ کے مرجع فتاویٰ
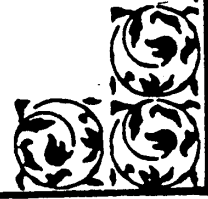
مفتی محمود اختر قادری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے شباب کی سرحدوں میں داخل ہونے سے قبل ہی فقہی معلومات کا وافر خزانہ جمع کرلیا تھا۔ نئے مسائل کے استنباط و استخراج کی بھرپور صلاحیتوں کے حامل ہوچکے تھے اس لئے آپ عہد طفلی ہی میں مشکل سے مشکل مسائل کے حکم معلوم کرلیتے اور فتویٰ نویسی پر ملکہ رکھتے تھے۔ تمرین کے طور پر آپ نے جو مسائل لکھے تھے اس سے بھی اس کی بھرپور تائید ہوتی ہے البتہ قبل بلوغ افتاء نویسی سے محض اس لئے گریز رکھتے تھے کہ نابالغ کو حکم نافذ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔" اور جب آپ نے ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو سنِ شباب میں پہلا قدم رکھا تو آپ نے اسی وقت سب سے پہلا فتویٰ رضاعت کے متعلق تحریر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن گوشوں کی طرف ایک مفتی کی نظر طویل ممارست اور عظیم جدوجہد کے بعد پہنچتی ہے۔ اعلیٰ حضرت سنِ شعور سے پہلے ہی ان کی تیاری کرچکے تھے۔

اعلیٰ حضرت کی فتویٰ نویسی فقہ کے کسی مخصوص باب کے ساتھ خاص نہ تھی ایسا نہیں تھا کہ صرف طہارت وصلوٰۃ، صوم وزکوٰۃ، یا حج کے مسائل جزئیات تک آپ کی نظر محدود ہو بلکہ آپ یکساں انداز میں عبادات ومعاملات فلسفیات واقتصادیات، سیاسیات وتمدنیات اصولیات ولسانیات

ہر شعبۂ علم پر گہری نظر رکھتے تھے۔

اسی وجہ سے ہر موافق و مخالف کو آپکے تبحر علمی اور نکتہ رسی کا اعتراف کرنا پڑا انھیں سب وہبی خصوصیات کی بنا پر اس دور کے ماہرین فن علماء و مشائخ اور جلیل القدر شخصیتوں نے لاینحل اور مشکل مسائل میں آپ کی بارگاہِ عالیہ میں صرف رجوع ہی نہیں کیا بلکہ اس رجوع پر انہیں فخر بھی رہا ہے۔ مشکل سے مشکل ترین مسائل کو آنِ واحد میں حل کرنے کی جو صلاحیت قدرت نے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کو بخشی تھی وہ آپکے زمانہ میں کیا آپسے پہلے بھی صدیوں کسی میں نظر نہیں آتی چنانچہ اس دور میں جو امام فن تھے وہ بھی اپنے فن کی پیچیدگیوں کے حل کے لئے آپ ہی کی بارگاہ میں نظر آتے ہیں لہٰذا اس دور کے عظیم محدث حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ صحاح ستہ اور طحاوی شریف وغیرہ پر جن کے حواشی ہیں انھوں نے بھی بہت سے مشکل اور دقیق مسائل میں اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں رجوع کیا یہاں تک کہ فنِ حدیث کے امام ہونے کے باوجود عمامہ سے متعلق دو حدیثوں کے بارے میں استفتاء کیا کہ یہ محدثین کے نزدیک موضوع ہیں یا ضعیف، اس کے جواب میں آپنے فرمایا' عمامہ کی فضیلت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں بعض ان میں سے اس وقت پیش نظر ہیں مذکور ہوتی ہیں پھر آپنے حدیث کی معتبر و مستند کتابوں کے حوالے سے ایک دو نہیں بلکہ ۲۵ احادیث کریم ذکر فرمائیں اور حضرت محدث سورتی کی پیش کردہ حدیثوں کے زاویوں کی تحقیق انیق بھی فرمائی۔ تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ سوم از ص۷۶ تا ص۸۰ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

اسی طرح اُس وقت کے علم ریاضی کے ماہر علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے سامنے ریاضی کا ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ آگیا جسے کئی روز کی کوششوں کے باوجود وہ حل نہ کر سکے اور اس سلسلے میں جرمن وغیرہ کے سفر کا ارادہ کر لیا، مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی نے اس مسئلہ کے حل کے لئے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری کا مشورہ دیا ڈاکٹر صاحب نے کوئی توجہ نہیں دی اور کہا کہ میں اتنی اونچی اور اہم ڈگریاں رکھتے ہوئے جس مسئلہ کو حل نہ کر سکا اسے ایک مولوی کیا حل کر سکے گا مگر مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کے اصرار پر وہ بریلی حاضر ہوئے اعلیٰ حضرت نے عصر و مغرب کے درمیان مختصر سے وقت میں اس مسئلہ کا حل اس طرح پیش کر دیا کہ ڈاکٹر صاحب حیران رہ گئے اور بے اختیار کہہ اُٹھے۔

"میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شئے ہے آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلہ کے حل کے لئے جرمن جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً ہمارے دینیات کے پروفیسر سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہنمائی فرمادی اور میں یہاں حاضر ہوگیا یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آپ اس مسئلہ کو کتاب میں ہی دیکھ رہے تھے"۔

ایسا نہیں کہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں مشکل ترین مسائل کے حل کے لئے صرف ہندوستان ہی میں علماء و مشائخ کا ہجوم رہا ہو بلکہ جب حج و زیارت کے لئے آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے تو وہاں بھی مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور دیگر بلاد و امصار کے جلیل القدر علماء کرام و مفتیان عظام نے لاینحل اور پیچیدہ مسائل کے جوابات کے لئے آپ سے رجوع کیا چنانچہ مدینہ طیبہ کے ایک عالم حضرت شیخ اسماعیل بن خلیل علیہ الرحمہ آپ کی مقبولیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) مکہ مکرمہ میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر چہار جانب سے علماء و طالبین نے آپ کو گھیر لیا۔ کوئی سوال پیش کر کے استفادہ کرتا کوئی صحیح اور راجح مسئلہ پوچھتا جس میں اسے شک ہوتا۔ کوئی صرف اشارہ کا منتظر ہوتا (الدولۃ المکیہ) حرمین شریفین میں آپ کی بے پناہ مقبولیت کا تذکرہ مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی کرتے ہیں (ترجمہ) کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور علماء حجاز سے بعض مسائل فقہیہ و کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا، چند رسائل بھی لکھے اور علماء حرمین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے متون فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر، سرعت تحریر اور ذکاوت و ذہانت کو دیکھ کر سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ (نزہۃ الخواطر ثامن)

پہلے سفر حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں وہاں کے ایک شیخ کی فرمائش پر فقہ شافعی میں مناسک حج سے متعلق شیخ حسین بن صالح کے ایک وقیع رسالہ کی نہایت جامع و مانع شرح بنام النیرۃ الوضیہ فی شرح الجواہرۃ المضیۃ صرف دو دن کی مختصر مدت میں تحریر فرمائی

دوسرے سفر میں مکہ مکرمہ میں حضرت علامہ شیخ صالح بن صدیق کمال مفتی حنفیہ (مشیر خاص شریف مکہ) نے علم غیب سے متعلق پانچ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا جس کے جواب میں شدید علالت کے باوجود مختلف نشستوں میں تقریباً آٹھ گھنٹے کے اندر آپ نے (الدولۃ المکیۃ) نامی مشہور اور ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔

اس مقدس سرزمین پر وہاں کے دو جلیل القدر عالم حضرت علامہ شیخ عبداللہ مرداد مکی اور حضرت علامہ شیخ حامد احمد محمد جدادی نے نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء پیش کیا۔ جس کے جواب میں فاضل بریلوی نے کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم جیسی معرکۃ الآرا اور بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی۔ یہ کتاب علم و تحقیق کے میدان میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے اس کو دلائل و براھین سے اس طرح مدلل و براھین فرمایا ہے کہ اسے دیکھ کر علمائے کرام بھی عش عش کر اٹھے

جن علماء و مشائخ اور جلیل القدر شخصیتوں نے تحریری طور پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز سے استفتے کیے ہیں اس کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اگر اسے صرف جمع کر دیا جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہو جائے یہاں استفسار کرنے والے سیکڑوں علماء و مشائخ میں سے صرف چند کے اسماء گرامی بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ ملک و بیرون کی کتنی اہم شخصیتوں سے امام اہلسنت کو منبع علم اور مرجع فتویٰ تسلیم کرتے ہوئے دقیق اور مشکل مسائل میں ان سے رجوع کیا اور اپنے سوالوں کے محقق و مدلل اور تسلی بخش جوابات حاصل کیے

تاج العارفین حضرت علامہ سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہٗ	مارہرہ مطہرہ
خاتم المحدثین حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی علیہ الرحمہ	پیلی بھیت شریف
حضرت علامہ شیخ صالح بن صدیق کمال مفتی حنفیہ	مکہ معظمہ
حضرت علامہ شیخ حامد محمد احمد حدادی	" "
حضرت مولانا شیخ عبداللہ مرداد مکی	" "
تاج العلماء حضرت مولانا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں علیہ الرحمہ	مارہرہ شریف
حضرت مولانا سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن علیہ الرحمہ	مارہرہ مطہرہ
حضرت مولانا رضا علی صاحب فاروقی بنارسی صاحب مظاہر الحق	بنارس
حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر صاحب بدایونی	بدایوں
استاذ زمن حضرت مولانا شاہ احمد حسن کانپوری	کانپور
مولانا امداد حسین رامپوری برادر اکبر مولانا ارشاد حسین رامپوری علیہ الرحمہ	رامپور
حضرت مولانا ابو محمد سید دیدار علی شاہ علیہ الرحمہ	اکبر آباد

قطب بنارس حضرت مولانا شاہ عبدالمجید صاحب فریدی پانی پتی	بنارس
مولانا قاضی محمد عبدالوحید صاحب فردوسی تحفہ حنفیہ	پٹنہ
عبدالسلام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب جبلپوری والد گرامی حضرت برہان ملت علیہ الرحمہ	جبلپور
مولانا عبدالرسول محب احمد صاحب بدایونی	بدایوں
حضرت مولانا حکیم حافظ سید امیر اللہ شاہ بریلوی شاگرد حضرت نقی علیہ الرحمہ	بریلی شریف
سراج الاصفیاء حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رامپوری	رامپور
مولانا ریاست علی خاں صاحب شاہجہاں پوری	شاہجہاں پور
مولانا شاہ محمد عمر سراج الحق دہلوی	دہلی
صدر الشریعۃ حضرت علامہ محمد امجد علی علیہ الرحمہ مصنف بہار شریعت۔	گھوسی اعظم گڈھ
حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی	علیگڑھ
مولانا بشیر احمد علی گڑھی شاگرد مولانا لطف اللہ علی گڑھی۔	علی گڑھ
صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی صاحب خزائن العرفان	مراد آباد
مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم صاحب میرٹھی	بمبئی
ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب فاضل بہاری صاحب صحیح البہاری	بہار
محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھہ	کچھوچھہ شریف
حضرت سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب سرکار کلاں۔	مارہرہ مطہرہ
مولانا حافظ عبید اللہ صاحب کانپوری تلمذ رشید حضرت شاہ حسن کانپوری	کانپور
مولانا رحیم بخش صاحب آروی	آرہ
مولانا سید شاہ عبدالغفار صاحب قدوسی مدرسہ جامع العلوم	بنگلور
حضرت مولانا عمر الدین صاحب ہزاروی	پنجاب ہزارہ
مولانا مختار احمد صاحب قادری میرٹھی	مانڈلے ابر برما
مولانا رکن الدین صاحب نقشبندی مصنف رکنِ دین	الور۔ راجپوتانہ
شیر بیشۂ اہلسنت حشمت علی خاں صاحب	بریلی

نام	مقام
مولانا چودھری عبدالحمید خاں صاحب مصنف کنز الآخرہ	رئیس سہادر
مولانا علی احمد صاحب مصنف تہذیب الصبیان	
حضرت مولانا حکیم حبیب علی علوی کاکوروی سابق رکن ندوۃ العلماء لکھنؤ	اٹاوہ
مولانا عبدالرحیم صاحب مدارسی	بنگلور
مولانا عبدالجلیل صاحب نعمانی مہتمم امور مذہبی سلطان پور	حیدرآباد دکن
مولانا علیم عبدالرحیم صاحب گجراتی مدرسہ قادریہ	احمد آباد گجرات
مولانا حکیم صوفی احمد الدین صاحب لاہوری خطیب مسجد بیگم شاہی	لاہور
حضرت مولانا سید غلام غوث صاحب شطاری	حیدرآباد
مولانا امان اللہ صاحب مئوی شاگرد مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلی	مئو اعظم گڈھ
مولانا سلیم اللہ صاحب جنرل سکریٹری انجمن نعمانیہ	لاہور
مولانا محمود حسن صاحب سہسوانی شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی مدرسہ عربیہ	مراد آباد
مولانا عبدالعلی صاحب مدارسی اصح المطابع	لکھنؤ
مولانا سید عبدالرشید صاحب عظیم آبادی	عظیم آباد
مولانا امیر یار خاں صاحب امام جامع مسجد سہارنپور	سہارنپور
مولانا اطہر الدین بنگالی امام مسجد جامع دیوبند	سہارنپور
مولانا عبدالرشید صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ	دہلی
مولانا غلام محی الدین صاحب، راندیر	سورت
مفتی آگرہ مولانا نثار احمد صاحب خطیب شاہی مسجد	آگرہ
برہان ملت حضرت مولانا برہان الحق صاحب	جبلپور
مفتی عبدالعزیز صاحب چشتی خطیب جامع مسجد فرنگ	لاہور
مولانا ریاست حسین خانصاحب رامپوری	رامپور
مولانا عبدالقادر صاحب مدرس درگاہ شریف مجدد الف ثانی	سرہند شریف
مولانا مشتاق احمد کانپوری مدرس مدرسہ معینیہ	اجمیر شریف

مقرر شعلہ بیان مولانا محمد یار صاحب	بہاولپور
مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب مجددی	بنارس
مولانا قاضی غلام گیلانی صاحب مدرسہ سرمایہ فخر عالم	کاٹھیاواڑ دھوراجی
مولانا عبدالخالق صاحب اعظمی	
عبدالرزاق صاحب پانی پتی ایڈیٹر رسالہ ہمدرد اسلام	آگرہ
فاروق حسن صاحب ایڈیٹر اخبار دبدبۂ سکندری	رام پور
مولوی عابد حسین عباسوی	لکھنؤ
مولانا محمد عبدالرحمن حبشانی شافعی مدرسہ امداد العلوم	بنارس
جناب محمد دین صاحب جج چیف کورٹ	بہاولپور

ملک اور بیرون ملک سے استفادہ کرنے والے سیکڑوں جلیل القدر علماء و مشائخ اور وقت کی اہم ترین شخصیتوں میں سے صرف چند حضرات کے نام بطور نمونہ پیش کئے ہیں جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اپنے وقت کے مرجع عالم اسلام رہے ہیں اور آج بھی ان کے فتاوے زمانے سے خراجِ تحسین وصول کر رہے ہیں۔

★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★★

اٹاوہ
بنگلور
حیدرآباد دکن
احمد آباد گجرات
لاہور
حیدرآباد
مئو اعظم گڈھ
لاہور
مراد آباد
لکھنؤ
عظیم آباد
سہارنپور
سہارنپور
دہلی
سورت
آگرہ
جبلپور
لاہور
رامپور
سرہند شریف
اجمیر شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بگرامی ملاحظہ مولانا المبجل المکرم المفخم المعظم ذاالفضل التام والفیض العام والعز والاکرام مولانا مولوی شاہ عبدالسلام صاحب دام مجدہ وانجح جدہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : نوازش نامہ تشریف لایا، مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ مولانا قاری محمد بشیر الدین صاحب سلمہ اللہ وعافاہ کو عافیتِ تامہ کاملہ عاجلہ عطا فرمائے بمنہ وکرمہ آمین مامول کہ ان کی خیریت سے جلد جلد مطلع فرماتے رہیں۔ اعمالِ شفا عرض کرآیا، نقشہ استعمال فرمائے جائیں، و الشافی الکافی یشفی و معافی۔ کھانے کو جو چیز دی جائے سورہ طارق شریف دم کرکے دی جائے، یہ تعویذ حاضر کرتا ہوں گلے میں ڈالیں اور خیر خیریت سے مطلع فرمائیں، والدِ ماجد صاحب کی خدمت میں فقیر کا سلام عرض کریں، مولانا قاری صاحب و اندرونِ خانہ ونورالعین برہان میاں وزاہد میاں، سائر احبابِ اہلِ سنت سنۃ الاسلام۔

اللہ لطیف بعبادہٖ والا نقش کہ رکابی پر لکھا جاتا ہے اور وہ نقش جس کے صدر میں "یا محی الدین اجب یا جبریل بحق یا بدوح" ہے، ایک گلے میں باندھا جاتا ہے اور تھیلیوں میں ڈال کر پلایا جاتا ہے اور آیاتِ شفا، ان چیزوں کا استعمال فرمائیں۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

از بریلی ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ یوم الاربعاء

الحمد لولیّہ ؛ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ نبیّہ ؛ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وجنودہ

امام احمد رضا کے تصوّف پر گفتگو سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تصوّف کا اجمالی تعارف کرادوں تاکہ اصل موضوع پر کماحقہ روشنی پڑ سکے۔ یہ تعارف بھی قصداً امام احمد رضا کی تصنیف "مقالِ عرفا" سے اخذ کیا گیا ہے تاکہ اصل موضوع کی مزید تقویت کا سامان ہو سکے۔

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

اَلتَّصَوُّفُ اِنَّمَا هُوَ زُبْدَةُ عَمَلِ الْعَبْدِ بِاَحْكَامِ الشَّرِيْعَه

تصوّف کیا ہے ؟ بس احکامِ شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۴) [1]

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبّی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔

اَلتَّصَوُّفُ تَصْفِيَةُ الْقُلُوْبِ، وَاتِّبَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّرِيْعَة

---

[1] مقالِ عرفا باعزازِ شرع و علما ۱۳۲۷ھ از امام احمد رضا قدس سرہٗ طبع دہلی ص ۳۰

تصوّف اِس کا نام ہے کہ دِل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
پیروی ہو۔ (طبقات کبریٰ الامام الشعرانی ص ١٨) [1]

تصوّف طریقت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور طریقت اُس راہ کا نام ہے جو خدا تک پہنچانے والی ہو
اب خدا تک پہنچانے والی راہ کون سی ہے؟ اُسے سیّدنا غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زبانِ فیض
ترجمان سے سُنیے۔

اَقْرَبُ الطُّرُقِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لُزُوْمُ قَانُوْنِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَالْاِسْتِمْسَاكُ
بِعُرْوَةِ الشَّرِيْعَةِ۔

اللہ عزّوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانونِ بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے
(بہجۃ الاسرار للعلامۃ ابی الحسن علی الشطنوفی ص ٥٠) [2]

ہر صوفی کامل درجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے اور ہر ولی صوفیٔ کامل ضرور ہوتا ہے۔ ولی کون ہے؟
اِس کی تعریف میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا
یَتَّقُوْنَ۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے کمال سے سرفراز ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ولایت
کے لئے کرامت لازم ہے۔ مگر کرامت دو طرح کی ہے ایک وہ جس میں کسی دھوکہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔
دوسری وہ جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہہ ہو سکتا ہے تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہہ سے
پاک ہو اسی لئے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

کَرَامَةُ الْوَلِیِّ اِسْتِقَامَتُهٗ بِفِعْلِهٖ عَلٰى قَانُوْنِ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ
تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک
اترے (بہجۃ الاسرار شریف ص ٣٩ طبع مصر) [3]

حضرت شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :۔ ایک کرامت تو حسّی ہوتی ہے

---

[1] مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء ١٣٢٧ھ امام احمد رضا قدس سرہ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ ص ٢١

[2] مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء ص ١٦

[3] ایضاً ص ١٥

جسے عوام بھی جانتے ہیں۔ جیسے ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا گذشتہ و آئندہ حالات کی خبر دینا، سیکڑوں منزل ایک قدم طے کر لینا۔ دوسری کرامت معنوی ہوتی ہے جسے صرف خواص پہچانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ :۔

"اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادتوں سے بچنے کی توفیق پائے۔ تمام واجبات ٹھیک وقت سے ادا کرنے کا التزام رکھے ان کرامتوں میں مکر و استدراج کو دخل نہیں۔ اور وہ کرامتیں جنہیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکر نہاں کی مداخلت ہو سکتی ہے۔ کرامات معنویہ میں مکر و استدراج کی مداخلت نہیں (فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۴۸۷) [1]

علمائے باطن کے ان ارشادات کی روشنی میں تصوف، صاحب تصوف کرامت، صاحب کرامت اور ولی کا اجمالی نقشہ ذہن میں آجاتا ہے کہ اصل تصوف تصفیۂ قلب اور اتباع شریعت ہے۔ حقیقی اور اعلیٰ کرامت شریعت پر استقامت ہے سچا ولی وہی ہوگا جو سید الکونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی میں سچا ہو۔

حضرت ابو القاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالۂ مبارکہ قشیریہ (ص ۳۰) میں سیدی ابو العباس احمد بن محمد الآدمی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا فرمان نقل کرتے ہیں۔

مَنْ اَلْزَمَ نَفْسَهٗ اٰدَابَ الشَّرِيْعَةِ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِنُوْرِ الْمَعْرِفَةِ وَلَا مَقَامَ اَشْرَفُ مِنْ مَقَامِ مُتَابَعَةِ الْحَبِيْبِ فِيْ اَوَامِرِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ

جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کر دے گا اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام افعال عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے [2]

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں :۔

اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب، مکروہ و حرام اور محافظت حدود آداب شریعت میں اُس کا حال کیسا ہے؟ (قشیریہ ص ۱۸) [3]

---

[1] مقال عرفا ص ۲۰
[2] مقال عرفا ص ۲۷
[3] ″ ″ ص ۱۸

یہاں تک تصوّف و ولایت اور صوفی و ولی کا مختصر تعارف تھا اب میں چاہتا ہوں کہ ان اقوال کی روشنی میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کا صاحبِ تصوّف، حاملِ طریقت، صاحب کرامت اور ولیِ کامل ہونا اجمالاً ثابت کرلیا جائے پھر کچھ تفصیلات پیش ہوں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے پوری زندگی شریعت پر سختی سے عمل کیا۔ ہر فرض وواجب کی محافظت اور اتباعِ سنّت وشریعت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ ہوتے دیا جس کے نتیجے میں ان کا قلبِ مبارک ایسا پاکیزہ اور مزکّیٰ و مصفّیٰ ہوچکا تھا کہ نورِ معرفت کی تابندگی اوائل زندگی ہی میں نظر آنے لگی

امام احمد رضا ۱۲۹۴ھ میں جب محبِّ رسول مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ایماء پر اپنے والد گرامی عمدۃ المحققین مولانا نقی علی خاں قدس سرہٗ کی معیت میں مارہرہ تشریف سیدنا شاہ آل رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بیعت سے شرف یاب ہوئے تو اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔

حضرت مولانا سیّد شاہ آل رسُول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن ارباب سلوک اور اہلِ ایصال مرشدین کرام میں سے تھے جو اپنے مُسترشدین و مُریدین کو ریاضت و مجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزار نے ان کے قلوب کا بھر پور تزکیہ وتصفیہ کرتے پھر جب انہیں سجادہ مشیخت اور مسند ارشاد پر جلوہ آرائی کے قابل دیکھتے تو خلافت واجازت سے سرفراز کرتے۔ مگر امام احمد رضا قدس سرہٗ اور ان کے والد گرامی کو بلا ریاضت ومجاہدہ، بیعت کے ساتھ ہی خلافت بھی دے دی گئی یہ اس بارگاہ کا عجیب وغریب واقعہ تھا۔

حضرت" خاتم الاکابر" سیّدنا شاہ آل رسول کے ولیعہد پوتے اور خلیفہ باکمال سیّدنا ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے ۱۲۹۶ھ عرض کیا۔ حضور آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے ان کو ابھی کیسے دیدی گئی؟۔ فرمایا

اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ مصفّیٰ و مزکّیٰ قلب لے کر آئے انہیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟۔ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو

گیا۔ مزید فرمایا:

مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول! تو میرے لئے کیا لایا ہے تو میں کیا پیش کروں گا مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دُور ہو گئی۔ اس وقت میں "احمد رضا" کو پیش کروں گا۔

حضرت ولیعہد موصوف (معروف بہ میاں صاحب) نے یہ بھی فرمایا: دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں علیہما الرحمہ) کو دکھالی جائیں اور یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے پھر اشاعت ہو۔

۱۲۹۴ھ میں امام احمد رضا کی عمر صرف بائیس ۲۲ سال تھی لیکن ان کا قلب مبارک الیسا روشن و مزکّٰی ہو چکا تھا کہ اُس بارگاہِ عالی میں ایسی قدر دانی و عزت افزائی ہوئی۔ ایک تو فوراً خلافت عطا کی گئی۔ دوسرے یہ عظیم امتیاز ملا کہ روز قیامت احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اپنی کمائی پیش کرنے کا موقع پیش آیا تو احمد رضا کو پیش کروں گا" تیسرے یہ کہ توجہ تشبیہی سے نوازے گئے۔ امام احمد رضا اپنے مرشد کے ساتھ خانقاہ کے دروازۂ سنگینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سیدنا آل رسول مارہروی عنفوان شباب میں رونق افروز ہیں۔ داڑھی کی سپیدی اور سیاہی سے سیدنا آل رسول اور مولانا احمد رضا میں امتیاز کیا جا سکا[۱]

جب ابتدا کا یہ حال و کمال ہے تو انتہا کا عروج و ارتقا کیا ہو گا؟۔ اصل تو مرشد کی عنایت ہے جس کے بغیر راہِ سلوک طے نہیں ہوتی اور مرشد نے اسی دن اُسی وقت توجہ تشبیہی اور دوسری عنایات سے یہ عیاں کر دیا کہ ہم نے احمد رضا کو سب معارف و حقائق سپرد کر دیئے' اسے اپنا نائب و خلیفہ ہی نہیں بلکہ اپنا مظہر اتم اور پرتوِ کامل بنا دیا اب وہ اس کا اہل ہے کہ میرے بیان کردہ اور تحریر فرمودہ حقائق و معارف پر نظر ثانی کر سکے اور اس کی نظر کے بغیر کوئی کتاب شائع نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل شریعت ہوں یا اہلِ طریقت' اصحاب مدارس ہوں یا اربابِ خانقاہ سبھی امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بارگاہ میں استفادہ و استصواب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں

---

[۱] ترجمانِ اہلسنت پیلی بھیت شمارہ پنجم تا دہم۔ اور دوسری کتب و روایات۔

اگر ایک طرف وہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی اور محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی کے استاذ جلیل حافظ صحیح بخاری مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہم الرحمہ کے بلند پایہ درس گاہی سوالات کا حل لکھ رہے ہیں[1] تو دوسری طرف مولانا سید شاہ احمد اشرف علیہ الرحمہ کے اہم خانقاہی سوالات کے جوابات دے رہے ہیں[2]۔ عظیم مفتی و محقق مولانا ارشاد حسین رامپوری (م ١٣١١ھ) کے فتوے کی تنقید و تنقیح کرتے ہوئے دیکھے جا رہے ہیں[3] تو سید نور الدین حسین رئیس اعظم بڑودہ کے دقیق سوالاتِ تصوف کی برجستہ شرح فرماتے ہوئے بھی نظر آ رہے ہیں[4] حتیٰ کہ اعلیٰحضرت کے مربی طریقت حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ کے اہم علمی و خانقاہی سوالات کے جوابات بھی لکھ رہے ہیں[5] فتاویٰ رضویہ کی جلدوں اور مختلف رسائل کے صفحات پر اس سے زیادہ مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو یہ ثبوت فراہم کرنے کے لئے کافی سے زائد ہیں کہ یہ عبقری زمانہ شریعت و طریقت دونوں کا عالم اور علماء و صوفیہ دونوں کا امام ہے۔

اب میں امام احمد رضا کے تصوف پر مفصل گفتگو کرنے کے لئے چاہتا ہوں کہ اس مقالہ کو تین حصوں میں تقسیم کروں اور ہر ایک کے شواہد الگ الگ پیش کروں

---

[1] استاذ محترم حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارک پور (١٣١٢ھ / ١٣٩٦ھ) فرماتے تھے محدث سورتی کو صحیح بخاری شریف اس طرح حفظ تھی کہ اگر شبینہ میں قرآن کی طرح اسے پڑھنا روا ہوتا تو وہ پوری پڑھ کر سنا سکتے تھے ١٢ محمد احمد

[2] فتاویٰ رضویہ ج ٣ ص ٧٦ تا ٨٠ التعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی از محدث سورتی مختلف مقامات

[3] نقاء السلافہ فی احکام البیعۃ والخلافہ

[4] غالباً وہی فتویٰ ہے جو فتاویٰ رضویہ جلد سوم کے ص ١٦٨ و ١٦٩ پر ہے چونکہ اعلیٰحضرت اکابر علماء اہلسنت کا بڑا احترام کرتے تھے اس لئے مولانا رامپوری کا مکمل فتویٰ نقل نہ کیا بلکہ نہایت اختصار کے ساتھ سوال اور فتویٰ میں ذکر شدہ دلیل قلمبند فرمائی اور اپنا جواب علیٰ حالہ رکھا ہے۔ یہ استفتا مولانا ارشاد حسین علیہ الرحمہ کے بھائی مولانا امداد حسین کا مراسلہ ١٢٩٤ھ کا لکھا ہے جب اعلیٰحضرت کی عمر صرف بائیس سال تھی۔ حیات اعلیٰحضرت میں ملک العلماء نے اتنا تو یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ واقعہ (فتویٰ لکھنا پھر رامپور تشریف لے جانا) شادی کے بعد کا ہے مگر عمر کی تعیین حتمی طور پر نہیں فرمائی ہے اس لئے کوئی بعید نہیں کہ یہ واقعہ مذکورہ فتویٰ ١٢٩٤ھ سے ہی متعلق ہو واللہ اعلم ١٢ محمد احمد

[5] کشف حقائق و اسرار و دقائق ١٣٠٨ھ ١٢ فتاویٰ رضویہ ج ١١ ص ٩٣ تا ١٠٠

۱۔ **تصوف اعتقادی** جس میں یہ بیان ہوگا کہ امام احمد رضا اعتقادیات میں عرفائے کاملین اور صوفیۂ واصلین ہی کے مسلک پر کاربند رہے۔ یاد رہے کہ اعتقاد صرف خیال وادراک کا نام نہیں بلکہ اعتقاد ایک عمل بھی ہے لیکن خاص عملِ قلب ہے یعنی دل کا کسی نظر کو راسخ ومضبوط طور پر قبول کرلینا اور اس کے اذعان ویقین سے سرشار ہو جانا۔ آپ امام احمد رضا کے اعتقادیات میں وہی سرشاری اور وہی یقین و اذعان پائیں گے جو خاص عرفا اور اہلِ دل کا حصہ ہے۔

۲۔ **تصوّف عملی** اس سے مراد صوفیہ کے قلبی اعمال اور ان کا ورع وتقویٰ ہے جسے رب العلمین نے اپنے اولیاء کا علامتی نشان بنایا ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔

۳۔ **تصوّف علمی**:۔ امام احمد رضا نے فنِ تصوف میں جو گراں قدر حقائق ومعارف بیان کئے ہیں اور اہلِ سلوک کی جو عظیم رہنمائی فرمائی ہے وہ سب "تصوف علمی" یا "تعلیمات تصوّف" سے عبارت ہیں۔

اقسامِ عقائد:۔ بابِ عقائد پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تمام عقائد ایسے قطعی اور یقینی نہیں ہوتے جن کو اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو اسلام سے خارج ہو جائے۔ بلکہ اس حیثیت کے حامل صرف وہی عقائد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہوں اور ان پر اجماعِ مسلمین قائم ہو۔ جس طرح بہت سے اعمال وعبادات دین وشریعت میں داخل ہیں لیکن ان سب کی حیثیت یکساں نہیں اور سب کی بجاآوری لازم وضروری نہیں بلکہ ان اعمال کے درجات ومراتب ہیں اور وہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام مکروہ تحریمی، اساءت وغیرہ قسموں میں منقسم ہیں۔ ان کے دلائل اور احکام دونوں میں تفاوت ہے جن کی بجاآوری[1] یا ترک[2] کا وجوب قطعی دلیلوں سے ثابت ہوا وہ علی الترتیب فرض[1] یا حرام[2] قطعی قرار دیئے گئے اور جو کم درجہ کی دلیلوں سے ثابت ہوئے ان کا حکم کم درجہ کا ہوا۔

اسی طرح عقائد کا بھی معاملہ ہے بعض ایسی قطعی یقینی اجماعی دلیلوں سے ثابت ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی منکر اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اس کا کذب اور عیب سے پاک ہونا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت ان کا آخری نبی ہونا، توہین رسول کا منافیِ ایمان ہونا، ہر نبی کا بعطائے الٰہی غیب پر مطلع ہونا۔

اور بعض عقائد احادیثِ مشہورہ یا قابلِ تاویل آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہوئے ان کے لئے ویسی قطعی یقینی دلیلیں فراہم نہ ہو سکیں تو ان کا منکر مبتدع، بد دین، گمراہ قرار پاتا ہے اور بعض ان سے

بھی کم درجہ کی دلیلوں سے ثابت ہوئے ان کا منکر گمراہ بھی نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق فی الاعتقاد قرار پاتا ہے اور کچھ ان سے بھی کم درجہ کے ہو سکتے ہیں جن کے منکر پر فسق فی الاعتقاد کا بھی حکم نافذ نہ ہو۔

ان اقسام عقائد کی مثالیں اور ان کی تفصیلات یہاں بیان کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کا اصل میدان علم کلام اور کتب عقائد ہیں۔

صوفیۂ کرام اُن تمام عقائد کے معتقد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہیں کسی بھی مسئلہ میں اور کسی بھی جگہ وہ اِن سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔ اِسی طرح جو اہلسنت کے مسلّمہ عقائد ہیں انہیں بھی وہ مانتے ہیں۔ لیکن عقائد کی بعض فروع میں کشف وشہود کے نتیجہ میں ان پر بہت سی ایسی باتیں عیاں ہوتی ہیں جن تک عام عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی اور وہ متفقہ عقائد کے خلاف بھی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں پختگی اور تقویت کا سامان ہوتی ہیں۔ ان باتوں کو وہ مانتے ہیں اور انہیں اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اہل ظاہر اور اس مقام سے قاصر لوگوں پر وہ ان عقائد کو مسلّط نہیں کرتے بلکہ وہ ان کا اپنا ادراک اور اپنا اعتقاد ہوتا ہے جو اس منزلِ بلند پر فائز ہونے، اور مُظاہرِ ذات وصفات میں فکر وتدبر کے نتیجہ میں رونما ہوتا ہے اس پر وہ قرآن واحادیث سے دلائل بھی رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جو کشف بھی نصوصِ قرآن وحدیث کے خلاف ہو، رد کر دیا جائے گا۔ پہلے وہ اپنے ہر انکشاف کو ان نصوص واصول پر پیش کر کے پرکھ لیتے ہیں۔ جب اسے کلامِ باری اور حدیثِ نبوی کے مطابق پاتے ہیں تو قبول کرتے ہیں ورنہ ردّ کر دیتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے لطائف ومعانی کی انتہا نہیں۔ وفوقَ کُلّ ذی علمٍ علیم۔ اس لئے یہ کوئی مقامِ حیرت نہیں کہ بہت سے معانی تک عام عقلوں کی رسائی نہ ہو سکے اور اربابِ کشف ومشاہدہ کو صفائے قلوب اور فضلِ ربانی کے نتیجہ میں ان معانی کا بدیہیات ومحسوسات کی طرح ادراک ہو جائے اور اربابِ ظاہر کسی دیدہ ور کی تفہیم وتلقین کے بغیر انہیں سمجھنے سے بھی قاصر ہوں۔ یہ عام عقلوں کا قصور ہے اُن اجلّۂ اولیاء اور ان کے پاکیزہ وبلند عقائد وافکار کا نہیں۔

عامی یا تو ان کے علم وتقویٰ اور کشف ومشاہدہ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کرے یا خاموش رہے کیونکہ وہ ایسے لازمی عقائد نہیں جن کا قبول جزو ایمان اور لازمِ اسلام ہو۔ بہت سے لوگ ان مخصوص عقائدِ صوفیہ ومشاہداتِ اولیاء کی اِس حیثیت کو بھول جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ سب وہ

قطعیات ہیں جن کے بغیر صوفیہ کے نزدیک کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ حالاں کہ یہ محض خام خیالی اور اقسامِ عقائد سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ خود وہ عقائد جو تمام اہلسنّت کی کتابوں میں مدوّن ہیں ان میں کتنے ایسے ہیں جن کو آج تک کسی عالم نے عقائدِ قطعیہ ضروریہ سے شمار نہ کیا اور نہ ان کے منکر پر حکمِ کفر عائد ہوا۔ ہاں بے شمار عقائد قطعی یقینی اجماعی بھی ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی صریح انکار حکمِ تکفیر کے لئے کافی ہے۔

یہ سب عقائد کی مبسوط کتابوں کے مطالعہ اور ان پر اچھی طرح غور و فکر کرنے سے منکشف ہو سکتا ہے۔ اب آپ اس تمہید کو ذہن میں رکھیں اور نگاہِ عرفان و بصیرت اور دیدۂ عشق و عقیدت کے ساتھ اگلے اوراق کا مطالعہ کریں۔

وحدۃ الوجود | صوفیۂ کرام اور اہلِ عرفان "لا موجودَ الّا اللّٰہ" کے قائل ہوتے ہیں ان کی نظر میں خدا کے ماسوا سب معدوم ہیں موجود وہی ذاتِ احد ہے ربانی اہلِ ظاہر نے ہمیشہ یہی کہا کہ یہ معنی عقولِ متوسطہ کی دُنیا سے ماورا ہے اور عقلاً اس کا ادراک ہونا ممکن نہیں لیکن علامہ فضلِ حق خیر آبادی غالباً وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے اپنے رسالہ "الروض المجود فی وحدۃ الوجود" میں اس مسئلہ کی حقانیت پر دلیلِ عقلی قائم کی اور فرمایا یہ دلائل عقولِ متوسطہ ہی کی دُنیا میں ہیں جنہیں کوئی فلسفی رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

پورا رسالہ قابلِ دید ہے ترجمہ کے ساتھ مکتبۂ قادریہ لاہور سے دوسری بار شائع ہو چکا ہے۔ علامہ نے اپنے حاشیۂ قاضی مبارک میں بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور بہت کچھ تفصیل بھی فرمائی ہے۔

امام احمد رضا بھی زندگی بھر وحدۃ الوجود کی حقانیت کے معتقد رہے اور متعدد تصانیف میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اُسی کی ذاتِ پاک سے خاص ہے۔ وحدتِ وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود و ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو زید و عمرو ہر شی خدا ہے۔ یہ اہلِ اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہلِ توحید کا مذہب ہے جو اہلِ اسلام و ایمانِ حقیقی ہیں ۱؎

دوسری جگہ ایک تقریبی مثال سے یہ مسئلہ اور اس میں تین فرقوں کا بیان قدرے تفصیل سے لکھا ہے فرماتے ہیں۔

ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئ کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی کسی میں الٹی۔ ایک میں بڑی ایک میں چھوٹی۔ بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی۔ کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی۔

یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے ورنہ وہ صورت جس کا ان میں عکس ہے خود واحد ہے ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلّی ان سے منزہ ہے۔ ان کے الٹے، بھونڈے، دھندے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وللہ المثل الاعلیٰ

اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم کے ہوئے:۔

اوّل: ناسمجھ بچّے انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اُس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ تو عین یہ بھی اور وہ بھی۔ مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم۔ اور اپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ

۱؎ کشف حقائق و اسرار دقائق ۱۳۰۸ھ مطبوعہ الہ آباد۔ ص ۱۵

وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے عکس ہیں۔ اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب
صفحۂ ہستی سے معدومِ محض ہو جائیں گے۔ ہو کیا جائیں گے، اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان
میں نہیں۔ حقیقتاً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم:۔ اہلِ نظر و عقلِ کامل وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود میں ایک
بادشاہ کے لئے ہے۔ موجود ایک ہی ہے۔ یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حدِّ ذات میں اصلاً وجود نہیں
رکھتے اس تجلّی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں
اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم و فانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود میں اسی کے محتاج ہیں اور
وہ سب سے غنی۔ یہ ناقص ہیں وہ تام۔ یہ ایک ذرّہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک۔
یہ کوئی کمال نہیں رکھتے۔ حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، سب سے خالی ہیں اور وہ
سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیونکر ہو سکتے ہیں۔ لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ
ہے۔ اور یہ صرف اس تجلّی کی نمود۔ یہی حق و حقیقت ہے۔ اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے اُن ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ جو صورت
بادشاہ کی ہے وہی ان کی۔ جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی۔ تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہٖ ان کے
سروں پر بھی۔ انہوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں۔ اور اپنی سفاہت
سے وہ تمام عیوب و نقائص جو نقصانِ قوابل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب
یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز، محتاج، الٹے بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انہیں ذمائم سے متصف
ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون علوًا کبیرا

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجودِ حقیقی احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود
بھی ایک ظل ہے پھر آئینہ میں انسان کی صرف سطحِ مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثلاً کلام و
بصر و علم و ارادہ و حیات و قدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا۔ لیکن وجودِ حقیقی عزّ جلالہ، کی تجلی نے اپنے
بہت ظلال پر نفسِ ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان
اندھوں کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت ہوئی وہ سمجھ گئے کہ۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انہوں نے صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں (۱) حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لئے خاص ہے اور (۲) ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے۔ اور حاشا یہ تقسیم اشتراکِ معنی نہیں، بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حقِ حقیقت وعینِ معرفت وللہ الحمد [1]

صفاتِ باری | صفاتِ باری سے متعلق بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ مسلک عرفا کی حقانیت کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ کرام جب لاموجود الا اللہ کے قائل ہیں تو صفاتِ باری کو غیر ذات یا لا عین لا غیر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جب سارا عالم ان کی نظر میں وجود واحد کا پرتو ہے تو خود صفاتِ باری کو لا عین کیونکر کہہ سکتے ہیں؟
امام احمد رضا قدس سرہٗ جس ماحول میں کلام فرماتے تھے وہ عوام اہلِ سنت اور اہلِ ظاہر کا ماحول تھا۔ اس مقام پر انہوں نے متکلمین کی طرح صفات باری کو لا عین و لا غیر ہی بتایا ہے۔ مگر "المعتقد المنتقد" للعلامۃ فضل رسول البدایونی کے حاشیہ المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد (۱۳۲۰ھ) میں مسلکِ صوفیہ کی کامل تحقیق فرمائی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں۔

فالذی نعتقده فی دین اللہ تعالیٰ أنّ لہ عزّ وجل صفاتٍ ازلیۃ قدیمۃ، وھی الکمالات الحاصلۃ للذات بنفس الذات فلا مصداق لہا الا الذات، فلہا حقیقۃ بما ھی ھی۔ وھی المعانی القائمۃ المقدیمۃ المقتضیات للذات ۔ وحقیقۃ بما ھی وما ھی الا عین الذات من دون زیادۃ اصلا فافھم وتثبت، وایاک ان تزل، فان المقام مزلۃ الاقدام، وباللہ التوفیق وبہ الاعتصام (ملخصاً) [2]

کلام الہی | کلامِ الہی جو صفت باری ہے اس کے بارے میں اپنی تحقیق المعتمد المستند میں پھر الکشف شافیا حکم فونو جرافیا میں تحریر فرمائی ہے۔ حاشیہ المعتقد میں فرماتے ہیں۔

---

[1] فتاوی رضویہ ششم ص ۱۳۳ و ص ۱۳۴۔ اشاعت مبارکپور

[2] المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد ۱۳۲۰ھ طبع استانبول۔ ص ۴۹۔

"ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ نفسی اور لفظی کی تقسیم متاخرین نے معتزلہ کو خاموش کرنے اور پست عقول کو سمجھانے کی خاطر کی ہے جیسے کہ متاخرین نے متشابہات میں تاویل کی راہ اختیار فرمائی ہے اور مذہب وہی ہے جس پر ائمہ سلف ہیں کہ کلام باری واحد ہے جس میں اصلاً کوئی تعدّد نہیں"

یہاں اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وہی قرآن جو باری تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذاتِ پاک سے ازلاً ابداً قائم و مستحیل الانفکاک ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو ہمارے کانوں سے مسموع ہمارے اوراق میں مکتوب ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ نہ یہ کہ کوئی اور جدا شی قرآن پر دال ہے۔ نہیں نہیں یہ سب اسی کی تجلیاں ہیں حقیقتاً وہی متجلی ہے۔ بغیر اس کے کہ وہ ذاتِ الٰہی سے جدا ہو۔ یا کسوتوں (لباسوں) کے حدوث سے اس کے دامنِ قدم پر کوئی داغ آیا ہو یا ان کے تکثّر سے اس کی طرف تعدّد نے راہ پایا ہو۔

دمبدم گر لباس گشت بدل ∴ شخصِ صاحب لباس راچہ خلل

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں :۔

(ترجمہ) اہل سنّت نے قرآن مکتوب کو حقیقتاً کلام اللہ ہی قرار دیا ہے اگرچہ اس کا نطق ہماری زبان سے واقع ہے اس سے زیادہ کچھ بولنے یا کسی کتاب میں لکھنے کی گنجائش نہیں ملخصاً [1]

حاشیۂ المعتقد میں فرماتے ہیں :۔

عَرَفَ هٰذا مَنْ عَرَفَ وَمَنْ لم يقدِرْ على فهمه فعليه ان يؤمن به كما يؤمن بالله وسائر صفاته من دون ادراك الكنه [2]

---

[1] الکشف شافیا حکم فونوجرافیا ۱۳۲۸ھ مطبوعہ کانپور ص ۲۶ تا ۲۹ ـ تلخیصاً

[2] المعتمد المستند ص ۲۶۔

اس پر ایمان لانا بھی ایک علم ہے۔ ملفوظات میں حضرت شیخ اکبر اور اکابر فن کا قول نقل فرماتے ہیں

علم باطن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے عالموں کی تصدیق کرے۔ اگر نہ جانتا ان کی تصدیق نہ کرتا۔ پھر حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں صبح کر کہ تو خود عالم ہے یا علم سیکھتا ہے یا علم کی باتیں سنتا ہے یا ادنیٰ درجہ یہ کہ عالم سے محبت رکھتا ہے اور پانچواں نہ ہونا کہ ہلاک ہو جائے گا۔[1]

مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا | مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے متعلق امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے اہل نظر کے یہاں حقیقت محمدیہ وجوب و امکان کے درمیان برزخ کبریٰ ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

جس طرح مرتبۂ وجود میں صرف ذات حق ہے باقی سب اسی کے پرتو وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبۂ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفیٰ ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض موجود۔ مرتبۂ کون میں نور احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے۔ اور مرتبۂ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہان اس کے آبگینے۔ وفی ہذا اقول

خالق کل الوری ربک لا غیرہ ∴ نورک کل الوری غیرک لم لیس کن

ای لم یوجد۔ ولیس موجودا۔ ولن یوجد ابدا۔

نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس طرح عالم اپنی ابتداء وجود میں محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا کچھ نہ بنتا۔ یوں ہی ہر شی اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہو جائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو ∴ جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے[2]

اسی مضمون کو قدرے اختصار کے ساتھ کشف حقائق میں لکھا ہے۔ اور سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ میں مزید تفصیل کا حوالہ دیا ہے۔ صلات الصفا میں بھی علمائے ربانیین و عرفائے کاملین کے بعض اقوال نقل فرمائے ہیں۔ اور بڑے انوکھے انداز میں حدائق بخشش میں اظہار فرمایا ہے۔

---

[1] الملفوظ مطبوعہ دہلی۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ ج ا ص ۷ ملخصاً

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ ہیں وہ سرِّ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں [1]

[1] حدائق بخشش اوّل ۔ مطبوعہ رامپور ص ۳۶

توضیح : ۔ حقیقتِ محمدیہ علیہا التحیۃ والثناء عامۂ ممکنات اور ذاتِ واجب الوجود کے درمیان برزخ اور واسطہ ہے ۔ اس مسئلہ کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہم نے موجود کی دو ہی قسمیں جانیں ۔ واجب اور ممکن ۔ ذاتِ رسالت کو ہم کس میں شامل کریں ۔ اگر واجب کہیں تو واجب بندہ نہیں ہو سکتا اور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بندہ ہیں ۔ اور اگر ممکن کہیں تو ممکنات میں تصرفات و اختیارات کی وہ قدرت کہاں جو ہم مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دیکھ رہے ہیں ۔

انہوں نے چشم زدن میں زمین سے آسمان اور آسمان سے لامکان تک سیر کی پھر اسی وقت لامکاں سے زمین تک واپس بھی آگئے ۔ اس عالم امکان میں ایک سے ایک ارباب فضل و کمال اور اربابِ حکومت و اقتدار رونما ہوئے لیکن یہ قدرت اور یہ کمال کسی میں نہ تھا ۔ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء نے انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے کر دیا ۔ سورج کو روک دیا ۔ ان کی مرضی پر ڈوبا ہوا سورج واپس آیا ۔ ان کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوا اور ایک لشکر سیراب ہوا ۔ نہ جانے کتنے تصرفات و اختیارات ہیں جو ان کی ذات سے چشمِ عالم نے ملاحظہ کئے ۔ اور کسی ممکن میں دیکھے نہ گئے ۔ ایسے بیّن اور عظیم تفاوت کے باوجود انہیں ممکن کہیں تو کیسے کہیں ؟ ؟ عقل حیران ہے کہ اگر یہ کہیں کہ وہ واجب بھی نہیں ممکن بھی نہیں تو یہ بھی خطا اور غلط ہے ۔ وہ واجب نہیں تو ممکن ضرور ہیں ۔ اس لئے حق یہ ہے کہ وہ خدا کے بندے اور ممکن ہونے کے ساتھ عالم امکان کے بادشاہ ہیں نہ تو وہ خدا ہیں نہ عالم امکان یعنی عام ممکنات میں سے ہیں بلکہ وہ اللہ کے راز سربستہ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ اور برزخ ہیں

پہلے شعر میں "یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں" کا اشارہ ممکن اور واجب کی طرف ہے یعنی ان کی ذات سے ممکن و واجب دونوں کی نفی کرنا خطا ہے ۔ کیونکہ وہ واجب قطعاً نہیں اور ممکن ضرور ہیں اگرچہ قدرت و

حاشیہ اگلے صفحہ پر

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزّت کا ؎ نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصل عالم مادّہ ایجاد خلقت کا ؎ یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

غور کیجیے کس قدر ذوق و عرفان سے لبریز اور حقیقت و معرفت سے بھرپور کلام فرمایا ہے۔

مزید فرماتے ہیں۔

کوئی کیا جانے کہ کیا ہو ؛ عقلِ عالم سے ورا ہو ؛ کنزِ مکتوم ازل میں ؛ درِّ مکنونِ خدا ہو
سب سے اوّل سب سے آخر ؛ ابتدا ہو انتہا ہو ؛ تھے وسیلے سب نبی تم ؛ اصل مقصودِ ھدیٰ ہو

بقیہ پچھلے صفحے کا حاشیہ

اختیار میں سارے ممکنات سے برتر و بالا ہیں۔

دوسرے شعر میں عالم امکان سے مراد عام ممکنات ہیں جیسے ہم کہیں سکندر سارے انسانوں کا بادشاہ اور پوری دنیا کا حکمران تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خود دُنیا سے باہر اور انسانوں سے ماورا کوئی ہستی تھا۔ بلکہ مراد یہی ہے کہ وہ تمام انسانوں کا بادشاہ ہونے کے باعث ان عام انسانوں کی صف میں شامل نہ تھا۔ اس میں اور دیگر انسانوں میں بیّن فرق تھا سارے انسان اس کے سامنے ملکیت اور رعایا کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ ان کے بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے اس کو ان محکوم انسانوں کی فہرست میں لانا درست نہیں۔ اگرچہ بذات خود وہ بھی انسان ہی تھا۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے شعر میں "عالم امکان" سے مراد عام ممکنات ہیں اور دوسرے شعر میں "یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں" کا اشارہ عام ممکنات اور اللہ و خدا کی طرف ہے۔ شعر اوّل میں ذکر شدہ لفظِ ممکن و واجب کی طرف نہیں۔ یعنی جب وہ عام ممکنات کے بادشاہ اور عالم امکاں کے فرماں روا ہوئے تو وہ ان محکومین اور اپنے رعایا کی صف میں شامل نہ ہوئے اور جب وہ خدا کے بندے اور ممکن ہوئے تو خدا نہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ وہ عام ممکنات میں بھی نہیں اور خدا بھی نہیں بلکہ دونوں کے درمیان برزخ و واسطہ ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ کچھ عناد پرور اور متعصب قسم کے جاہل افراد اعتراض و استہزاء کے ساتھ ان شعروں کا عجیب غلط سلط مطلب بیان کرتے ہیں۔ ایک متبحر عالم اور بلند پایہ عارف کا شعر سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا کرنی چاہیئے۔ یہاں علم و فن میں دستگاہ اور شعر و سخن سے تعلق کے ساتھ ذوقِ لطیف اور پاس انصاف کی بھی سخت ضرورت ہے۔

محمد احمد مصباحی بھیروی

سب تمہاری ہی خبر تھے :: تم مؤخر مبتدا ہو

تجلّی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ) وغیرہ رسائل میں احادیث کریمہ اور اقوال علمائے سے ثابت فرمایا ہے کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوّل و آخر ظاہر و باطن اور ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ (م ۱۰۵۲ھ) نے مدارج النبوۃ کے دیباچہ میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔

علم مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا اس بارے میں بھی امام احمد رضا قدس سرہٗ نے خاص صوفیہ و عرفاء کا مسلک اختیار فرمایا ہے وہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام ماکان و مایکون کا عالم مانتے ہیں اور اصحابِ معرفت سے اس پر بہت سے دلائل اپنی تصانیف خالص الاعتقاد، الفیوضات الملکیہ وغیرہ میں پیش کرتے ہیں۔ خالص الاعتقاد میں فرماتے ہیں۔

ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بیشمار علومِ غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے وہ روزِ ازل سے یوم آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات و احادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے؟

بہت اہلِ ظاہر جانب خصوص گئے ہیں اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات و احادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔ ہمارا مختار قولِ اخیر ہے جو عام عرفائے کرام و بکثرت اعلام کا مسلک ہے اِس بارے میں بعض آیات، واحادیث واقوالِ ائمہ فقیر کے رسالے انباء المصطفےٰ میں ملیں گے اور اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ماکان وما یکون" (۱۳۱۸ھ) وغیرہ رسائلِ فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر و وافر ہیں۔ اور اقوالِ اولیاء کرام و علمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفترِ عظیم درکار ہے[1]

بہت سے دلائل و اقوالِ ائمہ پیش کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:۔

یہ کتنا آسان تھا کہ احمد رضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہو گیا اور یہ عقیدہ کفر کا ہے۔ مگر نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک مبارک دامنوں سے

---

[1] خالص الاعتقاد ۱۳۲۸ھ۔ اشاعت مکتبہ مشرق بریلی ص ۲۶-۲۷ تلخیصًا

وابستہ ہے۔ احمد رضا کا سلسلۂ اعتقاد علماء اولیاء ائمہ صحابہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ رب العلمین تک مسلسل ملا ہوا ہے۔ والحمد للہ رب العلمین [1]

امام احمد رضا یہ راسخ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آقائے کائنات علیہ الصلوات والتحیات اپنے امتیوں کے دلی ارادوں، نیتوں اور عزائم وخطرات سب سے آگاہ ہیں۔ اس میں سرکار کی حیات و وفات کا کچھ فرق نہیں۔ اس مضمون کو متعدد مقامات پر اکابر علماء کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی شاعری میں خاص واردات قلب بیان کرتے ہیں محض شاعرانہ مبالغہ آمیزی اور مضمون بندی کو بارگاہِ رسالت میں جرم عظیم قرار دیتے ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنّت کے برادر خورد مولانا محبوب علی خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا کوئی کلام ایسا نہیں جو صرف قال ہو حال نہ ہو۔ بلکہ جو کچھ فرمایا ہے سراسر حال ہے۔ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے دوسرے دیکھنے والے بھی بحمدہٖ تعالیٰ موجود ہیں کہ ایک حافظ صاحب جو حضور پر نور امام اہلسنّت قدس سرہٗ کے مخلصین میں سے تھے کچھ کلام بغرض اصلاح سنانے کے لئے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی سنانا شروع کیا، درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یارسول اللہ میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں۔ کھانا پینا سونا سب موقوف ہو گیا ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ اعلیٰحضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں۔ اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمایئے جھوٹ اور کون سی سرکار میں؟ جنہیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ماکان و مایکون کا کوئی ذرّہ نہ چھپایا اس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیا۔

اختیار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء اس بارے میں امام احمد رضا قدس سرہٗ عرفاء کاملین کے مسلک راست پر سختی سے گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں کہ حق

---

[1] خالص الاعتقاد ص ۵۱ ۔

جل وعلا نے اپنے کرم کے خزانے اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع ان کے ارادے کے زیر فرمان کر دیئے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ان مباحث قدسیہ کے جانفزا بیان فقیر کے رسالہ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ (۱۲۹۷ھ) میں بکثرت ہیں۔ وللہ الحمد[1]

عارف باللہ عاشق رسول اللہ حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ بھی فرما چکے ہیں۔

معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت

ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پرور دگار خود بدہد!

اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری ∴ بدرگاہش بیا وہر چہ می خواہی تمنا کن[2]

امام احمد رضا فرماتے ہیں:۔

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں ∴ دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب ∴ یعنی محبوب ومحب میں نہیں میرا تیرا

وہ متعدد اکابر سے اسے نقل فرماتے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں اپنے آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملک نہ سمجھے وہ سنّتِ نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت سے آشنا نہ ہوگا[3]

اس عقیدے کے تحت عرض کرتے ہیں

سرور کہوں کہ مالک ومولیٰ کہوں تجھے ∴ باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری ∴ حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا

خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

---

[1] الامن والعلی لناعتی المصطفےٰ بدافع البلاء ص ۸۷ طبع بریلی

[2] اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۹۶ نولکشور ۔ لکھنؤ

[3] الامن والعلیٰ ص ۹۲ طبع لاہور

وہ عالمِ آخرت میں ان کی سیادت و حاجت روائی کا منظر آج سے زیادہ عیاں طور پر دیکھ رہے ہیں

ما و شما تو کیا کہ خلیلِ جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

فرماتے ہیں۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے زمانے میں وہ لوگ پیدا ہو چکے تھے جو پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و کمالات میں بے جا کلام کرتے اور بے ادبی و گستاخی سے پیش آتے۔ اس لئے امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی کلامی و تردیدی تصانیف میں سرکارِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے علوم و اختیارات اور فضائل و کمالات پوری قوت کے ساتھ واشگاف کر کے بیان کئے۔ اگرچہ یہ کتابیں علمی رنگ لئے ہوئے ہیں مگر امام احمد رضا اپنے مسلک کے مطابق اولیاء و عرفاء کے حقائق و معارف بھی پیش کرتے جاتے ہیں۔ شاید ہی ایسی ان کی کوئی کتاب ذوق و عرفان سے خالی ملے۔

یہاں میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کا ایک حقیقت آموز کلام پیش کرتا ہوں جو علمی بھی ہے اور عرفانی بھی۔ اور بارگاہِ رسول میں ان کا حق آشنا عقیدہ واضح کرنے کے لئے کافی و وافی بھی۔

فرماتے ہیں :۔

میرے ایک وعظ میں ایک نفیس نکتہ مجھ پر القا ہوا تھا۔ اُسے یاد رکھو کہ جملہ فضائلِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے معیارِ کامل ہے۔

وہ یہ کہ کسی مُنعِم کا دوسرے کو کوئی نعمت نہ دینا چار ہی طور پر ہوتا ہے۔

(۱) یا تو دینے والے کو اُس نعمت پر دسترس نہیں (۲) یا دے سکتا ہے مگر بُخل مانع ہے (۳) یا جسے نہ دی وہ اس کا اہل نہ تھا (۴) یا وہ اہل بھی ہے مگر اس سے زائد اُسے کوئی اور محبوب ہے اُس کے لئے بچا رکھی ہے

الوہیت ہی وہ کمال ہے کہ زیرِ قدرتِ ربانی نہیں۔ باقی تمام کمالات تحتِ قدرتِ الٰہی ہیں اور اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہر جواد سے بڑھ کر جواد۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر فضل و کمال کے اہل۔ اور حضور سے زائد اللہ عزوجل کو کوئی محبوب نہیں۔ لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل

جس قدر کمالات، جتنی نعمتیں، جس قدر برکات ہیں مولیٰ عزوجل نے سب اعلیٰ وجہِ کمال پر حضور کو عطا فرمائیں [1]

اسی لئے عارفِ ربانی حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر د تمام

اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے
اصالتِ کل، امامتِ کل سیادتِ کل، امارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل خدا کے یہاں تمہارے لئے

تعظیمِ رسول جب دل میں محبوب کی عظمت اور آقا کی محبت جلوہ آرا ہو تو دل تعظیم کے لئے خود ہی بیقرار ہوگا۔ یہی عشق و عرفان کا تقاضا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام سرکار کے آبِ وضو کے لئے اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے گویا اس تبرک کے لئے جنگ ہو جائیگی موئے مبارک کو حرزِ جان بنا کر رکھتے۔ گھمسان کی لڑائی میں بھی اگر کھو جائے تو اپنی جان سے بے پروا ہو کر اس کی تلاش میں لگ جاتے اور جب تک مل نہ جائے دم نہ لیں۔

تمام عرفاء و اولیاء اسی اعتقادِ عظمت و تعظیم کے ساتھ اپنی پوری زندگیوں میں کاربند رہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ نے تعظیم رسول کے پیشِ نظر مدینہ طیبہ میں کبھی سواری نہ کی۔ اس کے لئے انہیں کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ بس یہی دلیل کافی تھی کہ خدا اور رسول نے اس تعظیم سے منع نہیں فرمایا ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:۔

بوجہ اطلاقِ آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے

---

[1] الملفوظ ج ۲۔ ص ۴۰۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ

گی حسن و محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لئے ثبوت جُدا گانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا اسی لئے۔ علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے اُن کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے [۱]

بارگاہِ رسالت میں حاضری کا ادب کوئی امام احمد رضا قدس سرہٗ کے قلبِ حق آشنا سے پوچھے۔ دیکھئے۔ وہ کیا فرماتے ہیں:۔

جب حرمِ محترم مدینہ میں داخل ہو احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے روتا سر جھکائے، آنکھیں نیچی کئے چلے ہوسکے تو برہنہ پائی بہتر۔ بلکہ

جائے سراست اینکہ تو پامی نہی | پائے نہ بیں کہ کجا می نہی

جب درِ مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ و سلام عرض کر کے قدرے توقف کرے گویا سرکار سے اذنِ حضوری کا طالب ہے۔ اس وقت جو ادب و تعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے۔ زنہار زنہار اس مسجدِ اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے۔ یقین جانے کہ وہ مزار اعطر و انور میں بحیاتِ ظاہری، دنیاوی حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے۔ ائمہ دین فرماتے ہیں حضور ہمارے ایک ایک قول و فعل بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔

اب وہ وقت آیا کہ دل کی طرح رُخ بھی اس پاک جالی کی طرف ہوگیا۔ جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہِ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کئے لرزتا کانپتا بید کی طرح تھرتھراتا، ندامتِ گناہ سے عرق شرم

---

[۱] اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامہ ۱۲۹۹ھ مطبوعہ بریلی بحیات مصنف بار اوّل ۲۹ ملخصاً۔

میں ڈوبا قدم بڑھا۔ خضوع و وقار، خشوع و انکسار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کر۔ سوا سجدہ و عبادت کے جوبات ادب و اجلال میں اکمل ہو بجا لا۔ زنہار جالی شریف کے بوسہ و مس سے دُور رہ کہ خلاف ادب ہے۔ اب نہایت ہیبت و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالا۔ بہ آواز حزیں و صورت درد آگیں و دل شرمناک و جگر صد چاک معتدل آواز سے۔ نہ نہایت نرم و پست نہ بہت بلند و سخت۔ عرض کر۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

السلام علیک یارسول اللہ السلام علیک یا خیر خلق اللہ

السلام علیک یا شفیع المذنبین

السلام علیک وعلیٰ اٰلک واصحابک اجمعین [۱]

صحابۂ کرام کے پاک و صاف عرفانی و ایمانی دلوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس درجہ محبت و عظمت تھی کہ جانور کو حضور کا سجدہ کرتے دیکھ کر بے قرار ہو گئے عرض کیا۔ سرکار جانور تو آپ کو سجدہ کریں اور ہم محروم رہیں کیا ہمیں اجازت نہ ہوگی؟ ارشاد ہوا۔ میری شریعت میں غیر خدا کا سجدہ روا نہیں اگر ہوتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کا سجدہ کرے (ملخصاً مفہوماً) [۲]

کبھی کبھی امام احمد رضا پر بھی صحابۂ کرام جیسی کیفیتِ شوق طاری ہوتی ہے لیکن پاسِ شریعت و طریقت اور انشائے ذوق و حقیقت دونوں کو جس حسن و خوبی سے نبھاتے ہیں وہ اہلِ کمال ہی کا حصہ ہے فرماتے ہیں:۔

پیشِ نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بیقرار ؛ روکئے سر کو روکئے، ہاں یہی امتحان ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو ؛ مگر سدِّ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

دل کا تقاضا اور بڑھتا ہے تو یوں تسلّی دیتے ہیں۔

---

[۱] النیرۃ الوضیئہ شرح الجوہرۃ المضیئہ (تصنیف ۱۲۹۵ھ) اشاعت مکتبہ قادریہ لاہور ص ۴۴ تا ۴۶ ملخصاً۔
[۲] الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ ۱۳۳۷ھ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں ؎ اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

یہ کیفیتِ شوق اسی کے قلب میں پیدا ہو سکتی ہے جو مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کے مرتبۂ کمال و جلال سے اچھی طرح آشنا ہو اور جس کا دل ان کی محبت و عظمت کے نور سے لبریز ہو۔ وہ دل جس میں آقا کے اکرام و تعظیم کی وہ تڑپ پیدا ہو چکی ہو جو صحابۂ کرام میں پائی جاتی تھی اور وہ وارفتگیٔ شوق جس کے نتیجہ میں صحابۂ کرام رسول خدا کی ہر تعظیم و تکریم بجا لاتے یہاں تک کہ ان کی تعظیم کے لئے سجدہ کی اجازت طلب کرتے اور اگر حضرت یوسف و یعقوب علیہما السلام کی شریعت کی طرح شریعتِ مصطفٰے میں بھی سجدۂ تعظیمی کا جواز ہوتا تو یقیناً صحابہ کرام یہ تعظیم بھی عملاً کرنے کے بعد ہی سکون پاتے۔ جو دل عظمتِ سرکار سے بالکل خالی ہو وہ تو اِس قسم کے تصورات کو بھی شرک سمجھے گا اور جس دل میں عظمت اس کمال پر نہ پہنچی ہو ہرگز اس میں تعظیم کی وہ تڑپ نہ ہو گی جو خاص اہلِ عشق و عرفان کا حصہ ہے۔

امام احمد رضا کی بیتابیٔ دل ہمیں ان کے مقامِ عشق کا پتہ دیتی ہے۔ اور ان کے جذبۂ تعظیم کی عظمت سے آگاہ کرتی ہے۔ عرفان و تصوّف میں مرتبۂ کمال کے بغیر حبیبِ ربّ العلمین سے اس درجہ تعلقِ خاطر ممکن نہیں۔ اُمید کہ اربابِ دانش کے لئے میرے یہ ارشادات کافی ہوں گے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور امام احمد رضا خاں بریلوی کے درمیان خصوصی مراسم تھے۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے گو عمر میں ۲۲ سال کا فرق تھا اور مولانا عبدالباری چھوٹے تھے مگر جب مولوی عبدالباری مسٹر گاندھی کے اخلاق و سیاسی طرز عمل سے مرعوب ہو کر نہ صرف یہ کہ ان کے ہم نوا ہو گئے بلکہ عملاً ان کے ہو گئے اور ان کی زبان و قلم سے بعض ایسے کلمات صادر ہو گئے جو امام احمد رضا جیسے ناقد عصر کی نگاہ سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو اس طرف متوجہ کیا اور پوری شدت کے ساتھ ان کے بعض اقوال و اعمال پر تنقید فرمائی۔ اس سلسلے میں امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے درمیان مراسلت ہوئی جو ۱۶ رمضان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو شروع ہوئی اور ۲ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو ختم ہوئی۔

مولانا عبدالباری نے ۱۶ خطوط لکھے اور امام احمد رضا نے ۲۲۔ یہ جملہ مراسلات امام احمد رضا کے صاحبزادے مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمۃ نے حسنی پریس بریلی سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں بعنوان

الطاری الداری لہفوات عبدالباری

تین حصوں میں شائع کئے، خود امام احمد رضا نے ایک رباعی میں اس تالیف کا ذکر کیا ہے۔

زہ علم و فن جناب عبدالباری　　　خوش سکّہ زن جناب عبدالباری
یک کودک من طاریؔ اری بنوشت　　　دندان شکن جناب عبدالباری [1]

یہ تالیف اب بیشتر علماء اہل سنت کے علم میں بھی نہیں غالباً اسکو اس لئے اُجاگر نہیں کیا گیا کہ یہ علماء اہلِ سنّت کے مابین تلخیوں کی یادگار ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا مزاج دورِ جدید کے مزاج سے قطعاً منفرد ہے۔ دورِ جدید میں حمایت و تائید کے لئے حق سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جس کی حمایت و تائید کی جارہی ہے وہ اپنا یا اپنوں کا اپنا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حمایت و تائید کی جائے گی ورنہ مخالفت یا خاموشی۔ ہزار دعویٰ عدل و مساوات کے باوجود شاذونادر ہی کوئی ایسا نظر آتا ہے جو صرف حق کے لئے حق کی حمایت کرے اور ابطال باطل کے لئے باطل کی مخالفت، اس کے سامنے دوسری کوئی مصلحت نہ ہو۔ اس کے لئے بڑا دل گردہ چاہیئے۔ ایسے حق پرست کو اپنے اور بیگانے سب کے تیر کھانے پڑتے ہیں۔ وہ تیر پہ تیر کھاتا ہے لیکن نفس کی آواز پر لبیک نہیں کہتا، دل کی آواز پر رواں دواں رہتا ہے ؎

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

میں پھر اپنے موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ امام احمد رضا اور مولوی عبدالباری کے درمیان مراسلت کے دوران مولوی عبدالباری کی فکر و نظر مختلف نشیب و فراز سے گزری۔ اُنہوں نے توبہ نامہ بھی شائع کیا مگر جملہ کلمات پر توبہ کے اصرار نے اُن کو برہم کردیا چنانچہ آخر میں انہوں نے مکتوب محررہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء بھیجنے کے بعد خاموشی اختیار کرلی۔ جس نے امام احمد رضا کو اور زیادہ مضطرب کردیا اور اُنہوں نے مولانا عبدالباری کی خاموشی کے جواب میں پے در پے چھ خطوط ارسال فرمائے۔ ان خطوط میں امام احمد رضا کے خیالات و افکار نے شعر کا روپ دھارا اور ایک ماہ دس دن کی قلیل مدت میں ۲۱۶ (دو سو سولہ) عربی اور فارسی اشعار کا ذخیرہ سامنے آیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان اشعار میں وہ شعریت و آفاقیت نہیں جو ان کے نعتیہ کلام میں ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے یہ اشعار نہایت اہم ہیں اور تحریک آزادیٔ ہند پر کام کرنے

---

[1] محمد مصطفٰے رضا خاں، الطاری الداری لہفوات عبدالباری، مطبوعہ بریلی، حصہ سوم، ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء ص ۸۱

والوں کے لیے ایک اہم مأخذ ہیں۔

مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل یہ ہے

اواخر جمادی الاولیٰ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) میں لکھنؤ سے مولوی ریاست علی خان شاہجہان پوری مولوی عبدالباری فرنگی محلی کا پیغام لے کر امام احمد رضا کے پاس آئے کہ مولانا عبدالباری ملنا چاہتے ہیں۔ امام احمد رضا نے فرمایا کہ مولانا اگر اقوالِ کفریہ سے توبہ کرلیں تو میں خود جاکر مل لوں گا۔ مولوی ریاست علی خاں واپس لکھنؤ گئے اور وہاں سے مولوی عبدالباری کی طرف سے یہ پیغام بھیجا کہ آپ کی نظر میں جو اقوال کفریہ سرزد ہوئے ہیں ان سے مطلع کردیں تاکہ توبہ شائع کرادی جائے۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ۱۰۱ کلمات کفریہ پر مشتمل ایک مجمل فہرست مرتب کرکے جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں مندرجہ ذیل خلفاء اور تلامذہ کے ہاتھ بھیجدی۔۔

(۱) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

(۲) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

(۳) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی (م ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)

(۴) مولانا حشمت علی خاں لکھنوی (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء)

اس کے بعد مولوی ریاست علی خاں کا خط (محررہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) ملا جس میں امام احمد رضا سے استفسار کیا گیا تھا کہ مرسلہ فہرست میں مندرج تمام اقوال کفریہ ہیں یا بعض حرام اور بعض ناجائز؟ ۔ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے یکم رجب المرجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا جس کے جواب میں مولوی ریاست علی خاں نے لکھا کہ کفریات، محرمات اور ضلالات کو الگ الگ کردیا جائے۔ چنانچہ ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء کے خط میں امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل تین قسم کے توبہ نامے دستخط کے لیے مولوی عبدالباری فرنگی محلی کو روانہ کیے

(۱) تحریر مختصر ہدایت توبہ (۲) تحریر متوسط ہدایت توبہ (۳) تحریر مفصل ہدایت توبہ[ل]

امام احمد رضا نے تحریر مختصر، تحریر متوسط اور تحریر مفصل کے آخر میں مندرجہ ذیل علمائے اہلسنت

ل تحریر مفصل کو دو فصلوں پر تقسیم کیا۔ فصل اول میں مرتدین کی حمایت میں مولانا عبدالباری نے جو کلمات کہے تھے مع حوالے ان کو جمع کیا اور فصل ثانی میں مشرکین ہند سے اتحاد کے ذیل میں جو اقوال کہے تھے ان کو جمع کیا (مسعود)

کی تصدیقات ثبت کرائیں کہ یہ سب حضرات امام احمد رضا کے اس فیصلے کی تائید کرتے ہیں کہ جو کلمات مولانا عبدالباری نے فرمائے تھے اور امام احمد رضا نے اس پر اعتراض اٹھائے تھے وہ سراسر کفر و ضلالت ہیں

(۱) صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)

(۲) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)

(۳) مولانا محمد عبدالسلام صدیقی جبل پوری (م ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۲ء)

(۴) مولانا عبدالباقی برہان الحق جبل پوری (ولادت ۱۰ / ۱۳۱۰ھ / ۳ - ۱۸۹۲ء)

(۵) مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی (م ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) (۶) مولانا محمد افضل کریم دہلوی

(۷) مولانا غلام محی الدین راندھیری (۸) تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی (م ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء)

(۹) مولانا محمد میاں قادری برکاتی (۱۳۷۲ھ / ۵۳-۱۹۵۲ء) (۱۰) مولانا محمد یعقوب بلاسپوری

(۱۱) مولانا غلام احمد شوق فریدی (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) ۱۲ / مولانا محمد دیدار علی الوری حنفی (م ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء)

امام احمد رضا کی اس تحریک کا اثر یہ ہوا کہ مولانا عبدالباری نے روزنامہ ہمدم لکھنؤ شمارہ ۱۱ / رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء میں اپنی توبہ شائع کرادی؛ امام احمد رضا نے ۱۵ / رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء کو مولانا عبدالباری کے نام مبارک بادی کا خط بھیجا۔

مولانا عبدالباری نے اپنے طور پر توبہ شائع کرادی لیکن امام احمد رضا کے مرسلہ توبہ نامہ پر دستخط نہیں کئے۔ اس سے نئی بحث کا آغاز ہوا اور جانبین سے مندرجہ ذیل مراسلات لکھے گئے۔

(۱) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ / رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

(۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۱۹ / رمضان المبارک " "

ؔ محمد مصطفےٰ رضا خاں: الطاری الداری لہفوات عبدالباری حصہ دوم مطبوعہ بریلی، ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء (مکتوب عبدالباری بنام امام احمد رضا خاں محررہ ۱۹ / شوال المکرم ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء)

نوٹ: ڈاکٹر محمد اقبال نے امام احمد رضا کی قوت فیصلہ کی داد دیتے ہوئے یہ اظہارِ خیال فرمایا ہے۔

"مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے تھے اس پر مضبوطی سے قائم رہتے تھے یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے تھے لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔" (منقول ڈاکٹر عابد علی مرحوم لاہور یکم اگست ۱۹۶۸ء)

(۳) مکتوب مولانا عبدالباری بنام احمد رضا محررہ ۲۲ رمضان المبارک " "

(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری ۲۶ رمضان المبارک " "

(۵) مکتوب مولانا عبدالباری بنام احمد رضا محررہ ۲۶ رمضان المبارک " "

(۶) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۲ شوال ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۷) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۴ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۸) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۹ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۹) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۱۹ شوال المکرم " "

مؤخر الذکر پے در پے دو خطوط ملنے کے بعد مولانا عبدالباری نے ۱۹ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا جس میں برہمی کے آثار نمایاں ہیں، مثلاً یہ جملہ:۔

"عام ظن یہ ہے کہ جناب کو اپنی رائے سے عدول کرانے میں بڑے سے بڑے محقق کو بھی کامیابی نہیں ہوتی ہے، امید ہے کہ یہ ظن فاسد باطل ہوگا۔" [1]

امام احمد رضا نے ۲۶ شوال المکرم ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو خط لکھا اور مولانا عبدالباری سے مندرجہ بالا اظہار خیال کی تائید میں مثالیں طلب کیں۔ اسی اثنا میں مولانا عبدالباری سندھ کے دورے پر روانہ ہو گئے، ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں واپس آئے، ۱۰ ذیقعدہ کو امام احمد رضا نے خط لکھا پھر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو مفصل خط لکھا جس میں مفصل و مطول بحث کی [2]۔ ۱۴ ذیقعدہ کو یاد دہانی کے لیے پھر خط لکھا۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ کو مولانا عبدالباری نے خط لکھا مگر اس میں ۱۳ ذیقعدہ کے مفصل و مطول خط کا ذکر تک نہ کیا، اس پر امام احمد رضا نے ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ کو خط لکھا [2] اور حقیقت حال دریافت کی۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل مراسلت ہوئی۔

(۱) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۲) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۱۹ ذیقعدہ " "

---

[1] محمد مصطفیٰ رضا خاں: الطاری الداری، حصہ دوم، ۵۷ تا ۸۷

[2] محمد مصطفیٰ رضا خاں: الطاری الداری حصہ سوم، ص ۳۱

(۳) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۱ ذیقعدہ " "

(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۲۶ ذیقعدہ " "

(۵) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۲۸ ذیقعدہ " "

مؤخرالذکر مکتوب میں مولانا عبدالباری نے قدرے برہمی کا اظہار فرمایا اور لکھا:

"مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک آپ کی طرف سے حسنِ ظن رکھتا تھا، وہ اب نہیں رہا۔" [۲]

لیکن اس برہمی اور رنجش کے باوجود سلسلہ مراسلت جاری رہا اور جانبین سے مندرجہ ذیل مکاتیب لکھے گئے۔

(۱) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء

(۲) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

(۳) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۵ ذی الحجہ " " "

(۴) مکتوب امام احمد رضا بنام مولانا عبدالباری محررہ ۸ ذی الحجہ " " "

(۵) مکتوب مولانا عبدالباری بنام امام احمد رضا محررہ ۱۲ ذی الحجہ " " "

مؤخرالذکر مکتوب میں مولانا عبدالباری نے امام احمد رضا کو لکھا:۔

"آئندہ سے اگر کام کی بات نہ ہوگی، فضولیات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔" [۱]

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء کو امام احمد رضا نے جواب لکھا، اسی تاریخ کو مولانا عبدالباری نے جواب بھیجا اور لکھا:۔

"جس قدر دیدہ ریزی آپ نے مغالبہ کی غرض سے کی ہے ہم لوگوں کے نزدیک تضیع وقت کے سوائے کچھ نہیں ہے کیونکہ ہم آپ کی نیت سے آگاہ ہوگئے ہیں۔" [۲]

اس آخری مکتوب کے بعد مولانا عبدالباری نے خاموشی اختیار کرلی اور امام احمد رضا کو خطوط کے جوابات نہیں دیئے۔ اس طرزِ عمل کا یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے افکار وخیالات اور جذبات نے شعر کا روپ دھار

---

[۱] محمد مصطفٰے رضا خاں: الطاری الداری، حصہ سوم، ص ۷۲

[۲] " " " " " " " ص ۸۵

لیا۔ ان اشعار میں امام احمد رضا نے مولانا عبدالباری پر سخت تنقید کی جس میں طعن وطنز کے تیر ونشتر بھی ہیں لیکن اس کا محرک جذبۂ ایمانی تھا نفسانی جذبہ نہ تھا کیونکہ اس اختلاف سے قبل دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے دشمن نہ تھے۔

امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل چھ خطوط مولانا عبدالباری کے نام ارسال کئے جن میں تقریباً ۲۱۶ عربی اور فارسی اشعار رباعیات وقطعات کی صورت میں بیساختہ نوکِ قلم پر آگئے ہیں جو پیشِ نظر مقالے کی بنیاد ہیں۔

(۱) مکتوب محررہ ۱۴ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱
(۲) مکتوب محررہ ۲۰ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
(۳) مکتوب محررہ ۲۵ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱
(۴) مکتوب محررہ ۶ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
(۵) مکتوب محررہ ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء
(۶) مکتوب محررہ ۲ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

۲ر صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کے بعد امام احمد رضا نے سلسلہ مراسلت بند کر دیا اور یہ سارا ریکارڈ ان کے صاحبزادے مفتی محمد مصطفٰے رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف:

الطاری الداری لہفوات عبدالباری

(خرافاتِ عبدالباری پر آخری ضرب)

میں محفوظ کر دیا ہے اور یہ کتاب اسی زمانے میں حسنی پریس بریلی سے طبع ہو کر شائع ہو گئی۔

محولہ بالا مکتوبات میں جو اشعار آئے ہیں اُن میں مولانا عبدالباری کے علاوہ دیگر شخصیات اور ان کے افکار واقوال بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔ مثلاً مسٹر گاندھی، ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا اسحاق علی وغیرہ وغیرہ۔ شخصیات کے علاوہ مختلف سیاسی تحریکوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ترکِ گاؤکشی اور تحریکِ سوراج وغیرہ۔ ان اشعار کے مطالعہ سے امام احمد رضا کے بارے میں مندرجہ ذیل حقائق معلوم ہوتے ہیں:

(۱) امام احمد رضا حق کے حامی تھے اور حمایتِ حق میں وہ اپنے اور بیگانے کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ وہ صداقتِ صدیقی، عدالتِ فاروقی اور شجاعتِ علوی کے علمبردار تھے۔

(۲) امام احمد رضا دو قومی نظریئے کے حامی تھے اور ایک قومی نظریہ کے شدید مخالف۔ ان کی تمنّا تھی کہ ملّتِ اسلامیہ کا دستور العمل، اسوۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کچھ نہ ہو۔

(۳) وہ انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کے مخالف تھے اور دونوں سے موالات کو ملّتِ اسلامیہ کے اجتماعی مفاد کے خلاف سمجھتے تھے۔ وہ انگریزی اور ہندو تہذیب و تمدن سے بیزار تھے اور اسلامی تہذیب و تمدّن کے علم بردار۔ نہ وہ ہندوؤں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے نہ انگریزوں کے ساتھ۔

رائے محمد کمال

تحریکِ پاکستان میں امام احمد رضا کا مقام

اِس حقیقت میں قطعاً کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اِسلامی قومیت کا حقیقی تصور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے افکار وکردار سے فروغ پذیر ہوا۔ قبل ازیں اِس خطۂ ارض پر دو قومی نظریے کی فکری بنیادیں مستحکم نہ تھیں۔ الغرض مورخین نے اِس امر کو متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ اسلامیانِ ہند کے جداگانہ تشخص کے سب سے عظیم علمبرداران کی قوت وسیادت کے داعی ومحرک اور اسلامی نظریۂ قومیت کے موسسِ اوّل آپ اور صرف آپ ہیں۔

امام ربانی علیہ الرحمۃ نے یک قومی نظریہ کو نہایت شدومد کے ساتھ رد کیا اور مسلمانانِ ہند کو علیحدہ قومیت کی حیثیت سے اُبھارنے کی روح پرور مساعیٔ جمیلہ فرمائیں اس سلسلے کی دیگر کڑیاں مربوط کرنے سے قبل مناسب خیال کرتا ہوں کہ آپ کے اِس علمی وفکری کارنامے کی اہمیت وافادیت کا مختصراً اندازہ لگایا جائے اور ثابت ہو کہ یہ جدوجہد کن جانگسل حالات میں شروع کی گئی اور زوالِ ملت پر اِن کی دلسوزی کا اصل سبب کیا تھا؟ آیئے ذرا تاریخی ماخذ سے صحیح صورت حال کا کھوج لگائیں۔ شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں ہندو نوازی کے جو فرامین جاری ہوئے اُن میں سے ایک شاہی حکم یہ بھی تھا۔

ترجمہ :- جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ جانور ذبح کرنا ہے تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ حتیٰ کہ اگر اس کے گھر والے بھی اُس کے ساتھ کھائیں تو کھانے کی اُنگلیاں اُس کی بھی کاٹ لی جائیں"۔ [1] ایک جگہ آپ خود واقعات کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں "۔ نگر کوٹ کے قریب ہندوؤں نے مسلمانوں پر سخت مظالم ڈھائے اور تھانیسر میں ایک مسجد اور ایک مقبرہ کو منہدم کر کے ایک مندر بنایا گیا [2] ایک اور مقام پر درج ہے "(ترجمہ) ہندوؤں کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے اور نہ فروخت کرے اور اس کے برعکس ماہ رمضان المبارک میں وہ برملا سامانِ خورد و نوش بیچتے ہیں اور اسلام کی کسمپرسی کی وجہ سے کوئی روک نہیں سکتا، افسوس! صد ہزار افسوس!!" [3] الغرض نوبت یہاں تک پہنچی کہ سرورِ کون و مکاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں کھلم کھلا گستاخیاں کی جانے لگیں، تاریخی کتب میں بالصراحت مندرج ہے "۔ بدبختے چند از ہندواں و مسلماناں ہندو مزاج قدح صریح بر نبوت می کردند" [4]

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس تمام صورت حال کا بنظرِ غائر جائزہ لیا اور واضح انداز میں ہنود کی ذہنیت کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے، ترجمہ :- "ہندو صرف اس پر راضی نہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہو جائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام اور قوانین سرے سے نابید اور نابود کر دیئے جائیں۔ ان کو اتنا مٹا دیا جائے کہ شعائرِ اسلامی اور مسلمانوں کا کوئی اثر اور نشان یہاں باقی نہ رہے"، [5] ان اسباب و علل کی بناء پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو کسی طرح بھی کلمہ گوؤں کا ہندوؤں سے اختلاط گوارا نہ تھا۔ کسی مصلحت کی رو سے ان کے نظریہ میں مطلقاً لچک نہ تھی۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کو قوم حجاز کی موت گردانتے تھے کیونکہ اُن کی دور اندیش نگاہیں مستقبل میں رونما ہونے والے حالات و واقعات اور اس عمل میں پنہاں مضرات و خطرات کا بخوبی مشاہدہ فرما رہی تھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے "اگرچہ یہ دونوں قومیں ایک ہی خطۂ زمین میں ایک ساتھ رہتی ہیں مگر اُن کا نظریۂ حیات اور منزل جُدا جُدا ہے۔ اِن کا سفر ایک جیسا ہے اور نہ ہی اندازِ سفر۔ ہم حرمین شریفین کے متوالے اور یہ گنگا وجمنا کے زائرِ کم نصیب۔ قصۂ مختصر آپ کے افکار میں گہرائی تھی اور گیرائی بھی۔ ان میں کسی قسم کا ابہام نہ تھا۔ انکی خودداری، حق پرستی، بے خوفی، دور اندیشی، بلند نگاہی اور حق گوئی و بیباکی کا ایک

زمانہ معترف ہے۔ یہی جذبۂ اعلائے کلمۃ الحق تھا جسے آج "دو قومی نظریہ" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کے نظریہ و عمل کی صداقت و حقانیت کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے کیا جا سکتا ہے'!

"محض زبان سے کلمۂ شہادت پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لئے ہرگز کافی نہیں، تمام ضروریاتِ "دین کو سچا ماننے اور کفر و کفار کے ساتھ نفرت و بیزاری رکھنے سے آدمی مسلمان ہوگا۔۔۔۔"

جو شخص تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے لیکن کفر و کفار کے ساتھ بیزاری نہ رکھے وہ درحقیقت مُرتد ہے اس کا حکم منافق کا حکم ہے جب تک خدا اور رسول کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی۔ میری نظر میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ نفرت و عداوت رکھنے کے برابر اس کو راضی کرنے والا کوئی عمل نہیں" ہے

درحقیقت یہ احیائے اسلام کی تحریک تھی۔ مگر آپ کے خلاف بھی ضمیر فروش اور علماء سُو نے کفر و قتل کا فتویٰ صادر کرنے میں عار محسوس نہ کی، بیان ہے "پس ہمہ عُلماء بخاطرداری اُمرائے دربار فتویٰ بر قتل شیخ نوشتند" ہے۔ ذمہ دار اہلِ قلم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تمام کوششوں کا ماحاصل شعائرِ اسلامی اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ تھا، بایں سبب کہ ملتِ اسلامیہ کی سیاسی و مادی قوت اور عالمی قیادت کا راز انہی میں مضمر ہے۔

اب ہم آگے بڑھ کر معلوم کرتے ہیں کہ آپ کے مکتبۂ حُریت سے وابستگی کن کا مقدر ٹھہری؟ اور کونسا طبقہ آپ کی متاعِ فکر کا عملاً پیرو کار رہا؟۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں جدوجہد کا فتویٰ مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے جاری فرمایا۔ برطانوی گورنمنٹ کے خلاف اس مجاہدانہ کردار میں بھی بالواسطہ مجدد موصوف کی روح ہی کارفرما تھی۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے تا زندگی خود کو اسی مشن کے لئے وقف کئے رکھا۔ آپ شعائرِ اسلام کی سخت پابندی اور مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کا پرچم تھام کر میدانِ عمل میں آئے۔ تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ وہی جانکاہ سلسلے، وہی مذموم سازشیں، وہی ذبیحہ گاؤ پر پابندی کی تحریک وہی فتنۂ تحریکِ شاتمِ رسول وہی ایک قومی نظریئے کا پرچار وہی ہندو مسلم بھائی بھائی ہونے کے نعرے وہی ترکش وہی تیر۔ لگتا، زمانے نے پلٹا کھایا اور گردشِ ایام پیچھے کی طرف دوڑ پڑی ہے حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ

بھانپ گئے کہ سادہ لوح مسلمانوں کو مختلف حیلے بہانوں سے ہندوؤں کے مفادات کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔ آپ کے دستِ حق پرست نے کفر و باطل کے مکروہ چہرے سے مذہب و سیاست کی تمام نقابیں نوچ ڈالیں۔ چراغِ مصطفوی نے شرارِ بولہبی کو ہر وقت ہر جگہ، ہر رنگ اور ہر ڈھنگ میں للکارا۔ اپنے ایمان و اسلام کو گاندھی کے چرن میں گروی رکھنے والے گمراہ لوٹے کو خوب لتاڑا۔ رُخِ حق کو صبح و شام اپنے نورِ بصیرت کی مشاطگی سے نکھارا خزاں رسیدہ گلشنِ ملت کو خونِ دل دے دے کر سنوارا اور مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی [illegible] دیکھ کر شدتِ درد سے پکار اُٹھا۔

کافر، ہر فرد و فرقہ دشمن مارا مُرتد، مشرک، یہود و گبر و ترسا
مُشرک را بندہ باشد و بالنصرانی ہر کار حرام" ایں ست زشیطان فتوی

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے حکومتِ انگلشیہ میں وہی کارنامہ سرانجام دیا جسے اکبر کے عرصۂ اقدار میں مجدد پاک نے ترویج بخشی تھی۔ دونوں تاریخ ساز شخصیتوں کے فکر و عمل میں اس قدر ہم آہنگی و یگانگت پائی جاتی ہے کہ دوئی و بیگانگت کا نقشہ گراں گزرتا ہے۔ اعلحضرت نہ صرف عصری تقاضوں کا ادراک رکھتے تھے بلکہ ماضی و مستقبل کے اخبار و آثار کے علاوہ شعورِ ارتقاء اور اقوامِ دملل کی ذلت و تباہی بھی ان کی دور رس نگاہوں سے بعید نہ تھی۔ آپ نے اپنی جرأت ایمانی، نگاہِ بلند سخن دلنواز اور جاں پُرسوز کی کشش سے رہنمائی کا حق ادا کر دکھایا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور محمد علی جناح بھی دل و جاں سے ایک قومی نظریئے کے قائل تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک زوروں پر تھی۔ تب مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے سادہ لوح مسلمانوں کو خبردار کیا کہ تمام غیر مسلم ایک قوم ہیں۔ عیسائی ہوں یا ہندو وہ سب اسلام کے دشمن ہیں ان پر اعتماد کرنا قرآنی تعلیمات کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ ترکِ موالات کی تحریک چلی تو آپ نے فرمایا "ابھی مسلمانوں کی ایک آنکھ کھلی ہے اور دوسری بند ہے"۔ یعنی وہ ایک دشمن کو دشمن اور دوسرے دشمن کو دوست سمجھتے ہیں[9]

یہ اُن دنوں کا تذکرہ ہے جب گاندھی کی آندھی نے کچھ ایسی شعبدہ بازیاں دکھائی تھیں کہ بزعم خود "آزاد" اور مولانا ابوالکلام نے ناگپور میں خلافت کانفرنس کے پنڈال میں جمعہ پڑھایا اور خطبے میں مہاتما گاندھی کی صداقت و حقانیت پر قسمیں کھائیں اور الہ آباد کے ایک جلسۂ عام میں کرسی

صدارت سے اعلان فرمایا کہ مقاماتِ مقدسہ کا فیصلہ اگرچہ ہمارے حسبِ دلخواہ بھی ہوجائے تب بھی اس وقت تک چین نہ لیں گے، جب تک گنگا اور جمنا کی مقدّس سرزمین کو آزاد نہ کرالیں گے[١١]

اس گھناؤنی سازش کا زہر اس قدر قلوب و اذہان میں اُتر چکا تھا کہ شیخ دیوبند مولانا حسین احمد مدنی نے برسرِ منبر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ فتویٰ دیا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ نظریات و عقائد کی بنیاد پر۔ راۓ حکیم الامت علامہ اقبال بسترِ مرگ پر تھے۔ یہ آواز اُن کے کانوں تک پہنچی تو تڑپ اُٹھے اور مندرجہ ذیل اشعار موزوں ہوگئے۔ غمگین لہجے میں علامہ مرحوم کی اس سنجیدہ للکار پر ایک حلقہ آج تک چیں بجبیں ہے۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ — زدیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است!

سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است!

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است! [١٢]

یہ تذکرہ تو یونہی مشتِ نمونہ از خروارے کے طور پر بروئے قلم آگیا ورنہ کانگریسی علماء کا ایک پورا قافلہ تھا جو مسٹر گاندھی کی اقتداء میں افرادِ ملت کو تحریراً و تقریراً گمراہی و تباہی کے گڑھے کی طرف اپنے ساتھ بہائے لئے جارہا تھا۔ ایسے میں امام احمد رضا قدس سرّہٗ نے پوری مجدّدانہ شان و شوکت، حکیمانہ تدبر و فراست اور مصلحانہ جلال و عظمت سے راہ گم کردہ قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا آپ کی عملی جد و جہد اور تیغِ قلم کی کاٹ پر خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے عہدِ حاضر کے ثقہ کالم نگار محبّ وطن صحافی اور غیر جانبدار مورخ میاں عبدالرشید صاحب لکھتے ہیں: "برّ عظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے اور ان کے ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ لائقِ صد ستائش ہیں"[١٣] ڈاکٹر شیخ محمد اکرام نے تسلیم کیا ہے کہ پاک و ہند کے مسلمانوں کی اکثریت پر امام احمد رضا کے افکار کی گہری چھاپ ہے[١٤]! اِس حقیقت کے اعتراف پر بھی یگانے و بیگانے سب مجبور ہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا پاکستان کے تمام صوبوں میں اثر و رسوخ تھا خصوصاً پنجاب و سندھ اور سرحد میں۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے خلفاء، تلامذہ اور معتقدین و مریدین سندھ میں آتے رہے

یہاں کے دینی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہوئے اور بہت سے یہاں آباد ہوئے اور دینی و سیاسی خدمات میں مصروف رہے۔ ان کے بہت سے دینی مدارس سندھ میں موجود ہیں۔ سندھ کے علاوہ پنجاب سے بھی امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو خاص لگاؤ تھا۔ وہ لاہور تشریف لائے اور انجمن نعمانیہ کے ایک اجلاس میں ڈاکٹر اقبال نے بھی ان سے شرفِ نیاز حاصل کیا۔ سندھ پنجاب کی طرح صوبہ سرحد و بلوچستان و گلگت وغیرہ میں امام احمد رضا کے عقیدت مند موجود تھے اور موجود ہیں (۱۵) یہ آپ کے ہی تربیت یافتگان اور متعلقین تھے جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے شبانہ روز کوشش کی اور ہر موقع پر ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ اور عوام النّاس کے دلوں میں مذہبی جوش، و ولولہ پیدا کر کے الگ وطن کے مطالبہ کو عوامی تحریک بنا کر رکھ دیا۔
آپ اس حقیقت سے آگاہ ہو کر یقیناً خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو جائیں گے کہ فیضانِ رضا سے اہل سنت والجماعت المعروف بریلوی مکتبۂ فکر کے لامحدود و وسیع تر حلقہ میں اکثر علماء قیام پاکستان کے حامی و موید بلکہ داعی و محرک تھے۔ جبکہ دوسری جانب ہزاروں علمائے دیوبند میں سے مع بعض دیگر فرقوں کے اہل الرائے کے مولانا اشرف علی تھانوی مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا غلام مرشد صاحب کے علاوہ تمام افاضل نظریۂ پاکستان کے کٹر دشمن تھے اور ہیں۔ مزید برآں یہ کہ انھوں نے مختلف مواقع پر اوچھے ہتھکنڈوں سے مسلم لیگیوں پر کفر کے فتوے چسپاں کئے اور مسلم ریاست کے پروگرام کو انگریزوں کی سازش قرار دیا (۱۶) آیئے ذرا دیدۂ دشتِ تاریخ کی سیاحی اختیار کر کے فی الواقع نقوشِ آزادی تلاش کریں۔ معروف نومسلم اور ممتاز قانون دان خالد لطیف گابا دو قومی نظریئے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں " دو قومی نظریہ جس پر بڑے بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں، آل انڈیا مسلم لیگ، آل انڈیا مسلم کانفرنس یا دیوبند یا جامعہ ملیہ کی تخلیق نہیں تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس نظریئے کا مصنف نہ تو محمد علی جناح تھے اور نہ ہی علامہ اقبال دو قومی نظریہ تو ۱۹۲۰ء ہی میں ایک مشہور اور مسلمہ نظریہ بن چکا تھا۔ اس وقت جناح صاحب کانگریس کے رہنما اور بقول سروجنی نائیڈو " ہندو مسلم اتحاد" کے سفیر تھے " (۱۷)

معتبر روایات سے یہ حقیقت تاریخ کا حصہ بن چکی ہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء میں دو قومی نظریہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ بلکہ اس سے بھی بہت پہلے ۱۸۹۷ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس

پٹنہ کے اجلاس میں اس پر اظہارِ خیال فرما چکے تھے۔ لیکن اس بارے میں تحریری دستاویز ۱۹۲۰ء میں پیش کی۔ اسی سال فاضل بریلوی رحلت فرما گئے لیکن وہ اپنے پیچھے ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے جس نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ہی ان حضرات نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ "مولانا نعیم الدین مرادآبادی (جو اعلیٰ حضرت کے خلیفہ و تلمیذ ہیں) شاید پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے واشگاف الفاظ میں تقسیمِ ہند کی تجویز پیش کی۔" [۱۸] اسی حوالے سے ہمیں یہ ثبوت بھی بہم پہنچتا ہے کہ انہوں (مولانا موصوف) نے اس اصول کو بہت پہلے پیش کر دیا تھا جسے بعد میں اپنا کر پاکستان حاصل کیا گیا۔"
۱۹۱۹ء سے قبل جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی گئی۔ اس جماعت نے "اتمامِ حجّت تامہ" کے عنوان سے ستّر سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ ترکِ موالات کے حامی علماء کی خدمت میں پیش کیا۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سیّد سلیمان اشرف نے مسئلہ ہندو مسلم متحدہ قومیت پر صدر جمعیت العلماء ہند مولانا ابوالکلام آزاد سے تبادلۂ خیال کیا۔ اور ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو بریلی کے ایک جلسۂ عام میں جو مولانا آزاد کی صدارت میں ہو رہا تھا، بیباکانہ اپنے مؤقف کا اظہار کیا۔ اسی طرح فاضل بریلوی کے دوسرے خلیفہ اور جلیل القدر عالم مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے دہلی جا کر مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کی اور اُن کو مشرکین ہند کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ [۱۹] "مولانا نعیم الدین صاحب نے ترکِ موالات کے نتیجے میں ہونے والی ہندو مسلم اخوّت کے خلاف یکے بعد دیگرے دو مضامین قلم بند کئے ۔ خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہلسنت کی کارگزاریاں (السوادِ اعظم مرادآباد، ماہ شوال ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) اور موالات (حیات صدر الافاضل ص ۱۱۸ - ۱۵۳) ان دونوں مضامین میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے اشتراک و اختلاط کے عدم جواز اور اس کے مہلک نتائج پر مدلّل اور جامع بحث کی ہے۔" [۲۰] ۱۹۲۰ء میں جب امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا تو اسی سال ہی اہلسنت و جماعت کے ایک ممتاز عالم علامہ محمد عبدالقدیر بدایونی نے جو کہ فاضل بریلوی کے مخلصین میں سے تھے اور اعلحضرت کے مداح اور ممدوح بھی ان کی منقبت میں چراغِ انس (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) کے عنوان سے مولانا بریلوی نے ایک مدحیہ قصیدہ فارسی زبان میں لکھا تھا جو پہلی بار تحفہ حنفیہ (پٹنہ) میں شائع ہوا [۲۱] انہوں نے تقسیمِ ہند کی تجویز پیش کی

اس کے متعلق ثقہ مورخ پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وزیر تعلیم و وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) لکھتے ہیں

(ترجمہ) مارچ اور اپریل ۱۹۲۰ء میں بدایوں کے ایک اخبار "ذوالقرنین" نے ایک صاحب، محمد عبدالقدیر بدایونی کا گاندھی کے نام ایک کھلا خط شائع کیا تھا جس میں برصغیر کی تقسیم کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس میں انہوں نے مسلم اضلاع کی فہرست تک دی تھی جو مشرقی و مغربی پاکستان کی موجودہ سرحدوں سے کچھ زیادہ نہ تھی"۔ (۲۲)

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اعلیٰ حضرت جدید تصوّرِ وطنیّت اور ترکِ موالات کے نتیجے میں قائم ہونے والے ہندو مسلم اتّحاد کے سخت مخالف تھے۔ آپ ایسے جذباتی اقدامات کو درسِ قرآنی اور دو قومی نظریہ کی روح سے متصادم خیال فرماتے۔ ایک دفعہ اس تحریک کے دوران مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی صاحب امام احمد رضا کی خدمت میں بریلی حاضر ہوئے اور تعاون کی درخواست گزاری۔ آپ نے بغیر کسی رورعائت کے واضح الفاظ میں فرمایا "مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں"۔ اور ساتھ ہی اس امر کا بھی برملا اعلان کر دیا "مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔" (۲۳)

امام احمد رضا بریلوی نے اپنی قوم کو تحریکِ انسدادِ گاؤ کشی، ترکِ موالات، ہندو مسلم اتّحاد اور تحریکِ ہجرت کے مفرات و مضمرات سے بروقت آگاہ کیا۔ گو آپ کے سچّے اور سُچّے مقاصد کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن پر انگریزوں کا خیرخواہ، دمساز اور ہمراز ہونے کی تہمت بھی لگی۔ مگر اس مردِ حق کو تاریخ کی آزمائی ہوئی صداقتوں پر مبنی نقطۂ نگاہ میں ذرّہ بھر تبدیلی گوارا نہ تھی۔ انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر ہمیشہ یہ اعلان کیا۔

"کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر اُن کے سخت ظالمانہ فساد پُرانے پڑ گئے؟ کٹار پور آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک دہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے۔ مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے۔ ناپاکوں نے مسجدیں ڈھائیں قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے، جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیے کلیجہ منہ کو آئے۔۔۔"

تبدیل احکام الرحمٰن و اختراعِ احکام الشیطٰن سے ہاتھ اُٹھاؤ، مشرکین سے اِتحّاد توڑو۔ مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامنِ پاک تمہیں اپنے سایہ میں لے" ۲۴ ایک جگہ نہایت دردمندی کے ساتھ اپنی قوم کو مشورہ دیتے ہیں۔ "میرے دوستو، فیقر . . . تمہیں نہایت عاجزانہ و مخلصانہ یہی صلاح دیتا ہے کہ کسی غیر مذہب میں جذب ہونے سے اپنے کو محفوظ رکھو" ۲۵

ایسے تاریک ماحول اور مذموم و مسموم فضا میں سب سے پہلے جو روشنی چمکی اور دردمندانہ صدا گونجی وہ علم و عرفان کے گنجینہ مولانا بریلوی قدس سرہٗ کی تھی، فرمایا "جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری۔ پھر کہاں کی عزت اور کہاں کی خودداری۔ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے، گندی ہو جائے۔ سودا بیچیں تو دُور سے ہاتھ میں ڈال دیں۔ پیسے لیں تو دُور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اُس پر رکھالیں۔ حالانکہ بحکم قرآن خود ہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدّس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے۔ وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ، مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا۔ محبتِ مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا، اِن باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر حبکُ الشئیُ یعمی ویصم کا رنگ بھر گیا۔ سب جانے دو خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے۔ جواب تھا تو یوں کہ کوئی کافر مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود مشرکوں، نجس بُت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجد میں لے جاؤ؟ اسے مسندِ صلی اللہ علیہ وسلّم پر بٹھاؤ؟ مسلمانوں کو نیچا کھڑا کر کے اس کا وعظ سناؤ۔ کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے؟ حاشا ثم حاشا اللہ، انصاف! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا، شرع مطہر پر اختراع دھرنا، احکام الٰہی سے دانستہ بدلنا، سؤر کو بکری بنا کر نگلنا نہ ہوگا۔ ۲۶

عدم تعاون اور ہندو مسلم اتحّاد کے حامی لیڈروں کو تنبیہاً فرماتے ہیں: "ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکینِ ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی۔ آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی رخصت دی، یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں ساجدِ مسلمین میں باادب و تعظیم پہنچا کر مسندِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم پر لے جا کر مسلمانوں سے اونچا بٹھا کر واعظ و ہادیٔ مسلمین بناؤ

گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ۔ قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ ان کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان (گاندھی) کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے یعنی معنیً نبوت جماؤ" .... اگر بالفرض باطل ان (حامیٔ ہندو مسلم اتحاد) کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو "لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ" کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟".... غرض کہ اعلیٰ حضرتؒ نے عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی ایک ایک کر کے تردید فرمائی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ ہندو ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں "الکفر ملة واحدة" کا مصداق ہے۔[٢٧]

مزید برآں انہوں نے اپنے ایک فتویٰ میں دو ٹوک انداز میں صراحت فرما دی "کہ موالات مطلقاً ہر کافر، ہر مشرک سے حرام ہے۔ اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو۔ اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب ہو۔ قال اللہ تعالیٰ..... (ترجمہ) تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ و رسول کے مخالفوں سے۔ اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی کنبے والے ہوں ..... (ترجمہ) اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اُس حق سے کفر کر رہے ہیں جو تمہارے پاس آیا۔" ٢٨

یہ آپ کی ہی تربیت و تبلیغ کا اثر تھا کہ تحریکِ آزادیٔ ہند میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے مولانا ابو الحسنات قادری علیہ الرحمہ سے اپنے عزم کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"پاکستان کی تجویز سے جمہوریتِ اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا مقصود نہیں۔ خواہ خود جناح صاحب اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔" ٢٩ — اور فروری ١٩٤٦ء میں پھپھوند ضلع اوٹاوہ میں سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا "مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ حلقہ جات میں کانگریس کو ہزیمت دینے کی ہر ممکن سعی کریں۔ آل انڈیا سنی کانفرنس اور اس کے تمام کارکن اپنی تمام تر کوششیں حلقہ جات انتخابات میں کانگریس کی مخالفت میں صرف کر دیں۔" ٣٠

تاریخی کتب کے گہرے مطالعہ کے دوران اِس انکشاف نے مجھے چونکا دیا اور فرطِ مسرت سے

میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور آپ کے فیض یافتگان کو اپنی رائے کے برحق ہونے پر اس قدر یقین محکم تھا کہ ایک وقت میں اِن مشاہیر نے محمد علی جناح اور علامہ اقبال وغیرہم سے بھی مختلف النوّع اختلافات کے باعث ٹکر لی ۔ مگر یہ ان دنوں کی بات ہے جب شاعرِ مشرق نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا اور نہ ہی بابائے قوم، ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں سے بیگانہ ہوتے تھے ۔ جونہی مذکورہ بالا محسنینِ قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے جُداگانہ اسلامی ریاست کو اپنا مطمحِ نظر ٹھہرا لیا تو وابستگانِ رضا نے ان کے راستوں میں دل کی دھڑکنیں بچھا دیں اور ہر میدان میں ساتھ نبھایا۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی غالب اکثریت عوام پر مولانا بریلوی کی گہری چھاپ کو تمام غیر جانبدار مورخین تسلیم کرتے ہیں تنگ نظر و تنگ دل اہلِ قلم بھی اس حقیقت کی تردید میں کوئی موزوں جواز ڈھونڈ کر نہیں لا سکے ۔ اگر بنظرِ غائر دیکھیں تو ان کا ہر ایک حربہ بھی آپ کے عظمتِ کردار کی وزنی دلیل بن کر رہ جاتا ہے ۔ عوام کے علاوہ خواص بھی ہمیشہ آپ کی شخصیت سے متاثر رہے ہیں۔ فاضل بریلوی کے فکر و شعور کی ترویج میں امیر ملت پیر جماعت علی صاحب نے ایک دفعہ ببانگِ دہل فرمایا کہ جو مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دیتا وہ پکّا اور سچّا مسلمان ہرگز نہیں ۔ ایسا شخص میرا مرید ہے نہ میں اس کا مرشد ہوں ۔ میرا فتویٰ ہے کہ ایسے کم نصیب و اسلام دشمن کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے ۔ پیر فضل شاہ صاحب جلالپوری علیہ الرحمہ تحریکِ آزادی کے دوران اکثر فرماتے ہیں کہ دو جھنڈے ہیں ایک اسلام کا دوسرا کفر کا۔ جو مسلم ہے وہ ضرور مسلم لیگ میں آئے گا۔ [۱۳] عام طور پر تقسیم ہند کے چار اہم اسباب بیان کئے جاتے ہیں اوّلاً مذہبی وجوہات ثانیاً معاشی وجوہات ثالثاً معاشرتی وجوہات اور رُبعاً سیاسی وجوہات ۔ سیاسی و معاشرتی پہلوؤں پر ہم گزشتہ صفحات میں اعلیٰحضرت کے ملفوظات و تحریکات پر مختصراً اظہارِ خیال کر چکے ہیں اب معاشی لحاظ سے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمات کا طویل مختصر جائزہ لگانا مقصود ہے آپ نے مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی و معاشی بدحالی کو دُور کرنے کے لئے اپنے رسالہ "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" میں حکیمانہ علاج تجویز فرمایا جو ۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ ان نکات کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے ۔

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تاکہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں، بس انداز ہو سکیں۔

(۲) بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد دکن کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لئے بینک کھولیں۔

(۳) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔[۳۲]

گو فاضل بریلوی کے یہ معاشی نکات بے حد مختصر ہیں۔ لیکن ان میں معانی و مفاہیم کا ایک ذخیرہ اور اصلاحِ احوال کے لئے اکسیر پوشیدہ ہے۔ یاد رہے کہ جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہوئی مگر نگاہِ مومن نے ان اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء میں ہی دکھادی تھی۔

راقم الحروف مدّت ہائے دراز تک غور و خوض اور تحقیق و تصدیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ۱۹۲۹ء سے قبل قیامِ پاکستان کا کوئی خاکہ ڈاکٹر محمد اقبال کے ذہن میں تھا اور نہ ہی محمد علی جناح اس بارے میں کوئی واضح تصوّر رکھتے تھے۔ اگلے سال حکیم الامت نے خطبہ الٰہ آباد میں اپنی قوم کو الگ وطن سے متعلق ایک لائحہ عمل دیا اور اسی برس محمد علی جناح کے دماغ میں جداگانہ اسلامی ریاست کی دُھن سمائی جیسا کہ آپ کے ایک انٹرویو سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔۔۔۔ سبب یہ تھا کہ اس عرصے میں آریہ سماج کی تحریک شاتمِ رسول زوروں پر تھی اور وفا کیشانِ رسول خنجر بکف تکبیر بلب گستاخانِ نبی پر جھپٹ کر تختۂ دار کی زینت بن رہے تھے۔ ان واقعات کی روشنی میں بانیانِ پاکستان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہندو مسلم اتحاد محض فریب ہے اور تقسیمِ ہند قطعاً ناگزیر ہے۔۔۔ اور یہ پہلو بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں انیسویں صدی کے دوران اپنی وفاؤں کے زرّیں باب رقم کرنے والے جمیع شہیدانِ رسالت نہ صرف حنفی المسلک تھے بلکہ وہ اعلیحضرت علیہ الرحمۃ کے فکر و عمل کے ہی دلدادہ تھے۔ غیرت مند مسلم مائیں آپ کے پیغامِ تحفّظِ ناموسِ رسالت پر ہی اپنے بیٹوں کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنا کر سوئے مقتل روانہ کرتی ہیں۔ شمعِ رسالت کے پروانے جذبۂ عشق و مستی میں فاضل بریلوی کی وجد آفریں نعتوں کو گنگناتے اور دیوانہ وار بزمِ دار و رسن کو سجاتے تھے۔ بالیقیں آپ کی آہِ سحر گاہی سے ہی حُبِّ رسول کا ایسا ایمان پرور چراغ روشن ہوا۔ یہ سلسلہ دور از کار تاویلوں کا محتاج نہیں میرے پاس تاریخی شواہد اور ٹھوس دلائل موجود ہیں۔[۳۳]

الغرض دانشور اور مورخ آپ کی خدمات کے اعتراف میں رطب اللسان ہیں۔ ایک ذمّہ دار صاحبِ قلم میاں محمد شفیع نے اپنے مشاہدات و تاثرات کے حوالہ سے لکھا ہے "۔۔۔۔۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ آل انڈیا سٹیج پر اس دل گرفتہ کے ایسے مسلمان تھے جنہوں نے رائے عامہ کو ذرّہ بھر خاطر میں نہ لاتے ہوئے ببانگِ دہل متحدہ قومیت کے خلاف اپنی زوردار آواز بلند کی" ۳۴

سیّد انور علی ایڈووکیٹ اپنی انگریزی تصنیف میں رقمطراز ہیں

(ترجمہ) "وہ (مولانا احمد رضا بریلوی) امام اہلسنت کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اسلامی مقاصد کے لئے عظیم خدمات سرانجام دیں۔ خصوصاً اسلامی عقائد کو "وہابیہ" کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچایا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کی تحریکِ گائے کی قربانی کی بندش اور برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ یہ تمام تحریکیں درحقیقت انڈین نیشنل کانگریس کی درخواست پر شروع کی گئی تھیں اور ان تحریکوں کا اصل مقصد مسلم اقلیّت کو ہندو اکثریت میں مدغم کرنا تھا۔ اس طرح درحقیقت وہ دو قومی نظریہ کے حقیقی بانی تھے، جو نظریہ بعد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بنیادی نعرہ بن گیا اور حصولِ پاکستان پر منتج ہوا۔" ۳۵ حکیم علامہ عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری کے الفاظ ہیں۔

"ان کا ملتِ اسلامیہ پر ایک عظیم احسان یہ بھی ہے کہ جب کانگریس اور ہندو نواز علمائے اکبری دَور کے گمراہ عُلماء کی یاد تازہ کر چکے تھے تو آپ نے حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ کی طرح انہیں سمجھایا اور تقریر و تحریر کے ذریعے ان کی اس اسلام دشمن روش اور اسکے نتائج سے خبردار کیا۔ جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو "المحجۃ المؤتمنۃ" کے نام سے ایک مایہ ناز تحقیقی کتاب لکھی جس میں ان حضرات کے ان دلائل کو جنہیں وہ توڑ مروڑ کر اپنے نظریۂ وطنیت کے حق میں پیش کرتے تھے، حقیقت سے بعید کر دکھایا اور شرعی دلائل سے ان نیشنلسٹ علماء کو لاجواب و عاجز کر دیا۔ یہ کارنامہ آپنے ۱۳۴۰ھ بمطابق ۱۹۲۰ء میں سرانجام دیا۔ اس وقت کے تقریباً تمام مسلمان ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور کانگریس کے ہمنوا تھے۔ آخر حالات نے ثابت کر دکھایا کہ ۱۹۲۰ء میں مولانا احمد رضا خاں کی آواز جس پر مسلم لیڈروں نے توجّہ نہ دی بالکل صحیح تھی، اور سیاسی تجربات کے بعد ۱۹۴۰ء میں اس نظریہ کو ایک

سیاسی نصب العین کے طور پر اپنانا پڑا۔ مولانا تو دینی نقطۂ نظر سے اپنا فرض ادا کر رہے تھے لیکن لیڈروں نے سیاسی مسائل پر نگاہیں مرکوز رکھیں"۔ ۳۶

پروفیسر ڈاکٹر لال بہادر آگرہ کالج (شعبہ تاریخ و سیاسیات) نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں اس کے پس منظر سے متعلق یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"یہ بات مکمل طور پر کھلے دل کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان عام طور پر کسی بھی تحریک میں غیر مسلم قیادت کو پسند نہیں کرتے تھے خواہ اس سے اُس کو کتنا ہی فائدہ پہنچتا ہو۔ وہ دراصل مہاتما گاندھی کی قیادت کی وجہ سے بہت زیادہ رنجیدہ اور ناخوش تھے۔ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا یہ نظریہ علماء کرام کی راسخ کردہ تعلیمات کی وجہ سے تھا"۔ ۳۷

اسی مقالے میں مصنف مذکور نے آگے چل کر لکھا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ) "یہ واضح طور پر محسوس کیا گیا کہ وہ علمائے کرام جو قرآن حکیم کو تمام معاملات میں آخری ہدایت قرار دیتے تھے، ایک غیر مسلم کی پیروی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ مسلمان اس بات سے خوفزدہ تھے کہ مہاتما گاندھی کی قیادت میں کہیں وہ اپنی علیحدہ شناخت نہ کھو بیٹھیں"۔

قصہ کوتاہ ان مباحث، ٹھوس دلائل، تاریخی شواہد، حوالہ جات، سیاق و سباق، مشاہدات و تاثرات، پس منظر و پیش منظر اور حقائق و واقعات کی روشنی میں ہم بلا خوفِ تردید اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بلاشبہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ مسلمانانِ ہند کی نشاۃِ ثانیہ کے نقیب، دو قومی نظریئے کے موسسِ ثانی اور تخلیقِ پاکستان کے معمارِ اوّل ہیں۔ نیز تحریکِ پاکستان میں آپ کے کردار و عمل کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ ص ۳۷۶

۲۔ مکتوبات امام ربانی جلد نمبر ۲ مکتوب ۶۸، ۹۲ ۔ ص ۱۳۸ ۔ ۱۴۲

۳۔ مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ۔ مکتوب ۶ ۔ ص ۱۷

۴۔ ماہنامہ "نور اسلام" شرقپور شریف (حضرت مجدد الف ثانی نمبر حصہ سوم) ص ۳۰

۵۔ مکتوبات امام ربانی جلد اوّل ۔ مکتوب ۸۱ ۔ ص ۱۰۶

۶۔ مکتوبات امام ربّانی، جلد اوّل ۔ مکتوب ۲۶۶

۷۔ خزینۃ الاصفیاء بحوالہ رودِ کوثر ص ۲۷۰

۸۔ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ ۔ حدائق بخشش

۹۔ رائے محمد کمال ۔ غازی علم الدّین شہید (مطبوعہ لاہور) ص ۲۳

۱۰۔ بحوالہ اکرام امام احمد رضا ۔ اخبار زمیندار لاہور ۔ اخبار تاج جبل پور ص ۱۰۸

۱۱۔ سیّد نور محمد قادری: اقبال کا آخری معرکہ مطبوعہ لاہور

۱۲۔ ارمغان حجاز (اردو نظمیں) ص ۴۹ ۔ کلیاتِ اقبال ص ۶۹۱، مطبوعہ لاہور

۱۳۔ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر ص ۱۱۵ ۔ طبع پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱۴۔ آر۔ بی مظہری، امام احمد رضا، دُنیائے صحافت میں

۱۵۔ آر ۔ بی مظہری ۔ امام احمد رضا دُنیائے صحافت میں ص ۵، ۶ ۔

۱۶۔ چوہدری حبیب احمد، بحوالہ نظریۂ پاکستان ۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم

۱۷۔ خالد لطیف گابا ۔ مجبور آوازیں ص ۱۰ ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء

۱۸۔ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت ص ۲۸

۱۹۔ غلام معین الدّین نعیمی ۔ حیات صدر الافاضل مطبوعہ لاہور ص ۱۷۳

۲۰۔ انوارِ رضا۔ ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ص ۴۸۹

۲۱۔ تحفہ حنفیہ (پٹنہ) شمارہ رمضان المبارک وشوال المکرم ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء ص ۳۹۔۴۱

THE STRUGGLE FOR PAKISTAN - PAGE 117 ۔۲۲
BY
DR ISHTIAQ HUSSAIN QURISHI.

۲۳۔ پاشا بیگم۔ اعلیٰ حضرت کی مذہبی اور سیاسی خدمات مطبوعہ ماہنامہ عرفات لاہور شمارہ اپریل
۱۹۷۰ء ص ۶۵

۲۴۔ رئیس احمد جعفری' المحجۃ المؤتمنہ' مولانا احمد رضا خاں بحوالہ اوراقِ گم گشتہ (محمد علی اکیڈمی:
لاہور: ۱۹۶۸) ص ۴۶۹، ۳۰۵:

۲۵۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف۔ الرشاد (ناشر مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۳۲)

۲۶۔ مولانا احمد رضا خاں المحجۃ المؤتمنہ ص ۸۴۔ بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
فاضل بریلوی اور ترکِ موالات مطبوعہ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

۲۷۔ المحجۃ المؤتمنہ ص ۲۷، ۴۴، ۴۵:

۲۸۔ فتویٰ اعلیٰ حضرت بحوالہ ماہنامہ "نورِ اسلام" شرقپور شریف جنوری/فروری ۱۹۸۸ء ص ۱۶۸-۱۶۹

۲۹ محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ بحوالہ یادِ اعلیٰ حضرت ص ۷۵۔ مطبوعہ لاہور

۳۰۔ مولانا محمد جلال الدین قادری خطبات آل انڈیا سنّی کانفرنس ص ۳۱۴

۳۱۔ ڈاکٹر محمد عبدالغنی: امیر حزب اللہ۔ مطبوعہ جلال پور شریف ضلع جہلم

۳۲۔ پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی (ایم۔ اے، ایم۔ ایس۔ کوئنز یونیورسٹی کینیڈا) فاضل بریلوی کے معاشی نکات۔

۳۳۔ تفصیلات کے لئے محرر سطور کی شہید سیریز ملاحظہ کریں (غازی علم الدین شہید۔ غازی میاں محمد
شہید۔ غازی مرید حسین شہید۔ دو غازی چار شہید ، ازراہِ محمد کمال) مطبوعہ ضیاء القرآن
پبلی کیشنز، داتا گنج بخش روڈ لاہور۔

۳۴۔ م۔ش کی ڈائری۔ روزنامہ "نوائے وقت" ملتان ۲۸ اگست ۱۹۸۱ء ص ۲

REAL ACHIEVEMENT OF THE HUMAN LIFE ۔۳۵

۳۶۔ اختر شاہجہانپوری۔ ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" ساہیوال ۷ فروری ۱۹۷۵ء

THE MUSLIM LEAGUE - ITS HISTORY, ACTIVITIES ۔۳۷
AND ACHIEVEMENT (PAGE 111)

امام احمد رضا کی

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

اس صفحہ ہستی پر بے شمار گوناگوں خصوصیات کی حامل شخصیتوں نے جنم لیا جن کے عظیم الشان کارناموں اور جلیل القدر احسانات کی امت مسلمہ مرہون ہے ایسی عظیم شخصیتیں نہ صرف یہ کہ اپنے زمانہ میں مرجع خلائق رہیں بلکہ آنے والی صدیوں میں بھی ان کی اہمیت بدستور باقی رہی ان کا علمی فیضان ان کے معاصرین تک محدود نہ رہا بلکہ بعد کے ادوار کے لوگ بھی ان کی علمی کاوشوں سے استفادہ کرتے رہے۔ ایسی ہی گراں قدر شخصیتوں میں امام احمد رضا خاں کا بھی نام آتا ہے زندگی کے تمام پہلوؤں میں ان کی شخصیت نمایاں اور اجاگر نظر آتی ہے جملہ علوم وفنون میں دانشوران روزگار نے ان کی تفوق کا اعتراف کیا ہے۔

آسمان شعروسخن پر عربی شعراء میں امرءالقیس، فرزدق، متنبی اور شوقی فارسی شعراء میں خاقانی حافظ، سعدی اور بہار اور اردو شعراء میں میرؔ ذوقؔ، غالبؔ، اقبالؔ کا نام آفتاب کی مانند تابندہ اور درخشندہ ہے یہ وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جن سے زبان زندہ ہے متنبی کو عربی شاعری اور حافظ کو فارسی شاعری اور غالب کو اردو شاعری سے نکال لیا جائے تو ان زبانوں کی تہی دامنی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مگر ان میں کوئی ایسا نہیں جو تینوں زبانوں کی نمائندگی کرتا ہو غالب اگر اردو کے شاعر تھے

تو عربی شاعری کی انھیں ہوا تک نہیں لگی تھی۔ حافظ اگر فارسی کے نمائندہ شاعر تھے تو اردو میں ان کا کوئی کارنامہ نہیں، متنبی اگر عربی کا شاعر تھا تو اردو فارسی شاعری تو در کنار وہ اس زبان کے ابجد سے بھی نابلد تھا، یہی شعرا کیا اگر شعر و سخن کی تاریخ دہرائی جائے جب بھی شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو بیک وقت تین تین زبانوں کی نمائندگی کر رہا ہو متعدد زبانوں کا جاننے والا تو مل سکتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ مادری زبان کے علاوہ وہ دیگر زبان میں ادبی و شعری نمونے پیش کر سکا ہو۔

شعر و سخن کی تاریخ میں چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت بہت نمایاں طور پر نظر آتی ہے انھیں تینوں زبانوں پر یکساں عبور تھا اصلاً تو وہ ہندی نژاد تھے مگر فارسی اور عربی میں اعلیٰ درجہ کی شاعری کرتے تھے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے ہندی بھاشا کی آمیزش سے نظمیں بھی لکھی ہیں۔ ایسا شخص جو تینوں زبانوں میں برجستہ شاعری کرتا ہو اور باضابطہ اس کا دیوان بھی ہو ایسے شخص کے شعری سرمایہ سے صرف نظر کرنا کہاں کا انصاف ہے

اردو ادب کی تاریخ سے متعلق چھوٹی بڑی بیشمار کتابیں منظر عام پر آئیں متعصب و غیر متعصب دونوں مورخین نے اردو ادب کی تاریخ قلم بند کی مگر کسی اللہ کے بندے سے توفیق نہ ہوئی کہ قدیم روش سے ہٹ کر ذرا دائیں بائیں بھی دیکھے شاید کوئی ایسا گوہر آبدار مل جائے جو اس کے لئے زینت قرطاس کا کام دے سکے۔ مگر ایسا کسی سے ممکن نہ ہوا صراحتاً ان کا ذکر تو در کنار اشارۃً و کنایۃً بھی نہ ہوسکا۔ اس سلسلے میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں نہ تو نعت گوئی کا کوئی حصہ ہے اور نہ ہی اس صنف کے لیے مخصوص صفحات ہیں۔ مولانا احمد رضا خان اصلاً نعت کے شاعر تھے۔ جس صنف کے یہ شاعر تھے جب اردو کے صفحات میں اس صنف کا کوئی حصہ نہیں تو اس صنف کے شاعر کا حصہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ حاصل کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں سے متعلق تو مرثیہ کے لئے اردو ادب کے صفحات میں جگہ ہے مگر اس ذات کی نعت مقدس کے لئے اردو ادب میں کوئی جگہ نہیں جن کی بے پناہ شفقتوں کے سبب امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہرتِ دوام ملی۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ چونکہ مولانا احمد رضا خاں تینوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے اس لئے ہر زبان کی تاریخ لکھنے والوں نے یہ کام ایک دوسرے کے ذمۂ کرم پر رکھ چھوڑا نتیجہ یہ ہوا کہ ان

کی شخصیت کسی کی ضبط تحریر میں نہ آسکی عربی و فارسی شاعری پر کام کرنے والوں نے جزوی طور پر تو انھیں خراج عقیدت پیش کیا مگر اردو ادب کے مورخین نے مولانا احمد رضا خاں کے معجز نما شاعرانہ کمالات سے بے اعتنائی برتی ہے جس کے سبب بعض انصاف پسند دانشوروں نے لکھا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو اردو ادب کی تاریخ میں شمار نہ کرنا ان پر سراسر ظلم ہے ۔

فاضل بریلوی صرف ایک قادر الکلام شاعر ہی نہیں بلکہ وہ بلند پایہ نثر نگار بھی تھے ۵۴ فنون پر مشتمل چھوٹی بڑی ان کی ایک ہزار تصانیف ان کی علمی عبقریت کا واضح ثبوت ہیں تاریخ اسلام میں اس جیسے عبقری کی نظیر مشکل سے ملتی ہے میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ان جیسا عالم پیدا ہی نہیں ہوا میں تو یہ کہتا ہوں ان جیسی خوبیوں کے حامل افراد کم پیدا ہوئے ہیں ان کی شخصیت کا مطالعہ کرنے والے کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نابغۂ روزگار تھے ہی نادر روزگار بھی تھے ایسے لوگ صدیوں میں جنم لیتے ہیں اور اپنے کارناموں سے پوری صدی روشن کر دیتے ہیں ۔

مولانا احمد رضا خاں کا یہ کمال نہیں کہ وہ ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ تھے یہ بھی کمال نہیں کہ وہ بہت بڑے فلسفی تھے ۔ یہ بھی کمال نہیں ریاضی و ہیئت کے آخری دانائے راز تھے یہ بھی کمال نہیں کہ فقہ میں انھیں تفوق حاصل تھا ۔ یہ بھی کمال نہیں عربی، فارسی اور اردو میں اچھی شاعری کرتے تھے کمال تو یہ ہے وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں میں شان افتخار اور اولوالعزمی کا سبب بنا کرتی ہیں ۔

شاعری جو انتہائی نازک صنف سخن ہے اس میں بھی مولانا احمد رضا خاں نے یگانۂ روزگار اساتذہ فن سے اپنی سخن وری کا لوہا منوایا اور متفقہ طور پر اس صنف نازک میں ان کی بالغ نظری کو تسلیم کیا گیا ۔ عشق و محبت اور گل و بلبل کی داستانیں تو اکثر شعراء کا سرمایہ رہیں ۔ مگر جس حسن و خوبی سے آپ نے نبھایا ہے دوسروں کے یہاں اس کی مثال مفقود ہے ۔ صنائع بدائع کا استعمال جس خوش اسلوبی سے آپ نے کیا ہے دوسرے شعراء کے یہاں کم پائی جاتی ہے ۔ شاعری کے تمام اصناف تو نہیں مگر سب سے اہم اور مشکل صنف "نعت گوئی" میں آپ نے اس طرح اپنا جوہر دکھایا ہے کہ ایک طرف شان الوہیت میں نقص اور دوسری طرف شان رسالت میں الوہیت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا ۔

"نعت گوئی" مولانا رضا کی زندگی کا ایک اہم حصہ بن چکی تھی ظاہر ہے کہ دلی جذبات اور قلبی

واردات کے اظہار کے لئے شاعری سے بڑھ کر کوئی ذریعہ بھی نہیں مولانا احمد رضا خاں کا دل عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتھاہ سمندر تھا جس میں درد و کرب اور محبوب سے ہجر و فراق کی نہ جانے کتنی لہریں تھیں انھوں نے ان جذبات کا اظہار مطلق العنان ہو کر نہیں بلکہ قرآن و حدیث اور شریعت مطہرہ کے دائرہ میں رہ کر کیا ہے جب انسان جذبات میں بے قابو ہو جاتا ہے تو نہ جانے کیا کیا کر بیٹھتا ہے مگر مولانا نے وارفتگیٔ شوق کے باوجود ہوش کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ انھوں نے ہر طرح نعت مقدس کے آداب ملحوظ خاطر رکھے ہیں پھر بھی وہ نعت میں انھیں جن مراحل سے دوچار ہونا پڑا اس کا انھوں نے بھی اعتراف کیا ہے فرماتے ہیں

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں ہے

شاید یہی وجہ ہے کہ اردو کے اعلیٰ ترین شعراء کے یہاں اس صنف کا اہتمام کم ملتا ہے فارسی شعراء میں جامی، سعدی، خسرو اور قدسی کے یہاں تو صنف نعت پر طبع آزمائی کا ثبوت مل جاتا ہے مگر اردو کے مشہور زمانہ شعراء کے یہاں اس صنف سے بے اعتنائی پائی جاتی ہے۔ مگر جن لوگوں کے یہاں اس مقدس صنف کا اہتمام ہے ان میں حسن بریلوی، آسی غازیپوری، محسن کاکوروی، امیر مینائی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری میں جو رنگ و آہنگ ہے وہ دوسرے نعت گو شعراء کے یہاں نہیں کیوں کہ انھوں نے جو کچھ لکھا قرآن مقدس کی روشنی میں لکھا۔ اور ظاہر ہے کہ عظمت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار صحیح معنوں میں قرآن ہی سے ہو سکتا ہے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

مولانا کو شعر و سخن میں کس سے شرف تلمذ حاصل تھا اس کی کہیں کوئی صراحت نہیں ملتی ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والوں میں بعض نے لکھا ہے کہ اس میدان میں وہ خود ہی استاد تھے خود ہی شاگرد، اس سلسلہ میں انھوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔ پیہم دینی مصروفیات کے سبب شاید وہ اس کے لئے وقت نہیں نکال سکے۔ ایسا نہیں بلکہ انھیں اس کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔ شاعر النبی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا عاشقانہ کلام اور محبت رسول پر جان نچھاور کر

دینے والی زندگی ان کے سامنے تھی یہی حقیقت ہیں ان کے لئے خضرِ راہ ثابت ہوا جس کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو　　نقشِ قدم حضرت حسان بس ہے

مولانا احمد رضا خاں دیگر تمام خوبیوں کے ساتھ سخن فہمی، سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے آپ نے نعت گوئی مسلک شعری کے طور پر اپنایا اور اس میدان میں خوب خوب دادِ تحسین حاصل کی آپ کی نعتیں جذبات قلب کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ ادب عشق و محبت کی آئینہ دار ہیں اس حیثیت سے اردو ادب میں آپ نعت گو شعراء کے سرتاج ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ھند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

عربی شاعری میں بھی مولانا احمد رضا خاں کو کمال حاصل تھا ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علماء کے اجتماع میں ان کے عربی اشعار پڑھے گئے تو انھوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالم دین کا لکھا ہوا ہے جب انھیں اس کی اطلاع ہوئی کہ اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا خان بریلوی ہیں جو عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں تو علمائے مصر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی زبان میں اتنے ماہر ہیں۔ وہ قصیدہ یہ تھا۔

الحمد للہ المتوحد　　بجلالہ المتفرد
وصلاتہ دوماً علی　　خیر الانام محمد
والآل والاصحاب ھم　　ماوی عند الشدائد
فالی العظیم توسلی　　بکتابہ وباحمد
وادم صلاتک والسلام　　علی الحبیب الاجود
والآل امطار الندی　　والصحب سحب عوائد
واجعل فیھا حمد رضا　　عبد بجر ز السید

ترجمہ (۱) تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں جو یکتا ہے اور جلیل القدر ہے۔ اور درود کامل ہو اس ذات گرامی پر جس کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ذات کائنات میں سب سے

افضل ہے۔

(۲) اوران کے آل واصحاب پر جو مصائب کے وقت میں ہماری پناہ گاہ ہیں۔

(۳) بس اللہ العظیم کی طرف میں دو چیزوں کو وسیلہ بناتا ہوں ایک اس کی کتاب (قرآن) اور دوسرے۔

(۴) اس کے پیارے نبی جن کا اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۵) اور اے اللہ تو اپنا درود وسلام اپنے سب سے زیادہ سخی اور کرم والے نبی پر قائم ودائم رکھ۔

(۶) اوران کی اولاد پر جن کی حیثیت باران رحمت کی ہے اوران کے اصحاب پر جن کی حیثیت نفع بخش بادل کی سی ہے

(۷) اور اس میں سے احمد رضا کو بھی بنالے تو ایک ایسا بندہ جو اپنے سردار کی حفظ وامان میں ہو۔

مولانا احمد رضا خاں کے عربی کلام میں ڈاکٹر حامد علی خاں سابق ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بقول۔ جزالت انسجام سلاست وسادگی اور بے ساختگی وروانی پائی جاتی ہے عربی تراکیب کی بندش اور مناسب و برمحل الفاظ کے استعمال پر آپ کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تشبیہات واستعارات وغیرہ لفظی ومعنوی صنائع ضرب الامثال کا بے تکلف اور مناسب انداز میں استعمال ہے آپ کا کلام تصنع اور شعری عیوب سے پاک ہے آپ نظم میں مشکل پسندی کے قائل نہیں تھے اور زیادہ تر برجستہ ہی موزوں ومقفیٰ لکھتے تھے۔ [انوار رضا ص ۳۸ ۵]

فاضل بریلوی کو رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ لگاؤ تھا جسے ان کے عوامل نعت گوئی میں فوقیت حاصل ہے یہی وہ بادہ حب مصطفےٰ کا خمار ہے جو لباس کا لبادہ اوڑھ کے نوک قلم پر آجاتا ہے اور جب ارتقائے گذر کرانا من نور اللہ کی سرحدوں تک آجاتا ہے تو برش میں ان کی جلوہ نمائی ہوجاتی ہے:

زعکست ماہ تاباں آفریدند	ز بوئے تو گلستان آفریدند
برائے جلوہ یک گلبن ناز	ہزاراں باغ و بستان آفریدند

زلعل نوشخندِ جاں فزایت　　　زُلالِ آبِ حیواں آفریدند

(۱) انوار رضا ص ۵۳۸

بنا کردند تا قصرِ رسالت　　　زِ شمع شبستاں آفریدند

زحسنت تا بہارِ تازہ گل کرد　　　رضایت را غزل خواں آفریدند

ترجمہ (۱) یا رسول اللہ انجمن عالم کو روشن کرنے والے ماہ تاباں کا وجود آپ کے عکس کا صدقہ ہے اس کی تمام ترچمک آپ کے نور سے مستعار ہے اور کونین کو معطر کر دینے والی گلستاں کی بہار آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو کے طفیل ہے۔

(۲) خلاق دو عالم نے سرور کائنات کے گلستان ناز و ادا کے ایک جلوے سے ہر قسم کی خوشبوئیں اور ہزاروں گلشن پیدا فرمائے درحقیقت یہ شعر لولاک لما خلقت العالم کی مکمل طور سے عکاسی ہے

(۳) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لبہائے مبارک حیات بخش شربتِ تبسم سے پانی کو قدرت نے ایسی صفت بخشی ہے کہ اس کو پی لینے سے قیامت تک کی زندگی حاصل ہوتی ہے جس کو آبِ حیات کہتے ہیں۔

(۴) یعنی جب قصرِ رسالت کی بنیاد پڑی ہے اسی وقت سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک شمع شبستاں نبوت بنا ہوا ہے۔

(۵) یا رسول اللہ آپ کے حسن کی تازہ بہار نے جب سے گلوں کو شگفتگی بخشی ہے آپ کے رضا کو بھی غزل خوانی کے لئے متعین فرمالیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کی فارسی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر وحید اشرف مدراس یونیورسٹی فرماتے ہیں

"جہاں تک فارسی شاعری کا تعلق ہے تو اس میں وہ اعلیٰ درک رکھتے تھے ان کی اردو فارسی شاعری حمد، مناجات، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے اس میں ہیئت کے اعتبار سے غزل اور رباعی شامل ہیں ان اشعار کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ وہ ہر صنف سخن پر پوری قدرت رکھتے تھے اور شاعرانہ ذوق و فکر و فن سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔" (انوار رضا ص ۵۴۸)

امام احمد رضا بلاشبہ چودھویں صدی ہجری کے ایک عظیم نعت گو شاعر تھے عربی، فارسی، اردو، ہندی بھاشا میں الگ الگ شاعری کی ہے مگر ان تمام زبانوں کو ایک ساتھ مربوط کر کے بھی اس طرح عشق

مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راگ الاپے ہیں کہ الفاظ کے زیر و بم میں ذرہ برابر نشیب و فراز کا وہم نہیں گزرتا ان کا یہ کلام ان تمام زبانوں کا ایسا سنگم ہے جس کی مثال اردو ادب کی تاریخ میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتی اس نعت کے چند بند درج ذیل ہیں۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِی نَظَرٍ	مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے کو سوہے	ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
لَکَ بَدْرٌ فِی الْوَجْہِ الاَجْمَلُ	خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل	رحمت کی بھرن برسا جانا
یَا قَافِلَتِی زِیْدِی اَجَلَکَ	رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک	طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

الغرض مختلف زبانوں کا مجموعہ ہونے کے باوجود نظم کی بندش، تسلسل اور موزونیت بدستور باقی ہے امام احمد رضا میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جس کے سبب کچھ دانشوروں نے ان کو متقدمین کی صف میں لا کھڑا کیا ہے ان خوبیوں میں ان کے شعری خصائص بھی ہیں ان کی شعری خصوصیت کے وہ تخلیقی عناصر جس نے ایک ہمہ گیر کیفیت اور ایک مخصوص قسم کی گوناگونی اور رنگارنگی پیدا کر دی اور جس نے ان کو ان کے ہمعصروں سے زیادہ دل آویز، باعث کشش اور جاذب نظر بنا دیا ان کی شخصیت میں جو جامعیت، سرفرازیٔ فکر و خیال سوز و درد کشش اور جاذبیت نظر آتی ہے ان کا تعلق ان کی زندگی کے اس رُخ سے ہے جسے ہم حُبِ صادق اور عشقِ مُصطفیٰ کہہ سکتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے بنانے اور سنوارنے میں صرف عصرِ حاضر کی دانش گاہ اور مردم سازی کا ہاتھ نہیں ہے جس میں داخل ہو کر وہ علوم عصریہ اور دیگر علوم و افکار تہذیب و تمدن کے ماہرین میں انفرادی شخصیت کے مالک ہوئے بلا شبہ وہ متعدد فنون میں یگانہ روزگار تھے اگر اس عبقریت کے باوجود موجود دانشگاہوں سے استفادہ کرتے اور اس سے فیضیاب ہوتے رہتے تو آج وہ ہمارا موضوع سخن نہیں بن سکتے اور نہ ادب اسلامی، روحانی افکار و آرا اور جزم و یقین کا سرمایہ ان کے شعر و ادب کے نغموں سے گونجتا اور نہ وادیٔ بطحا میں ان کی علمی صدارت اور فکری زعامت کا بول بالا ہوتا دانشوروں کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شخص درس و تدریس، تصنیف و تالیف کی وجہ سے عروج و ارتقاء کی اس منزل پر نہیں پہنچ سکا جس پر احمد رضا خان متمکن تھے۔ علوم و فنون کی علمی

موشگافیوں تک اپنی دلچسپیوں کو محدود رکھتے تو زیادہ سے زیادہ ایک بلند پایہ مصنف، علوم حاضرہ کے ماہر صاحبِ طرز ادیب یا ایک اچھے شاعر ہوتے اور بس، لیکن آپ یقین کیجئے کہ اگر ان میں سے کچھ بھی ہوتے تو زمانہ انہیں ویسے بھی بھلا دیتا جس طرح دُنیا کے عبقری علماء، ادبا، شعراء کو آج زمانے نے گوشۂ گمنامی میں ڈال رکھا ہے مگر ان کی ذہانت، فطانت، ذکاوت، عبقریت اور ان کا زندہ جاوید پیغام ان تمام فضائل حسنہ کا سبب ایک دوسری دانشگاہ ہے جس میں ان کی نشوونما ہوئی۔ وہ ایسی دانشگاہ ہے جہاں صرف آئمۂ فن، مجتہدین، واضعین علوم قائدین فکر و اصلاح اور مجددین امت ہی پیدا ہوتے ہیں وہ جو کچھ لکھتے ہیں اس کے سمجھنے میں طلبہ اور پڑھانے میں اساتذہ مشغول رہتے ہیں۔ ان کی تصانیف کی شرحیں لکھی جاتی ہیں ان کے اجمال کی تفصیل و توضیح ہوتی ہے وہ ایسی دانشگاہ ہے جہاں تاریخ پڑھائی نہیں جاتی بلکہ تاریخ وہیں سے جنم لیتی ہے وہ نظریات کی تشریح نہیں ہوتی بلکہ نظریات وہیں جنم لیتے ہیں دراصل وہ دانش گاہ ایک داخلی دانشگاہ اور ضمیر و وجدان کا دبستان ہے جس میں انھوں نے برسوں زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے اگر اس دانش گاہ میں وہ پروان نہ چڑھے ہوئے ہوتے تو ان کا شعور و وجدان اس قدر شعلۂ جاں سوز نظر نہ آتا اور نہ ان کا آتشیں پیام قلب و نظر کے لئے سوز جاوداں ثابت ہوتا وہ تخلیقی عناصر جنھوں نے ان کی شخصیت کو شرف قبولیت عطا کی وہ اسی دانش گاہ میں حاصل ہوئے یوں تو ان کی پوری شاعری امتیازات و خصائص سے لبریز ہے مگر زیر نظر مقالے میں ان کی شاعری کے اس انفرادی رُخ کی نشاندہی کی گئی ہے جس نے ان کی شاعری کو اوج کمال پر پہنچایا ان میں حب صادق، اقتباس نصوص، عرفان نفس، خودداری اور آہ سحر گاہی بطور خاص قابل ذکر ہے۔

حبِّ صادق!

مولانا احمد رضا خاں کی شاعری میں حب صادق اور عشقِ حقیقی ایسا عنصر ہے جس نے ان کو دوسرے شعراء سے ممتاز کیا ان کی نگاہ ناز میں حب صادق اصل حیات ہے جس پر ممات حرام ہے زمانہ کا سیل رواں بہت تند و سبک خرام اور تیز گام ہے جس کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی لیکن عشق و محبت اس کے مقابلے میں آ کھڑے ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ خود بھی سیلاب ہیں اور سیلاب ہی سیلاب کو روک سکتا ہے محبت کی تجلی آسمانی رسالتوں اور نبوی تصورات سب میں مشترک ہے اور مرقع عالم میں فرح و سرور کی نمود ہے اور محبت ہی وہ شراب طہور ہے جس سے سرشار ہو کر عارف دنیا و مافیہا سے

بے خبر اور عاشق نغمہ سرا ہو کر اٹھتے ہیں اور محبت کبھی منبر و محراب کی نقیب کبھی حکیم نکتہ داں کبھی قائد جنگ و جہاد اور کبھی فاتح اقوام و امم بن کے سامنے آتی ہے محبت کے ہزاروں رنگ و آہنگ ہیں محبت ازل کی مسافر ہے محبت ہی زندگی کی بانسری ہے جس سے نغمہ و آہنگ نکل نکل کر عالم کو مسحور کئے ہوئے ہیں محبت ہی سے دنیا میں روشنی، گرمی، حرکت، حرارت اور زندگی کی امنگ و ترنگ ہے ایک محب صادق اپنے محبوب کی بارگاہ میں نغمۂ محبت اس طرح چھیڑتا ہے۔

الروح فداک فزد حرقا — یک شعلہ دگر برزن عشقا

مورا تن من دھن سب پھونک دیا — یہ جان بھی پیارے جلا جانا

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

پیش نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

ان اشعار کے ہر ہر لفظ میں الفت و محبت کا سمندر موجزن ہے خاص کر اخیر شعر میں ایک بند کا دوسرے بند سے تقابل کر کے وہ معنی پیدا کیا ہے جو غایت محبت پر دال ہے مثلاً وہاں حسن یہاں نام وہاں کٹنا جو عدم ارادہ پر دلالت کرتا ہے یہاں کٹانا جو قصد و ارادہ ظاہر کرتا ہے وہ مصر یہاں پورا عرب جن کی سرکشی و خودسری زمانہ جاہلیت میں مشہور تھی۔ وہاں انگشت یہاں سر وہاں زناں یہاں مرداں وہاں انگلیاں کٹیں جو ایک مرتبہ کے وقوع کو بتاتا ہے یہاں کٹاتے ہیں جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اس طرح ان کی مکمل شاعری عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کی شاعری کا جائزہ اگر قدیم تنقید نگاری کے اصول کو مد نظر رکھ کر کیا جائے تو متفقہ طور پر انھیں فحول شعراء کی صف میں قرار دینا ہوگا مثلاً ابن قتیبہ (متوفی ۸۸۹ھ) کے یہاں ایک اچھے شاعر کی پہچان حسن الفاظ اور حسن معانی کا اختیار ہے اور انھیں عوامل کو مد نظر رکھ کر وہ فن کار کو تنقید کی کسوٹی پر کھڑا کرتے ہیں ابن اسلام الجمحی (متوفی ۲۳۲ھ) نے تو مقدار

کو چھوڑ کر قدر (QUALITY) کو افضل مانا ہے۔ درج ذیل شعر ان کے عشق حقیقی کا بہترین نمونہ ہے فرماتے ہیں:

رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشک ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اس میں آپ نے ایک نسبت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے چونکہ یہ نسبت ایک ایسی جہت کا ردِ عمل ہے جو ماورائے فطرت (METAPHYSICAL) ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے ہماری عام زبان تراشی نہیں گئی ہے لیکن شاعر کا شعر اس کی کیفیت کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کو رائج زبان میں ادا کرے لیکن چونکہ ایسا کرنے سے عاری ہے اس لئے وہ تشبیہات واستعارات کی زبان تراشتا ہے چنانچہ اس شعر میں شاعر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخ کو منظم شکل میں پیش کرنا چاہتا ہے یہ وہ شکل ہے جو جذبات اور عقیدت نے ان کے دل میں تراشی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ دن اور مہر سما سے ان کے رُخ کی نمائندگی ہو سکتی ہے اور شب، مشک ختا ان کی زلف کے لئے بہتر لفظ ہو سکتا ہے لیکن پھر انہیں احساس ہوتا ہے کہ میرے عقیدت کی تراشی ہوئی شکل اس سے اور بھی منفرد ہے چنانچہ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں کہہ کر اپنی اس تشنہ تصویر کو قاری کے فیصلے پر چھوڑ دیتے ہیں اب جہاں تک جدید ناقد کا تعلق ہے تو وہ داخلی فنکاری کے بجائے خارجیت پر زور دیتا ہے اور فنی کاریگری کے لئے تشبیہات واستعارات (SEMILIES) کو بے حد اہم قرار دیتا ہے اگر فنی کاریگری کے اس طریقۂ دراست میں ان کا مطالعہ کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ انہیں الفاظ کے بطون پر کامل گرفت حاصل تھی الفاظ جو کھیلتے ہیں الفاظ جو خوابوں میں تراشی ہوئی تصویروں کی عکاسی بھی کرتے ہیں

سرتا بہ قدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

یہ شعر تشبیہات واستعارات کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ حبِ صادق کی بھرپور نمائندگی بھی کرتا ہے انھوں نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عضو کو پھول سے تشبیہہ دے کر مکمل شعر کو پھول بنا دیا ہے۔

اقتباس نصوص!

امام احمد رضا خاں کی شاعری کے سلسلے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مکمل قرآن و حدیث کا ترجمہ ہے جس کا ذکر اجمالاً گذر چکا ہے قرآن مقدس سے استشہاد اور اس کا ترجمہ ان کی شاعری کا وہ اہم انفرادی رُخ ہے جس نے خوابیدہ کل کو نجم سہیل کی طرح تابندہ بنایا جس نے پژمردہ پنکھڑیوں کے پردہ اضمحلال کی نقاب کشائی کی جس میں انسانیت کے رموز مضمر و مستتر ہیں جس میں معاشرت روما نیت اور تہذیب و تمدن کے برگ و بار مخفی ہیں ان کا کلام کلام اللہ کے رموز کا مخزن ہے بلاشبہ وہ نا معلوم اور طویل مدت تک زندہ و تازہ رہے گا کیونکہ وہ حسین شاعری میں ڈھل چکا ہے۔ اسلامی عقائد شعائر اور روایات کا جس عالمانہ عارفانہ اور شاعرانہ انداز سے اپنے بہترین کلام میں وکالت کی ہے اور لعل و گہر کو حسین لڑی میں پرو دیا ہے وہ کلام میں کہکشاں کی طرح نمایاں ہے۔

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خَلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہُوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

مولانا احمد رضا اپنے اس کلام سے ایمان و یقین کو ترو تازہ بنا رہے ہیں اور اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اے اُمّتِ مسلمہ اگر تم عصائے موسوی اور ید بیضا کی خصوصیات سے آشنا ہونا چاہتے ہو تو "انک لعلی خلق عظیم" سے سبق حاصل کرو اور پیکر خلق نبوی بن جاؤ اور دوسری طرف مذاہب باطلہ کا دنداں شکن جواب دیتے ہوئے اس آیت کریمہ یعنی "ما ھذا الا بشر مثلکم" اور دوسری جگہ قالوا ما انتم الا بشر مثلنا"، کی طرف اپنے کلام "کوئی تجھ سا ہُوا ہے نہ ہوگا شہا" سے اشارہ بھی فرماتے ہیں۔ بلاشبہ ان کا یہ کلام اور ان کی یہ شاعری شاعری نہیں بلکہ ساحری ہے انھوں نے دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے ایک بحر بیکراں اور اتھاہ سمندر کو سمیٹ کر اسے ایک شعری جامہ پہنا دیا ہے جیسا کہ اس شعر سے جو تین آیتوں کی بیک وقت ترجمانی کرتا ہے بخوبی واضح ہے۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

اس شعر میں لا اقسم بھٰذا البلد و انت حل بھٰذا البلد اور وقیلہ یارب ان ھؤلاء قوم لا یومنون اور لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون کا مفہوم اور ان کی تشریح عیاں ہے۔

دوسری جگہ اپنی شاعری میں تقلیب قبلہ کے مسئلہ کو کس طرح حل فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

عشاق روضہ سجدے میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

فاضل بریلوی نے اس شعر میں جس مفہوم کی نشاندہی کی ہے وہ عیاں ہے یعنی عاشقان رسول کا اپنا جی تو یہی چاہتا ہے کہ روضۂ اطہر کی طرف سجدہ کا حکم ہو مگر شریعت نے اس سے منع کیا ہے اور کعبہ معظمہ قبلہ قرار دیا گیا تو تعمیل حکم کی خاطر سر کعبہ معظمہ ہی کی طرف جھکے مگر خدا عالم الغیب والشہادہ ہے وہ دل کے حالات اور اس کی خواہشات سے باخبر ہے تو ایسے عالم میں ان عشاق کی حالت وہ تھی جو سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف حکم سجود ہونے میں مسلمانوں کی تھی جو تعمیل حکم رب کی خاطر بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے اور دل میں خواہش یہی ہوتی کہ مکہ معظمہ قبلہ قرار دیا جائے "قال اللہ تعالیٰ" فلنولینک قبلۃ ترضٰھا ،، (آپ کی رضا کی خاطر ہم قبلہ کو بدل دیں گے) وہ کسی وقت اپنے محبوب سے جدائی نہیں چاہتا ہے اور عشاق خوب جانتے ہیں

"کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک ظل"

کعبہ بھی انھیں کے نور سے بنا انھیں کے جلوے نے کعبہ کو کعبہ بنایا تو حقیقت کعبہ وہ جلوۂ محمدیہ ہے جو اس میں تجلی فرما ہے وہی روح قبلہ اور اس کی طرف حقیقتاً سجدہ ہے۔

معانی اور مفاہیم کے علاوہ قرآنی الفاظ کو بھی انھوں نے اپنے اشعار میں جگہ دی ہے اور جس خوش اسلوبی کے ساتھ اسے نبھایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی ایسا لگتا ہے کہ زبان و بیان میں حد درجہ ہم آہنگی ہے عربی زبان کو اردو زبان کی سنہری لڑی میں پرونے کا شائبہ بھی حاشیہ خیال میں نہیں گزرتا دیکھئے ان کی شاعری قرآن و حدیث اور اخبار و آثار کی زنجیروں میں کس طرح جکڑی ہوئی"

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ — حق بمودت چہ پاسداریہا
ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر — بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا
لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق — مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں — بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں
مَن زارَ تُربَتِی وَجَبَت لَہٗ شَفَاعَتِی — ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے
ان پر کتاب اتری بیاناً لِکُلِّ شَیٍٔ — تفصیل جس میں ماعبر و ماغبر کی ہے

عرفان نفس!

مولانا احمد رضا خاں کی شاعری میں خود شناسی اور عرفان نفس کا عنصر بھی بدرجہ اتم ہے اس انفرادی رُخ کا ان کی شخصیت میں بڑا دخل ہے اس پر انھوں نے بہت زور دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جب تک عرفان نفس ذات حاصل نہ ہو اس وقت تک زندگی میں نہ سوز و مستی ہے اور نہ جذب و شوق انھوں نے اپنی مکمل سوانح رباعی کے اس چار شعر میں سمیٹ کر رکھ دی ہے فرماتے ہیں۔

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن　　　نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذَمی
منم و کنج خمولے کہ نگنجد دروی　　　جُز من و چند کتابے و دوات و قلمی

ترجمہ! نہ تو میں داد و تحسین سے خوش ہوتا ہوں اور نہ طعن تشنیع سے ناراض ہوتا ہوں نہ کسی کی تعریف پر کان دھرتا ہوں اور نہ کسی کی مذمت پر میں توجہ دیتا ہوں میں ہوں اور ایک گوشۂ تنہائی ہے اور اس میں چند کتابیں و دوات قلم ہے۔

مولانا احمد رضا کے نزدیک، خودی، عرفان نفس، خود شناسی اور خود آگاہی انسان کو اسرار شاہنشہی سکھلاتے ہیں عطار ہوں یا رومی، رازی ہوں یا غزالی بغیر عرفانِ نفس کے کسی کو کچھ نہیں حاصل ہوا حقیقت تو یہ ہے انسان حصول عرفانِ نفس کے بعد ہی جرأت سے اس بات کا اظہار کر سکتا ہے جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تصور خودی ان کے اندر اس قدر رچ بس گیا کہ مکمل زندگی عرفانِ نفس کا زندہ نمونہ بن گئی یہی وجہ ہے کہ تصور خودی، خودداری اور خود اعتمادی کے نقوش بہت اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا ثبوت ان کے دیوان سے بخوبی فراہم ہوتا ہے۔

بس خامۂ خامِ نوائے رضاؔ نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

اس بات پر ارباب علم و دانش کا فیصلہ ہے کہ اگر ذی ہوش انسان ان کے کلام کا تہ دل سے مطالعہ کرے تو وہ انسان ایمان و یقین کی دولتوں سے ضرور بہرہ ور ہوگا مقام انسانیت سے غافل

رفعت و شرافت سے ذلیل اور جواہر انسانیت سے ناواقف انسان کو اور اس کی سوئی ہوئی خودی کو اپنے کلام سے بیدار کر دیا اور بلندی کا ترانہ سکھایا وہ انسان جو احساس کمتری اور مایوسی کا شکار تھا اسے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (۱) کا جام طہور پلایا الغرض ان کی شاعری نے معاشرہ میں ایک نیا رجحان پیدا کر دیا یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ عام ادبا، شعرا، مصنفین کو بھی دو چیزیں یعنی خودی اور عرفان نفس ہر موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے آمادہ کرتی ہیں اگر اس سے بھٹکے تو انھیں کوئی دوسرا مشعل راہ اور مشعل ہدایت نہیں مل سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک پیدائشی شاعر تھے ان کی شاعری رستے ہوئے قلب، پر جوش و پر سوز دل معانی کی معنویت اور الفاظ کی شوکت کی آئینہ دار تھی وہ ایک قادر الکلام ماہر فن شاعر تھے ان کے ہمعصر شعرا انکی امامت اور کلام میں اعجاز کے قائل تھے بلکہ زبان و تراکیب، معانی افکار، جدت تشبیہ ہر چیز سے متاثر تھے۔

آہ سحر گاہی!

امام احمد رضا کی شاعری کا چوتھا انفرادی رُخ جس نے ان کی شخصیت کو پروان چڑھایا اور ان کی شاعری کو نت نئے معانی و افکار کی جولانی عطا کی وہ آہ سحر گاہی ہے جس نے کو ایک ایسی فکری غذا عطا کی تھی جس سے وہ نشاط میں آ کر اپنے اصحاب کو نیا نیا شعر سناتے تھے جس سے انسان کو ایک نئی قوت، نئی روشنی اور ایک نئی زندگی ملتی تھی اس آہ سحر گاہی کا کرشمہ تھا کہ عطار رومی اور غزالی اپنے دور میں مرجع خلائق بنے رہے۔ اور گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے رہے علامہ اقبال کے یہاں یہ مفہوم اس طرح ملتا ہے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی — کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے بے آہ سحر گاہی

آہ سحر گاہی کے بارے میں دور جدید کے مشہور شامی ادیب خلیل مردم بک (مرحوم) کا خیال ہے کہ شاعر جب نظم گوئی کے لئے مناسب وقت اختیار کرتا ہے اور ایک سچے شاعر کے لئے سب سے زیادہ مناسب وقت تہائی رات ہے جب کہ کائنات کی ہر چیز ساکن و ساکت اور حرکت سے بے نیاز ہوتی ہے یہی وہ وقت ہے جب نفس اشارات غیبی اور نفحات الہامی وصول کرنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔!

هبط الوحي عليه — من سموات الخيال — في الظام

فاضاءت جانبيه — ربه السحر الحلال — بالكلام

خریکی ولہ لما تجلت صفحات

(کتاب الاعرابیات ص ۱۹ دمشق ۱۹۶۵ء)

خیالوں کے آسمانوں سے اندھیروں میں اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور صبح کی شادابی اس کے جواب الہامات کی ساعت کے لئے خوشگوار و منور کر لیتی ہے تو اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں اور اس کے لئے الہامی باتیں روشن ہو جاتی ہیں

آہ سحر گاہی کا مفہوم خود اسی لفظ سے عیاں ہے یقیناً ایک عاشق صادق صبح صادق کے پر سکوت ماحول میں جب اپنے میلان قلب کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں عجز و نیاز کے ساتھ آرزوؤں کا طومار لیکر حاضر ہوتا ہے تو اجابت خود بڑھ کر اس کی دستگیری کے لئے حاضر ہو جاتی ہے یہی محب صادق جب اس طرح مسلسل عشق خدا کی بھٹی میں اپنے کو تپاتا ہے اور ہمہ دم دل و دماغ اور قلب و نظر کی توجہات کو کرم خداوندی کی طرف مبذول کرتا ہے تب کہیں جا کر اس شعر کا صحیح مصداق اپنے کو پاتا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے　　پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

جب عاشق صادق ان خصوصیات کا حامل ہو جاتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر عشق و ایمان کی کرنیں محیط ہو جاتی ہیں پھر جب وہ بے اختیار عالم کیف و سرور میں کچھ کہتا ہے تو اس میں ایک سوز درد اور تڑپ کی سی کیفیت ہوتی ہے جس سے سننے والے ذہن بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شاعری ایسے تاثرات سے لبریز ہے خصوصاً نعتیہ شاعری میں جا بجا اس کی جھلک پائی جاتی ہے بارگاہ رسالت میں اپنی بے کسی اور ناتوانی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے　　میرا ہے کون تیرے سوا آہ بے خبر

پُر خار راہ برہنہ پا تشنہ آب دور　　مولیٰ پڑی ہے آفت جانکاہ بے خبر

اسی طرح پوری نعت میں یکسوئی اور درد ملتا ہے بلاشبہ ایک سچا عاشق رسول جب یہ کچھ کہتا ہے تو اس کلام سے اسی طرح خلوص و محبت کی بو آتی ہے وہ اپنے درد کا مداوا غمخوار اور انیس بیکساں ہر آن رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں کیونکہ اس پر آپ کا یقین کامل ہے

انھیں کی بُو مایۂ سمن ہے انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انھیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

اور دوسری جگہ لولاک لما خلقت الافلاک کی ترجمانی اس طرح فرماتے ہیں۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

مولانا احمد رضا خان نے شاعری کو آہ سحر گاہی، حب صادق، عرفان نفس اور دیگر اسی طرح کی نمایاں خصوصیات سے مزین کیا ہے جس کی وجہ سے یہ لکھے بغیر قلم نہیں رکتا کہ انھوں نے عشق کو نئی زندگی عطا کر دی، جنون محبت کو دوام عطا کر دیا اور جہاں قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا ہونا تو کجا اس کی مدت کا کم ہونا بھی ممکن نہیں بلاشبہ وہ اس شعر کے صحیح مصداق ہیں۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم — جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مقالے کا اختتام مسلک اہل حدیث کے علمبردار پروفیسر محی الدین الوائی ازہر یونیورسٹی کے اس مقالے کے ایک اقتباس کے ترجمے سے کر رہے ہیں جو "صوت الشرق" فروری ۱۹۷۰ء میں "شخصیات اسلامیہ من الھند" کے عنوان سے چھپ کر اہل علم تک پہنچ چکا ہے مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیقات علمیہ و نازک خیالی نہیں پائی جاتیں لیکن مولانا احمد رضا کی ذات گرامی اس تقلیدی نظریہ کے عکس پر بہترین دلیل ہے آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر آپ کے دیوان حدائق بخشش، حدائق العطیات، و مدح رسول بہترین شاہد ہیں اس کے علاوہ فلسفہ، علم فلکیات، ریاضی، اور دین و ادب میں آپ برصغیر میں صف اول کے ممتاز علماء اور شعراء میں تھے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

برادر دینی ویقینی مولوی سید عرفان علی صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مولیٰ عزوجل مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور مدارجِ عالیہ بخشے اور آپ سب صاحبان کو صبر و اجر عطا کرے۔ اسی کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے جس میں کمی بیشی نامتصور ہے اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا، بے صبری سے، جانے والی چیز واپس آئے گی؟ ہرگز نہیں مگر مولیٰ تبارک وتعالیٰ کا ثواب جائے گا، وہ ثواب کہ لاکھوں جانوں کی قیمت سے اعلیٰ ہے، کیا مقتضائے عقل ہے کہ کھوئی ہوئی چیز ملے بھی؟ نہیں اور ایسی عظیم ملتی ہوئی دولت خود ہاتھ سے کھوئی جائے۔ صابروں کو اجر، حساب سے نہ دیا جائے گا بلکہ بے حساب! یہاں تک کہ جنہوں نے صبر نہ کیا تھا، روزِ قیامت تمنا کریں گے کاش! ان کے گوشت قینچیوں سے کتر جاتے اور یہ ثواب پاتے۔

دوسرے کے جانے کی فکر اس وقت چاہئے کہ خود جانا نہ ہو اور جب اپنے سر پر بھی جانا رکھا ہے تو اس کی فکر چاہئے کہ جانا اچھی طرح سے ہو کہ وہاں مسلمان عزیزوں سے نعمت کے گھر میں ایسا ملنا ہو کہ پھر کبھی جدائی نہیں لاحول شریف کی کثرت کیجئے اور ساٹھ بار پڑھ کر پانی پر دم کرکے پی لیا کیجئے۔ آپ بفضلہ تعالیٰ خود عاقل ہیں ان کو ہدایتِ صبر کیجئے۔ سب کو سلام و دعا۔ والسلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ
۱۸ر شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

ڈاکٹر حسن رضا اعظمی

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری قدس سرہٗ

(۱۳۰۳ھ/۱۳۸۲ھ)

ملک العلماء محمد ظفر الدین قادری بن الملک منشی محمد عبد الرزاق بن کرامت علی بن غلام قادر بن ملک سعادت یار بن ملک تا نار بن ملک بہار الدین بن ملک محمد اسماعیل بن الٰہ داد بن ملک غلام محی الدین عرف گدن بن ملک خطاب الملک بن ملک علاء الدین علاء الملک بن داؤد بن ملک حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی عرف ملک بو شہید بن حضرت سید ابوبکر بن سید ابوالقاسم عبد اللہ بن سید محمد فاروق بن سید ابو منصور عبد الاسلام بن سید عبد الوہاب بن غوث الثقلین و غیث الکونین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارھم ونفعنا اللہ ببرکاتہم۔

سلسلۂ نسب کے تیسویں بزرگ مدار الملک سید ابراہیم عرف ملک بو کا سلسلہ بہار میں کافی پھیلا ہوا ہے۔ عالم اسلام کے مشہور بزرگ اور معقولی اور اصولی عالم حضرت ملا قاضی محب اللہ بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب مسلم العلوم و مسلم الثبوت اسی خاکدان کے نامور فرزند تھے۔ پروفیسر ابوبکر احمد حلیم پرو وائس چانسلر علی گڈھ اور نامور سیاسی قائد و ماہر قانون مسٹر محمد یونس، بیرسٹر سابق وزیر اعلیٰ بہار اسی خاکدان سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۴ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ کو مولانا ظفر الدین بہاری موضع رسول پور میجرہ ضلع پٹنہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنی تعلیم کے سلسلے میں مولانا خود تحریر فرماتے ہیں اس دور انگریزی میں کہ ہر شخص سلطنت کی زبان سیکھنے سکھانے کا گرویدہ ہے

حضرت عزت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہزار ہزار شکر کہ اس نے میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو مجھے مذہبی عربی تعلیم دلانے کی توفیق بخشی باوجودیکہ بعض خاص عزہ واقارب نے حد سے زیادہ اصرار کیا کہ زمانہ انگریزی سلطنت کا ہے۔ اپنے بچہ کو انگریزی تعلیم دلوایئے مگر انھوں نے پرواہ نہ کی اور مجھے مذہبی عربی تعلیم کی طرف متوجہ فرمایا۔[1]

بروز اتوار شوال ۱۳۱۳ھ مدرسہ حنفیہ غوثیہ موضع بین ضلع پٹنہ میں والد مکرم نے داخلہ کرایا۔ حضرت مولانا معین الدین ازہراور حضرت مولانا بدرالدین اشرف اساتذۂ مدرسہ ہذا نے بڑی دلچسپی اور انہماک سے آپ کی تعلیم کی طرف توجہ دیں متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی مرحوم رئیس لودی کٹرا پٹنہ سیٹی المتوفی ۱۳۲۶ھ کے قائم کردہ دارالعلوم حنفیہ بخشی محلہ پٹنہ میں داخل ہوئے اس وقت شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۲۲ھ صدارت تدریس کی مسند پر رونق افروز تھے محدث سورتی علیہ الرحمہ امام الحدیث حضرت مومن احمد علی محدث سہارنپوری المتوفی ۱۲۹۷ھ استاذالعلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی المتوفی ۱۳۳۴ھ کے نامور شاگرد تھے۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی المتوفی ۱۳۱۳ھ سے اجازت وخلافت بھی حاصل تھی مولانا ظفرالدین بہاری ۱۳۱۷ھ تک یہاں مصروف تعلیم رہے آپ پٹنہ سے حصول تعلیم کے لئے کانپور پہونچے اور استاذ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہٗ المتوفی ۱۳۱۲ھ سے علوم وفنون کی امہات الکتب کا درس لیا۔ حضرت مولانا شاہ عبداللہ کانپوری المتوفی ۱۳۴۳ھ سے ہدایہ آخرین تحقیق سے پڑھی اور مولانا قاضی عبدالرزاق کانپوری علیہ الرحمہ المتوفی ۱۳۲۶ھ سے کتب حدیث میں استفادہ کیا۔

---

[1] دیباچۂ حیات اعلیٰ حضرت

کانپور سے پھر اپنے مشفق استاد حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت پہونچے جہاں وہ پٹنہ سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی جن کا محدث سورتی اپنے درس کے دوران بار بار ذکر کرتے جس سے آپ کا اشتیاق بڑھا اور ۱۳۲۲ھ ہی میں فاضل بریلوی کی خدمت میں بریلی پہونچے۔ فاضل بریلوی کی تصنیفی مصروفیات اور افتاء وغیرہ شدید بار کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں رہنا پڑا اور دارالافتاء رضویہ میں حاضر ہوکر مشق افتاء کرتے رہے آپ کے ساتھ آپ کے ہم وطن حضرت مولانا سید شاہ عبدالرشید عظیم آبادی علیہ الرحمہ والرضوان بھی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ مستقل طور پر فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوکر کسب فیض کرنے لگے اپنی اس نسبت پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اور پھر ان تمام نعمتوں کے علاوہ سونے پر سہاگہ یہ کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ مولانا مولوی حافظ قاری شاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی نے بیعت وتلمذ وارشاد وخلافت کے شرف سے مشرف فرمایا جو شریعت مطہرہ وطریقت منورہ کی علمی تصویر تھے۔ جن کا ہر قول شریعت کا رہنما۔ جن کا ہر فعل احکام الٰہی کا اتباع جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم مسائل شرعیہ ومسائل فقہیہ کی تعلیم وتبلیغ فرمائی اور عمر بھر تالیف وتصنیف افتاء وتدریس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت ورہنمائی فرمائی۔ [۱]

فاضل بریلوی چونکہ کسی باقاعدہ مدرسہ میں تعلیم نہیں دیتے تھے اور کوئی مدرسہ بھی نہیں تھا۔ اس کمی کو آپ نے شدت سے محسوس کیا اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی المتوفی ۱۳۶۲ھ سے اپنا خیال پیش کیا ان حضرات نے

---

[۱] دیباچہ حیات اعلیٰ حضرت۔ جلد اول مطبوعہ کراچی ص ز

باہم مشورہ کر کے مولانا سید حکیم امیر اللہ بریلوی المتوفی ۱۳۲۲ھ کو فاضل بریلوی سے اس موضوع پر گفتگو کے لئے آمادہ کیا۔ قیام مدرسہ کو آپ نے بڑی مشکل سے منظور کیا کیونکہ دیگر مشاغل کی کثرت تھی مولانا حسن بریلوی نے (تلمیذ داغ دہلوی) اس مدرسہ کا نام منظر اسلام رکھا جس سے ۱۳۲۲ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ منظر اسلام کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا بشیر احمد علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا۔ صحیح بخاری و مسلم از اول تا آخر آپ نے فاضل بریلوی سے پڑھی ۱۳۲۵ھ میں فاضل بہاری اور مولانا عبدالرشید صاحب عظیم آبادی جو اس مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم تھے ان کی دستار بندی ہوئی فاضل بہاری اس مدرسہ میں مدرس مقرر کر لئے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حاجی عبدالرزاق قادری رضوی مقیم شملہ کے شدید اصرار پر فاضل بریلوی نے آپ کو جامع مسجد شملہ کی امامت اور خطابت پر مامور کر دیا۔ یہاں یہ مشہور ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے آپ ملے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے جن مسائل ریاضی کا حل پوچھا تصدیق کی۔ حضرت مولانا رحیم بخش قادری رضوی المتوفی ۱۳۴۲ھ نے مدرسہ فیض الغرباء آرہ کیلئے شدید اصرار کیا اور درخواست کی کہ آپ فاضل بہاری کو ہمارے مدرسہ کیلئے بھیج دیجئے چنانچہ ۱۳۳۰ھ میں فیض الغرباء پہونچے اور پھر وہیں سے تقریباً سال بھر کے بعد الحاج سید نور الہدیٰ پٹنہ میں تشریف لائے۔

الحاج سید نور الہدیٰ المتوفی ۱۹۳۵ء ایم اے ایل ایل ایم کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ نے اپنے دیرینہ دوست عزت مآب سر سید فخر الدین وزیر تعلیم حکومت بہار واڑیسہ و دیگر دیندار حضرات کی رائے سے یکم نومبر ۱۹۱۲ء (۱۳۳۰ھ) کو مدرسہ شمس الہدیٰ کی بنیاد ڈالی تھی اور تفسیر و حدیث و فقہ کے درجات کھولے گئے۔

کچھ دنوں بعد جب مولانا مشتاق احمد کانپوری المتوفی ۱۳۵۲ھ میں مولانا احمد حسین کانپوری معینہ عثمانیہ اجمیر شریف تشریف لے گئے تو آپ کو استاد تفسیر و حدیث اور مدرس اول منتخب کیا گیا۔

حضرت سید شاہ ملیح الدین کبیری سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ سہسرام جو فاضل بریلوی کے مخلصوں میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین صدر مدرس مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے انتقال کے بعد فاضل بریلوی سے فاضل بہاری کی مانگ کی منظوری کے بعد انہوں نے فاضل بہاری کو سہسرام کی دعوت کی۔ اور منظوری کی فاضل بریلوی کو اطلاع بھی دی چنانچہ ۱۳۳۲ھ کے اواخر میں آپ سہسرام بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے۔

مولانا محمود احمد قادری شمس الہدیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یکم جنوری ۱۹۲۰ء میں مدرسہ حکومت کے زیر اثر آ گیا۔ سپردگی کے وقت مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں نو مدرسین تھے نئے انتظام کے بعد پرنسپل کے علاوہ پندرہ مدرسین کر دیئے گئے اس وقت مدرسہ کی نیک نامی کے لئے مرحوم جج صاحب نے حضرت الاستاذ ملک العلماء کو بلانا بہت ضروری سمجھا چنانچہ حضرت الاستاذ دوبارہ ۱۳۳۸ھ کو سہسرام سے منتقل ہو کر شمس الہدیٰ آ گئے۔ اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس میں مشغول ہو گئے۔ فقہ و حدیث اور ہیئت میں ان کا درس دور دور مشہور ہوا۔ ۱۶ جولائی ۱۹۴۸ء میں جامعہ کے شیخ اور پرنسپل ہو گئے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۹ء سے ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۰ء تک خرابی صحت کی وجہ سے فرصت لے کر آرام فرمایا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ایک طویل مدت کی علمی خدمت کے بعد پنشن پر ریٹائر ہوئے۔ [۱]

۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ میں مقیم رہے۔ حضرت سیدہ شاہ

---

[۱] ماہنامہ اشرفیہ صد۲ جلد ۲ شمارہ ۱۸ جولائی ۱۹۷۰ء

شاہد حسین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق پٹنہ المتوفی ۱۲۰۳ھ قدس سرہٗ کی استدعا پر ۲۹ شوال المکرم ۱۳۰۱ھ میں کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا۔ اور اس کے صدر مدرس کے عہدہ کو رونق بخشی ۱۳۸۰ھ میں علالت کی وجہ سے ظفر منزل پٹنہ آگئے۔ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء شب دوشنبہ سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے پہلے ذکر اللہ اللہ کرتے کرتے جان جاں آفریں کے سپرد کرکے واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت شاہ ایوب ابدالی شاہدی رشیدی اسلام پوری نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ [1] ان کا مزار پاک محلہ شاہ گنج پٹنہ ۶ میں ہے۔

فاضل بہاری کی تصانیف

اسمائے کتب	مطبع	سنہ طباعت
۱۔ ظفر الدین الجید	حسنی پریس بریلی	
۲۔ الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول	" "	۱۳۲۳ھ
۳۔ شجم الکثرہ علی الکلاب الممطرہ		۱۳۲۹ھ
۴۔ النبراس لدفع ظلام النہاس		۱۳۲۹ھ
۵۔ توضیح التوقیت پٹنہ		
۶۔ المغنی عن شروح المغنی		
۷۔ رفع الخلاف من بین الاحناف		
۸۔ نزول السکینہ		

[1] تذکرہ علماء اہلسنت ص ۱۱۲

اسمائے کتب	مطبع	سن طباعت
۹۔ خیر السلوک فی نسب		
۱۰۔ جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان		
۱۱۔ القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر		
۱۲۔ گنجینہ مناظرہ	اہلسنت پریس بریلی	۱۳۲۴ھ
۱۳۔ کشف الشور عن مناظرۃ رام پور		
۱۴۔ موذن الاوقات		
۱۵۔ عافیہ		
۱۶۔ وافیہ		۱۳۳۵ھ
۱۷۔ تقریب		
۱۸۔ تذہیب		
۱۹۔ القصر المبنی علی بناء المغنی		
۲۰۔ نظم المبانی فی حروف المعانی		
۲۱۔ تحفۃ الاجبار فی احوال الاخبار		
۲۲۔ الاکسیر فی علم التکسیر		
۲۳۔ سرور المحزون فی البصر عن العیون		
۲۴۔ الجمل المعدد لتالیفات المجدد		
۲۵۔ تنویر السراج فی ذکر المعراج		
۲۶۔ حیات اعلیٰ حضرت۔		
۲۷۔ الجامع الرضوی الجزء الاول الجزء الثانی	الجزء الثالث الجزء الرابع	الجزء الخامس الجزء السادس

وسعت مطالعہ سے بے حد متاثر ہوا..... آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ احمد رضا کو مغرب میں جانا پہچانا چاہیئے اور ان کی پذیرائی ہونی چاہیئے۔"

(ترجمہ انگریزی مکتوب ۲۱ر نومبر ۱۹۸۶ء لیڈن)

ایک اور خط میں رقمطراز ہیں[1]

"امام رضا کی تصانیف کا جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہوں اتنا ہی زیادہ ان کے کثرت و دلائل وشواہد سے متاثر ہوتا جاتا ہوں۔ وہ اپنے موضوعات پر کامل عبور رکھتے ہیں"۔

(ترجمہ انگریزی مکتوب ۱۹ جنوری ۱۹۸۷ء لیڈن)

پروفیسر ڈاکٹر بلیان اپنے ایک تاثر میں جو T-V انسائیکلو پیڈیا پروگرام نمبر ۸۳ مورخہ ۲۲ جولائی اور ۱۲ر اگست ۱۹۸۹ء میں پیش کیا گیا۔

"نہایت حیرت ہے کہ اب تک مغربی مستشرق دانشوروں نے برصغیر کے اس عظیم امام کو اپنی تحقیق و تصنیف میں افسوسناک حد تک نظر انداز کیا ہے۔"

آخر میں حکیم محمد سعید صاحب چیئرمین ہمدرد ٹرسٹ کے خیالات پر اس مقالے کو ختم کروں گا۔

"فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کسی لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے انکے ہاں ملتے ہیں ان سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں انکے اس تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب (سائنس) کے باہمی تعلق کی بھی خوب وضاحت ہو جاتی ہے"

---

[1] معارف رضا شمارہ ہفتم ۱۹۸۶ء ص ۸۶ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

[2] ایضاً شمارہ نہم ۱۹۸۹ھ ص

رہ ﴾

جانا پہچانتا

۱۹از لیڈن)

ت و

لڈن)

خہ ۲۲ جولائی

ق و تصنیف میں

ں گا۔

ے لئے

تبر ہیں

اس لئے

شعبے

ہیں ان

بلکہ محقق

ں بھی

'KEEP IN VIEW THE BOONS OF TEACHERS' SAYS IMAM AHMED RAZA KHAN

Prof. Dr. Muhammed Tahir Malik,
Chairman Department of Islamic Learning,
University of Karachi.

After a thorough study of many books and treatises of Imam Ahmed Raza, I have concluded that he gives much importance to the teacher, book, paper and school etc., in the articles allied to education. In our present day educational system, a teacher is no more estimated than a salaried servant, and the book is regarded as a collection of letters and words. From our teaching institutions, the respect for the book and the teacher has faded away. That is why the distinction between a teacher and a pupil has reduced to nothing at our schools, colleges and universities. Today, to ignore or forget the boons of knowledge gifted by the teachers has become a common practice. One can see often the pupils dancing for pleasure on the teachers' promenade, and playing with their turbans. This all, why for? The answer is lying with Maulana Ahmed Raza Khan Bareilvi that our ideology of education lacks in high and sacred values. The Imam Saheb says: "Keep in view the bons of your teachers. If respect is given to the paper, the book and the Maktab (the school), this undesirable situation can't happen".

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1988
Page No. 23

IMAM AHMED RAZA: THE WORLD'S MOST WONDERFUL PERSONALITY

Prof. Dr. Wahid Ashraf (M.A., Ph D.)
Baroda University, India.

There is no dearth of such elegant personalities in the World of Islam who have excited and erudited the world over by virtue of their knowledge, wisdom and insight. Ibne Sina, Omar Khayyam, Imam Razi, Imam Ghazali, Al-Beruni, Farabi, Ibne Rushd and many others are such great personalities whose academic achievements will be glorified with pride till this world survives. Among them, someone is the guide of the Philosophy and Science ( ), the other of Mathematics and Astrology, someone the teacher of the Ethics and its Philosophy and the Greek Philosophy; but the most wonderful personality was born on the Indian land who said farewell to this world during this century. Maulana Ahmed Raza Khan's personality is such allusive and compendious that on any aspect of his personality, only an expert of that special faculty can discuss fully and successfully.

Anwar-e-Raza
Page No. 547
2nd Edition, 1986, (Lahore)

'MILLIONS OF PEOPLE BELONG TO IMAM AHMED RAZA'S SCHOOL OF THOUGHT'

Mir Khalil-ur-Rahman,
Editor-in-Chief,
Daily JANG (Urdu),
Karachi, Lahore, Rawalpindi, Quetta and London (U.K.)

Ala-Hazrat Imam Ahmed Raza Khan possessed flamboyant characteristics. Allah the almighty had bestowed upon him a mind, powerful and apprehensive. He had completed the study of all the customary prescribed books even in his tender age. The Ala-Hazrat had no parallel in the knowledge, both religious and temporal, and he was a unique writer of countless books and treatises. Millions of people belong to his school of thought in the Indo-Pak Sub-Continent.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1987
Page No. 28

IMAM AHMED RAZA'S TEACHINGS ARE GUIDING PRINCIPLES

Dr. Wahid Qureshi,
(formerly) Chairman,
Muqtadera Qaumi Zuban, Islamabad.

Imam Ahmed Raza's academic conquests and insight of fiqa are manifested over a vast majority of the people of the world. He communicated a message to the Muslims at a critical juncture of time when there was nothing but a mess of frustration and indigence, and the Indian Muslims were over-clouded by humiliation, ignorance and poverty. At the present time, our country is passing through a horrible crisis, and also facing both internal and external dangers, so it is most essential that the Imam Saheb's message should be spreaded everywhere; a line of action should be determined in the light of his teachings and the guiding principles showed by him, should be employed fully in order to provide water of life to our dini (the religious) and worldly life.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1987
Page No. 24

IMAM AHMED RAZA'S LIFE AND POETRY IS AN EXPRESSION OF THE LOVE FOR MUSTAFA

Dr. Jamil Jalibi,
former Vice-Chancellor,
University of Karachi.
Chairman, Muqtadera Qaumi Zuban Islamabad.

Maulana Ahmed Raza has an allusive personality and several speakers have thrown light on its different aspects, but his most distinguished quality is his love for the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم) which is greater than his all other qualities and accomplishments. In his books and compilations, the thing which is most remarkable, is the love for the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم). Whether it is the translation of the Glorious Quran or the explanation of the Hadiths; whether the intricacy of the Fiqa or the discussion about the Shariat and Tariqat, or the Na'atya shairi—the poetry in praise of Muhammed Mustafa (صلی اللہ علیہ وسلم), we see everywhere the glimpses of the Love for the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم). Take his Naatya-poetry, it is not a traditional and customary poetry, because it is the poetical compositions of a Muslim who is very sincere of his beliefs and the axis of his thoughts and imagery is 'the person'—the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم). The study of his poetical collection 'Hadaiq-e-Bakhshish' makes it clear that Imam Ahmed Raza's 'person' was a beautiful mode of expression of the 'ishq-e-Mustafa' (the love for Mustafa (صلی اللہ علیہ وسلم). Each and every letter and word of his poems (nazms and ghazals) is submerged in the Love for the Mustafa (صلی اللہ علیہ وسلم). In fact, there had been no greater poet among the poets of na'ats as equal of Maulana Ahmed Raza Khan Bareilvi (رحمۃ اللہ علیہ) in terms of knowledge and erudition, and piety and devotion among the poets of the eulogium (نعت) and epithet (وصف گوئی).

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1987
Page No. 42—43

IMAM AHMED RAZA HONOURED AS MUJADDID OF THE CENTURY

Prof. Dr. Manzooruddin Ahmed,
Vice-Chancellor,
University of Karachi.

The reality is that on reading several books of Imam Ahmed Raza, I have come to the conclusion that through his writings and speeches, the Fatāwā (inquisitions), and hundreds of small and bulky treatises, he has struggled for the revival of Islam, and as a reward he was declared as the mujaddid (reformer) of this century by the Ulema (scholars of Islam), and particularly the scholars of Mecca and Madina (the Harmain Sharifain).

With Imam Raza's many characteristics, there is also one that the questioner (the man who asks for a Fatwa for a certain affair) was answered in the same language in which he placed his question; this practice was so much so that the poetical questions were answered in the same poetical pattern and language. So we see the Fatāwā in prose and poetical order, and then in Arabic, Persian and Urdu languages, included in his well-known work "Fatawa-e-Rizvia." I have gone through many Fatāwā, and some of them may be categorised as research essays of the highest value, wherein he has quoted one hundred and fifty sources at a single point in support of his views.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1988
Page No. 19

IMAM AHMED RAZA BELIEVES IN POLITICAL FREEDOM OF MUSLIMS BUT NOT THE UNITY WITH INFIDELS

(Late) Dr. Ishtiaque Hussain Qureshi

Books and treatises, written by Imam Ahmed Raza, are nearly one thousand in number. The impact of his personality and works upon his followers is so immense that any other contemporary metaphysician could not attract his followers. In the beginning of the Khilafat Movement, the Ali Brothers visited him to seek his signature on the Fatwa, regarding the non-cooperation Movement. Imam Ahmed Raza said: "Maulana! There is a difference between your and my politics. You are a supporter of the Hindu-Muslim Unity, but I am an opponent." When the Imam Saheb felt that the Ali Brothers have become dejected, he said, "Maulana! I am not against the political freedom of the Muslims, but I oppose the Hindu-Muslim Unity."

For this opposition, the great reason was that the supporters of the (Hindu-Muslim) Unity, with their arguments good or bad, had flown away so far that a religious scholar (alim-e-deen) could not support this Unity. Maulana Ahmed Raza Khan Bareilvi raised objections on some writings and actions of Maulana Abdul Bari Farangi Mahali, who has himself fairly confessed in these words: "I commit many a sins, knowingly or unknowingly, but I am ashamed of them. Verbally, practically and in writing, I committed such matters for which I never thought that those were sins. But Maulana Ahmed Raza Khan maintain them as a divergence or betrayal from Islam and hence accountability is unavoidable, and as there is no decision or example left by the forerunners, so I recant and affirm my full confidence in the decisions and thinking of Maulana Ahmed Raza Khan."

Maarif-e-Raza
Vol : 1986
Page No. 83

IMAM AHMED RAZA STRUGGLED AGAINST THE ENEMIES OF DIN IN THE MANNER OF THE HOLY PROPHET

Justice (Rtd.), Mufti, Dr. Syed Shuja'at Ali Qadri,
Federal Shar'ai 'Adalat, Pakistan.

Ala-Hazrat's appearance is such a commanding stature in terms of Knowledge and Action that every man of letters takes it to an honour and pride to write about him. This "worthless" man also has the honour of opportunity and has contributed some write-ups and articles to Ala-Hazrat. My first compilation in Arabic, entitled (من هو احمد رضا) has been published and distributed all the world over, and this practice is going on regularly and steadily.

As all the men of letters know that the Ala-Hazrat was born in such a callous period when the Muslim Ummah had been threatening by different 'fitnas' (seductions) from all sides. But among all the prevalent seductions, the most dangerous and harmful was one which meant to intrude non-Islamic elements in the beliefs of the Ahl-e-Sunnat.

The Ala-Hazrat performed incomparalde services to safeguard the beliefs of the Ahl-e-Sunnat. He wrote several books for the rejection of the shirk (polytheism) and for the dissuasion from the beda'ats (innovations in din causing divergences). He safeguarded the place of nabuvat (prophethood), sahabiyat (companionship), Ahl-e-Bait (the Members of the Holy Prophet's family), vilayat (the Friendship with Allah the magnificent). He published crushing and silencing answers of the criticism brought forward by the atheists (ملاحده), and heretics (زنادقه) and apostates (مرتدین) against the reverred mystics of Islam (صوفیاء کرام) and Islamic mysticism (تصوّف). As far as my study is concerned, the Ala-Hazrat had always good opinion about all the Muslims, and took all the Muslims to Muslims, did not scratch and touch the people's beliefs, and did never scold unreasonably to speak rubbish to others. But if someone w uld have committed any mistake in writing or speech, he invited him again and again to return to the Truth (Haque حق وصداقت). This is the method which is called the Good Conduct of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم).

May Allah the Magnificent benefit us from the benevolence of the Ahl-ullah (Friends of Allah).

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1988
Page No. 14

IMAM AHMED RAZA'S KNOWLEDGE OF TAFSIR: 'HE WAS BLESSED WITH THE PRESENCE OF MUSTAFA'

Allama Muhammed Faiz Ahmed Owaisi,
Shaikh-ul-Hadith Wa-Tafsir
Jamia Owaisia Razavia, Bahawalpur.

In the field of the tafsir (the commentary of Holy Quran) of the 'shorter ayats', the differences of the commentators (mo'fas'se'rin) have always been observed, and have been tended to establish dozens of possible arguments when they contrive to prove their point of view with the force of arguments. But the diction of the Ala-Hazrat (رحمۃ اللہ علیہ) is novel that he pens down hundreds of arguments and evidences in support of the explanation of his viewpoint. Hence his book entitled (تجلّی یقین) (the Radiances of the Belief) is a living picture of his majestic position, a prince in the realm of pen that he presented and argued through dozens of Ayat-e-Qurania, including the references of the well-recognised tafasir (commentaries), coupled with dozens of correct Ahadith (the Sayings of the Holy Prophet صلی اللہ علیہ وسلم), and also argued through the authentic books of the Righteous Ancestry (Aslaf-i-Salehin). For this literary work, the Ala-Hazrat was rewarded in such a great manner that he was blessed with the Presence of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم), the Friend of Allah the almighty, and the Imam-e-Ahl-e-Sunnat (رحمۃ اللہ علیہ) has himself expressed this event in the last pages of the book ( ).

When he explained a single ayat, he expounded a complete book, consists of hundreds of pages. Throughout the book, he gave strength to and provided authentication to the subject with the help of the references from the books of tafasir, and also with the principles of the tafsir (the commentary of the Holy Quran) on the basis of his deductive methods. For example, the tafsir (الحجۃ المؤتمنہ) of the aya-i-momtahenah (ممتحنہ) is worth reading.

in term
it to ar
man als
write-up
entitled
all the v

in such
ing by
the pre
one wh
of the A

the bel
rejectio
beda'ats
the pla
Ahl-e-B
(the Fr
and sile
(
(
and Isla
the Ala
took al
people's
to othe
in writi
the Tru
the God

of the A

COMPILATION OF FATĀWĀ-E-RIZVIA: A VALUABLE BOOK OF 12-VOLUMES

By: Allama Shamsul-Hasan Shams Bareilvi

During the thirteenth century Hijri, the collection of Fatāwā of the Mufti of Egypt, Sheikh Muhammed Abbas Mehdi, entitled the "Fatāwā Mehadvia" was published in the Islamic countries. This was the period when the "Fatāwā-e-Rizvia" was compiled in the sub-continent.

The Fatāwā-e-Rizvia is a collection of Fatāwā editted and collected in the last decade of the 13th century Hijri and in the first two decades of the 14th century Hijri. It is a masterpiece, endowed with intellectual skill and intelligence, ocean-bound Knowledge and comprehension of the Fiqa (of the Deen) of Ala-Hazrat Imam-e-Ahl-e-Sunnat, the Faqeeh (interpreter of Islamic law) of his times, Mohaddis (scholar of Hadiths), Allama Shah Ahmed Raza Khan Quadri Rizvi (رحمۃ اللہ علیہ).

And now, that a period of seventy or eighty years has elapsed, still such a complete and compendious, argumentative and reasoner work could not be presented from any other corner, bearing Fatāwā-Hanifia, as the Ala-Hazrat (رحمۃ اللہ علیہ) has himself elucidated in the Preface.

The title of this collection is اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِیْ فَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ consisted of seven bulky volumes according to the statement of the Sāheb-e-Fatāwā (the writer, Imam Ahmed Raza).

The chapters entitled اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّہ فِیْ فَتَاوٰی الرَّضَوِیَّہ were divided into twelve volumes, and was done so by the permission of the writer.

Even after this compilation, hundreds of other Fatawa were remained to be included in the series, upto the demise of the Ala-Hazrat, (رحمۃ اللہ علیہ). So some more volumes were editted and compiled, and today the Fatāwā-e-Rizvia consists of 12 volumes. Some volumes were printed in India, while some of them were printed in Pakistan, which we study here.

In this sub-continent, the Fatāwā-e-Rizvia is the last and most valuable collection of Fatāwā, consisting of the Hanafi Fiqa. Upto the last years of the 14th century Hijri such a marvellous Fatawa book was not presented from any other school of thought or scholars.

'Maarif-e-Raza' Vol: (1986) Page No. 35.

IMAM AHMED RAZA REPRESENTS THE MIND AND THOUGHT OF THE PAST

Hakim Muhammed Said,
Chairman: Hamdard Foundation, Pakistan.

During the last century, the place of Maulana Ahmed Raza Khan (رحمۃ اللہ علیہ) is distinctively remarkable among the creed of scholars (tabqa-e-Ulema), the great personalities who appeared on the scene. The canvas of his academic, religious and pan-Islamic (milli) services is very vast. The Fazil Bareilvi has cyclopaediac knowledge and skill in the codification of the Islamic laws (fiqa), and the faculties of religious knowledge (deeni-uloom). His unique insight represents the mind and thoughts of the Scholars of the Past (ulema-e-salf) in the fields of Science and Medicine, and had no distinction between the religious and temporal branches of Knowledge.

The facets of his personality invite both the scholars of the present age and the students of the universities, to read and think about the problems of life and universe. From his accomplished works the most valuable academic heritage for us, through a researchful study of his life and works, we may bring many new vistas of Knowledge (Sciences and Arts) into light.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1988
Page No. 15

IMAM AHMED RAZA SPENT ALL HIS LIFETIME IN THE SERVICE OF ISLAM AND MUSLIMS

Justice, Naeemuddin,
Judge, Supreme Court of Pakistan.

Imam Ahmed Raza's grand personality, a representation of our most esteemed ancestors, is history-making, and a history unicentral in his 'self'.

You may estimate his high place from the fact that he spent all his lifetime in expressing the praise of the great and auspicious, Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وسلم), in defending his veneration, in delivering speeches regarging his Good Conduct (سیرت طیبہ), and in promoting and spreading the law of Shariat which was revealed upon him for the entire humanity for all times. His renowned name is Muhammed the Prophet of Allah the almighty (صلی اللہ علیہ وسلم).

The valuable books written by a cyclopaediac scholar like Imam Ahmed Raza are the 'lamps of light' in my view, which will keep enlightened and radiant the hearts and minds of the men of Knowledge and Insight for a long time.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvernir 1983
Page No. 11

IMAM AHMED RAZA IS A CENTRAL FORCE OF CIRCUMFLUOUS KNOWLEDGE

**Sheikh Ali bin Hussain Maliki (رحمۃ اللہ علیہ),
Teacher at the Masjid-ul-Haram, Mecca.**

When Allah the Magnificent conferred, His favours upon me, I observed with open eyes the light from the sun of ma'arefat (the Knowledge and Recognition) from that brilliant and serene Heaven for which the permanance and eternity is essential. That reverred and respectable person whose laudable and glorious manners are reflecting his signs of erudition, and why not? To day he is a central force of the circumfluous Knowledge, and a place of rising for the stars of the Heaven of Knowledge of the millat-e-Islamia (the Muslim community). He is a companion and supporter, the guardian and protector of the way-finders, but the amputator of the tongues of the astrayed and apostates by his sharp sword of arguments and reasoning, and the man who raises the tower of the light of the iman (belief), is Hazrat Maulana Ahmed Raza Khan (رحمۃ اللہ علیہ).

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1987
Page No. 38

20. You gave us Islam, and as muslims gave honour
Who ever heard that you withdrew your favour.

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا | تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

21. I understand the scars of painful death remain
But your post-ablution water can cleanse this stain.

موت سنتا ہوں ستم تلخ ہے زہرابۂ ناب | کون لا دے مجھے تلووں کا غسالہ تیرا

22. Who knows what might be the fate of the sinner?
Dying at your feet can make him a winner.

دور کیا جانیے بدکار پہ کیسی گزرے | تیرے ہی در پہ مرے بیکس و تنہا تیرا

23. For me, a tiny droplet will suffice
When the virtuous get in plenty and nice.

تیرے صدقے مجھے اک بوند بہت ہے تیری | جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

24. Kaabah, Medinah, Baghdad look where you may
The radiance of your light is always at play.

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجے نگاہ | جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

25. As my supporter, before you I (Raza) bring
My spiritual guide, who is your off-spring.

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع | جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

10. Thieves always hide away from their chief
    But under your cloak takes refuge your thief.

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف | تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

11. Grant our eyes, minds and bodies contentment
    O True Sun! Lead our hearts to enlightenment.

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب | سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

12. Why then does my heart tremble like an autumn leaf
    When your compassion can grant the weak relief?

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے | پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسا تیرا

13. Who am I with all my sins insignificant
    When your word saves millions in my predicament.

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی | مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا

14. O master! your kindness made me lazy
    Now fear of accountability drives me crazy.

مفت پالا تھا کبھی کام کی عادت نہ پڑی | اب عمل پوچھتے ہیں ہائے نکمّا تیرا

15. Don't send your servants to others, O master!
    Peace is near you, elsewhere is disaster.

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال | جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

16. I am a lowly, sinful, neglected being
    You are a righteous, forgiving, elevated being.

خوار و بیمار خطاوار گنہگار ہوں میں | رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

17. Your decisions are final in every matter
    I beseech you change my fate for the better.

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کر دے کہ ہے | محو و اثبات کے دفتر پہ کروڑا تیرا

18. Allah has given you such an authority
    Pray, return my sinful heart to purity.

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں | کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

19. No one else in the world I wish to meet
    My cherished desire is to die at your feet.

کس کا منہ تکیے کہاں جائیے کس سے کہیے | تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

YOUR GENEROSITY IS BOUNDLESS

Translated by: Prof. G.D. Qureshi

1. Your generosity is boundless, O Allah's Messenger!
   For you always grant every wish of your seeker.

   واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا | نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

2. From your drop flow waves of magnanimity
   From your particle emerge stars of rare luminosity.

   دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا | تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

3. O master of the heavenly river! you are so kind
   The needs of the thirsty are dear to your mind.

   فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا | آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

4. People learn the art of generosity at your door
   The most virtuous walk humbly on your floor.

   اَغنیا پلتے ہیں در سے وہ ہے باڑا تیرا | اصفیا چلتے ہیں سر سے وہ ہے رستا تیرا

5. How can the earthly beings understand your grandeur
   When the heavenly beings are dazzled by your splendour?

   فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں | خسروا! عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

6. Heaven, earth and world you feed
   Who then is the host? You are, indeed.

   آسماں خوان، زمیں خوان، زمانہ مہمان | صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

7. Since you are Allah's beloved, yours is everything
   In love mine and thine does not apply to anything.

   میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب | یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

8. Those at your feet hold distinguished place
   They find your feet brighter than anybody's face.

   تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں | کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا

9. Not a well, but an ocean I want for a start
   But from your hand a splash contents my heart.

   بحر سائل کا ہوں سائل نہ کنویں کا پیاسا | خود بجھا جائے کلیجا مرا چھینٹا تیرا

have been described separately but in the end the poet says that all these excellent parts put together give us a glimpse of the greatness and wholeness of the personality of our Prophet. This couplet refreshes in our mind Allah's revelation to the effect that He has created this Universe for the sake of His beloved Prophet : conversely, if He had not created the Prophet, He would not have created the Universe. The more we read Imam Ahmed Raza's couplet the more convinced we are about the truth, which it so successfully expressed.

(c) The physical beauty of the Prophet is praised by Imam Ahmed Raza in this couplet : Sar taa baqadam hay tanay Sultan-e-zaman phool ; lab phool, dehan phool, zaqan phool, badan phool (From head to foot the person of the ruler (Prophet) of this universe is like a flower : lips are a flower, mouth is a flower, dimple is a flower, body is a flower). Here the effect has been achieved through repetition of the word (phool) 'flower' five times, which raises the image of a flower in all its freshness, tenderness and attractive colour. Besides this visual effect the sound of the same letter again and again is pleasant to the ear to the reader or the listener. The use of language is very successful and imaginative. The word "flower" becomes more and more vivid as we read through this poem.

Religious poetry becomes limiting and limited, if it begins with sheer convention and ends with dogma. But it becomes transcending and limitless if it begins with 'love' and ends with "ture belief". Imam Ahmed Raza's religious poetry deserves to be placed in the latter category. His choice of appropirate words, his poetic diction, his spontaneous overflow of emotions and whole-hearted devotion to millions of the inner and outer dimensions of the personality of the Prophet of Islam have imbued his poetry with a Spirit of hope for attaining Spiritual Salvation in the next world and ecstasy in living a righteous life in this world. This spirit inspires the reader and transforms him into a good human being and better religious person in his own insight and vision of God.

Now we would like to demonstrate a few qualities of his work by quoting some couplets. Our selection should not mislead any reader about the remaining poetry. It is all gold, and more precious than any other form of gold because it is Spiritual gold. The only difference between the selected couplets and those not selected by us is that the qualities inherent in different couplets are different. Let us begin with Imam Ahmed Raza's three couplets to show his successful method of poetic communication of his feeling of reverence for the Prophet of Islam, may peace and blessings of Allah be upon him.

(a) Imam Ahmed Raza says : Quran se main nay Naat goeey seekhee (I have learnt the art of composing poems in praise of the Prophet from the Holy Quran). This couplet tells us that Imam Ahmed Raza is in a humble way engaged in the same sort of creative and ennobling activity as the Holy Quran. Allah says that Prophet Muhammad, may peace and blessings of Allah be upon him, is his beloved and there are numerous praises of the beloved in the Holy Quran. It is a very delicate area to make a statement on. But we find that Imam Ahmed Raza's emotions, words, humility, and absolute submission to the will of Allah are radiating through his poetic diamond.

(b) Without going out of the limits prescribed by the Shariah, Imam Ahmed Raza pays a glowing, ever-broadening and never-ending tribute to the Prophet in the tradition of Muslim Sufis. He says : Zaahir baatin awwal-aakhir, zeb-e-faroo-o-zen-e-Usool ; Bagh-e-Risālat main haytu gul, ghuncha, jar, pattee, shaakh (Manifest and hidden, first and last, beauty of branches ; vital to the centre. Actually in the garden of Prophethood you are the flower, bud, root, leaf and the branch). Mark the imagery of the flower in the garden. The parts

Imam Ahmad Raza's Collection of Religious Poetry : HADAAIQ-E-BAKHSHISH

By Prof. G.D. Qureshi

Imam Ahmed Raza (1856-1921) was a genius. His main interest in life was theology but like many other men of genius he demonstrated his proficiency in a number of disciplines of human knowledge. Just to name only a few areas of his outstanding achievements, we may mention (a) his translation of Holy Quran into Urdu language (Kanzul Iman, 1911), (b) his verdicts on Islamic Law covering a period of fifty years (Fatāwa Razviyah, published posthumously), (c) treatises on Mathematics and Muslim identity in the British India, and (d) his immortal collection of religious poetry (Hadaaiq-e-Bakhshish, 1907).

He belonged to an illustrious family of Muslim theologians, and his mother tongue was Urdu language. As part of his training as a Muslim Jurist he attained the highest level of proficiency in Persian and Arabic. Since he was linguistically preconscious he became well-versed in Hindi as well, which was spoken by a vast number of Indian people, numerically only next to Urdu language. So, we are bound to say that his linguistic skills and poetic gifts manifest themselves through Urdu, Persian, Arabic and Hindi languages.

"Hadaaiq-e-Bakhshish" consists of two volumes. The first volume consists of 103 pages and there are 80 poems of varying length in it. The second volume consists of 94 pages and there are 28 long poems in it. The spontaneous quality of his spiritual poetry is extremely charming. The range of his vocabulary includes all the four languages, namely Urdu, Persian, Arabic and Hindi. There is, however, one poem in volume one of ten couplets, in which every couplet is written in these four languages with immaculate dexterity in four equal parts. Artistically and linguistically it is a rare accomplishment. The greatest quality of this poem is that despite this diversity of languages in this poem the unity of theme is superb by any standard of poetic evaluation.

with
tran
"tur
be p
his p
hear
the
a Sp
and
the
relig

worl
any
prec
The
selec
are
to s
feeli
bles

seek
Prop
Ahm
and
Muh
belo
Qur
that
subr
dian

Ima
trib
Zaa
mai
first
the
the

He proposed the following three point guidelines:

1. The Muslims should settle their conflicts by mutual consultation, so that crores which are squandered in unnecessary litigation may be saved.

2. The rich Muslims of Bombay, Calcutta, Rangoon, Madras and Hyderabad should set-up banks for their Muslim brethren.

3. The Muslims should not purchase anything from Non-Muslims. They should have business dealings with the Muslims only.

The far reaching impact on economical life of Muslims may be imagined.

After consideration I thought that the fee for money order is the payment for the service as the post office makes the payment to the addressee and returns the receipt to me. Thus the payment through money order was being done for years. Now Mr. Rasheed Ahmed Gangohi has declared that the fee for money order is interest and therefore forbidden.

Please guide us.

Solution:

I have seen that fatwa (of Mr. Rasheed Ahmed Gangohi) were he has declared that these two annas (money order fees) is interest but this can be declared only by a person who does not know that purpose of this payment. Perhaps he does not know that the post office is the shop of a common vendor which has been opened for recovery of charges for the services rendered. These two annas are only charges for taking the money to the receipient and bringing the receipt back as the charges are paid on envelope and parcel etc. This is in fact not the payment of interest.

We have abridged the text. The detail may be seen in Fatāwa Volume 11 page 26 to page 40 where the references from thirty books have been given. Remarkable point is that the reply was written from a village where Ala Hazrat had gone for four months and he requested Mr. Abdul Sami to send its receipt at the Barielly address. How these 30 books were referred!

It may be noted that how simply the modern concept of negotiation has been dealt.

(Fatāwa-e-Razvia Vol. VII Page: 288)

Problem: 5

Camp Merrut Bazar Lal Kurti from Mr. Abdul Sami. I seek your opinion in the matter that we pay the amount to poor people. To some two rupees (in about 1871 A.D.) and to some three rupees are paid. Four or five persons told me that for two rupees we have to travel from our places (to Merrut) and equal amount is spent on fare. Therefore the amount may be sent by monety order.

His brilliance, talent, God-Gifted ability, skill and intelligence were neither recognised in his time nor acknowledged properly after him.

He was painted as orthodox and biased person. An interesting and eye opener admission comes from a learned man of Deoband, Maulvi Siraj Ahmed, who acknowledged that "we were forbidden to read the books authoured by Maulvi Ahmed Raza, saying that they were not the research work and were not worth reading. I wanted to solve a problem regarding inheritance and was not satisfied with the replies from the learned ones of Deoband, Delhi and Sahāranpur. I also referred to Maulvi Ahmed Raza Khan. The reply received from him helped me in understanding the problem and its solution. I got other books written by him and they changed me altogether and corrected my notions" (Maarif-e-Raza, Vol. 8 page: 96).

Aala Hazrat is, we believe, one of those learned people who have been referred to in Hadees-e-Mubārak:

عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیْلَ

The learned people among my followers are like messengers sent to people of Israel.

Economics is also a subject, he has deliberated upon. The economical guidelines he proposed in 1912 are in fact charter for Muslims and had the Muslim leaders and businessmen at that time adopted these it would have been a different story.

The Muslim leaders and businessmen realised very late when Khawaja Nazimuddin established Muslim Chamber of Commerce, and Habib Family at Bombay established Habib Bank in 1941.

and owe Rs. 200/= to Umro. Umro should not use the commodity, if it is left in mortgage.

(Fatāwa-e-Razvia Vol. VII Page: 121)

Problem: 3

Zaid told Umro "You purchase the goods worth one rupee and I will purchase from you for one rupee and one anna but will pay after one month as I do not have money."

Is this excess permissible?

Solution:

Permissible but if the intention of adding one anna is because it is a debt, then it is not correct. (It means it should be a transaction of sale and purchase and not a loan)

(Fatāwa Razvia Vol. VII Page: 57)

Problem: 4

1) Zaid said to Umro that Bakar owed him money. He should recover and keep with him and use it and he would take whenever he is in need.

2) Zaid sold one thousand rupees note for rupees twelve hundred for four months to Umro and got his undertaking in writing. Then Zaid purchased eleven hundred rupees note for rupees twelve hundred from Bakar and for satisfaction gave the undertaking of Umro to Bakar and told him to recover from Umro.

3) Zaid sold one thousand rupees note for eleven hundred rupees to Umro and on the condition that one hundred should be paid in cash immediately and the balance of one thousand after the expiry of the period and also got undertaking by Umro in writing. Then Zaid purchased from Bakar one thousand rupees note for rupees one thousand and fifty and paid rupees fifty immediately and gave the undertaking of Umro to Bakar.

Are these transactions permissible?

Solution:

1) Permissible
2) Permissible
3) Permissible

We acknowledge and admit for any mistake in translating the theme of these fatāwas:

Problem: 1

One person wants to take loan of Rs. 100/= and the other person wants to give the loan. How it should be documented and also the lender does not want to give loan without any extra amount?

Solution:

An easy solution is as under:

The payer should not give a loan. Instead he should sell the note. For example, the person who wants one hundred rupees to be repaid in one year and the payer wants some profit on it. The payer should sell one hundred rupees note for say rupees one hundred and twelve to be repaid in one year.

If the purchaser repays in six months then the seller should accept only one hundred and six rupees.

In the alternate the payer should give a loan of rupees one hundred and the debtor should give some of his movable property for safe keeping to the creditor and say that for safe keeping he would pay, say one rupee per month.

(Fatāwa-e-Rizvia Vol. VII Page: 121)

Problem: 2

Zaid wants to take Rs. 150/— from Umro a loan free of interest and Umro wants to earn some profit on it which should not be interest. How the transaction may take place?

Solution:

An easy solution is as under:

Zaid who wants loan should sell something such as utensils or cloth to Umro for Rs. 150/=. Umro should purchase and pay Rs. 150/= to Zaid. Either in the same sitting or some other time Umro may resell the same item for Rs. 200/= to Zaid, to be paid in one year. Zaid should purchase it. Now for the repayment may mortgage the same commodity to Umro, if they agree or Zaid would get his commodity back

while translating forgot that Hadees-e-Mubārak where it has been declared that one can not be a true follower unless one loves and respects Rasul-Allah Sallullaho Alaihe Wasallum above every thing. One can not think even a word with the flair of minutest disrespect. Hazrat Ahmed Raza used the meaning which was appropriate to the occasion. He did not coin the meaning. It was there but only a real momin could use it.

Ala Hazrat in his "Fatāwae Razvia" in replies to questions has dealt the money matters, business transactions and commercial contracts thoroughly and in simple language.

In 1977 Council of Islamic Ideology was established to evolve the methodology to introduce non-interest based system in banking and financing. The passage of Modarba Ordinance also made the system more complicated.

In our opinion it was right time to consult the books and fatāwas of Ala Hazrat. Had it been done with open mind and thorough understanding the task would have been much easy.

His fatwa on currency notes is revolutionary one and unique example of his exegetical skills. He has dealt with minute details of every aspect of currency notes covering seventy two pages from 126 to 197 in Vol. VII of Fatāwae Razvia.

In short Ala Hazrat has declared that currency notes are commodity like any other commodity and may be transacted for a price more or less than the value printed on it.

Had this fatwa been discussed in depth by the Council of Islamic Ideology, it would have presented convenient methods for short term financing.

The fatwas and the discussions of Ala Hazrat are worth reading and we wanted to present most of them which relate to economic activities, mortgage, transfer of property, and other aspects.

However, we give some of his fatāwas in connection with commercial transactions and money matters to support our stand. That, had these been given due understanding it would have been a very easy and convenient task to transform the economy in terms of Islamic values.

His exegetical skill makes him distinct from others who have translated and interpreted Quran. To quote one example we reproduce one verse from Maarif-e-Raza (1988) Vol. VIII page 35:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الم نشرح ۹۴:۷)

a) "Did He not find you wandering and guide you". (an English translation published in Beirut)

b) And He found thee wandering and He gave the guidance. (Abdullah Yousuf Ali)

c) And found thee lost on the way and guided thee. (Muhammad Asad)

d) And He found thee wandering in search for him and guided thee unto Himself. (Molvi Sher Ali Qadiani)

e) And He found thee wandering, so He guided thee. (Abdul Majid Daryabadi)

f) And found thee groping, so He showed the way (Maulana Muhammad Ali Lahori Qadiani)

g) And He found you uninformed of Islamic Laws so He told you the way of Islamic Laws. (Maulana Ashraf Ali Thanvi)

h) Did He not find thee erring and guide thee. (Arberry)

i) Did He not find thee wandering and direct thee. (Pickthal)

j) And saw thee unaware of thy way so showed you straight way. (Maulana Fateh Muhammad Jallendhri)

k) And He found you drown in His love therefore gave way unto Him. (Ahmed Raza)

The Arabic word (ضال) has many different meanings and in terms of literature the meaning translated by all of them is correct but all the ten translators were devoid of love, devotion, respect and reverence to Sarkār-e-Do-ʿAalam Sallullaho Alaihe Wasallum and

A FORGOTTEN OMNISCIENT

BY

RASHID H. QADRI

A savant, an omniscient of his calibre is difficult to match. One is surprised and left only to praise Allah Almighty when one learns that Ala Hazrat had completed his academic curriculum when he was just 13 years 10 months and 5 days of age.

He himself had admitted and declared that he was authority in fifty nine different subjects. He counted and referred to these subjects in the notation made in the certificate of authority(سند اجازت) issued to the learned people of Mekka.

The certificate of authority is issued by the one who himself has been acknowledged as authority and he through the Certificate authorises the one declared to be competent in the subjects referred to in the certificate. It is not like present day degrees. It is issued only when one has been tested and considered to be eligible for the honour.

In the certificate Hazrat Imam Ahmed Raza Rahmatullah Alaih has declared that 21 subjects he has learnt from his father and 38 subjects he has mastered without any guidance and teaching from any teacher or mentor.

The incidence of Dr. Ziauddin is known to every body. Dr. Ziauddin, a world class authority on mathematics when wanted to go to Germany, to solve a problem, was advised to consult Ala Hazrat. Reluctantly he visted Bareilly and was astounded to get the problem solved in no time. Another equally surprising event was when at the beginning of Ramzanul Mubarak someone informed Ala Hazrat that a suitable Hafiz-e-Quran (one who has memorised the whole Quran and leads the "Taraveeh", special prayer in Ramzan) was not available, Ala Hazrat with all humbleness promised to lead the prayers though he had not memorised the Quran and was not expected to lead the Taraveeh prayers. It is said that during the day he used to memorise and in the night repeat the chapters with all recognised rules for reciting the Holy Book. It was only God-Gifted.

Event	Hijri	AD
42. Dr. Sir Ziaudeen arrived at Bareilly to discuss the scholarly matters wth Imam Raza	1332	1914
43. Refusal to attend the British Court and absence accepted by the court	1334	1916
44. Letter to the Cheif Justice of Deccan State.	1334	1916
45. Foundation of Jamaat-e-Raza-i-Mustafa Bareilly	1336	1917
46. Research on prohibition of prostration respect	1337	1918
47. Flouting of professis of American Professor Albert F. Porta	1338	1919
48. Scholarly Research against the theories profounded by Isic Newton and Einstein	1338	1920
49. Research against theory of rotation of earth	1338	1920
50. Research against theories of Philosphy of Old School of thoughts	1338	1921
51. Last word on two-nation theory	1339	1921
52. Disclosure of secret planning in Tahreek-e-Khilafat	1339	1921
53. Disclosure of secret mind behind Tehreek-e-Tark-e-Mawalat	1339	1921
54. Historical declaration against the blame of aiding and assisting of Britishers.	1339	1921
55. Death (at the age of 68 years)	25 Safar 1340 Ah	28th October 1921
56. Condeolence note by editor Paisa Akhbar, Lahore	1340	1921
57. Condolence Article by the Great Scholar of Sind Sarshar Uquali Thatvi		
58. Tributes by the Justice D.F. Mullah of Bombay High court		
59. Tributes by Shair-e-Mashriq Allama Dr. Muhammad Iqbal		

31 Conferment of authority by Imam Ahmad Raza on the Scholars of Makka Mukarrama and Madinatul Munawwara. (9)	1324	1906
32. Arrival at Karachi and meeting with Maulana Abdul Karim Dars Sindhi.	1324	1906
33. Glowing tributes paid by Hafizul Kutubul Haram Syed Ismail Khalil Makki on a verdict by Imam Raza in Arabic	1325	1907
34. Acknowledgement of revivisence of Ahmed Raza by Sheikh Hideyatullah Bin Muhammad Bin Muhammad Saeed Al-Sindhi Muhajr Makki (10)	1330	1912
35. Translation of Quran in Urdu, Called Kanzul Iman Fi Tarjumatul Quran	1330	1912
36. Title "Imam-Al-Aimma al-Mujaddid Li Hind al-Umma by Sheikh Musa Ali Shamsi Alazhari.	1330	1912
37. Title of "Khatim-al-Fuqah wa al-Muhadethin by Hafiz Kutubul Haram Syed Ismail Khalil Makki.	1330	1912
38. Scholarly reply to the published question on Isosceles by Dr.Sir Ziaudeen.(11)	1331	1913
39. Announcemen of a Revolutionary Reformative Programme for the Islamic Nation	1331	1913
40. Scholarly reply to the question of Mr.Justice Muhammad Din of Bhawalpur High Court	1331	1913
41. Critical review on Agreement with British Government on the matters of Kawnpur Mosque	1331	1913

Notes:

(9) Ahmad Raza had reached the appex of authority and his certification was an honour for those scholars for those Scholars.

(10) Sheikh Hidayatullah himself was recognised as the greatest Scholars of his times. In terms of Hadees-i-Rasool "SALLALLAHO-ALAIH-E-WASALLAM" in every century there would be a virgin honour as Mujaddid, the Reviviscent, who will correct the people in religious matters who have gone astray and guide them to the correct path of Islam in the light of Quran and Sunnah.

(11) Dr. Sir Ziaudeen was himself a global renowned authority on the Mathematices and its branches.

17. Verdict on prohibition of marriage with the womenfolk of present days Jews and Christians.	1298	1881
18. Check on Movement of Prohibition of Cow Slaughtering.	1298	1881
19. Maiden Persian book.	1299	1882
20. Glorious poem in Urdu "Qaseda-e-Mairagia"	1303	1885
21. Birth of second son Muhammad Mustafa Raza Khan, the great Mufti	1310	1892
22.Participation in foundering Ceremony of Nadawatal Ulema	1311	1893
23. Disassociation from the movement of Nadawatal Ulema	1315	1897
24. Scholary research on prohibition of ladies going to graveyards	1316	1898
25. Writing of Qasida in Arabic "Amal-ul-Abrar wa Alam-al-Ashrar.	1318	1900
26. Participation in 7 days congregation on Anti Nadawatul Ulema, at Patna	1318	1900
27. Title of "Mujaddid of present century" from religious scholars of India	1318	1900
28. Foundations of Darul-uloom Manzar-e-Islam, Bareilly	1322	1904
29. Second Haj Pilgrimage	1323	1905
30. Joint enquiry from Imam Kaaba Sheikh Abdullah Mirdad and his teacher Sheikh Hamid Ahmad Muhammad Jaddadi Makki and Scholarly reply by Ahmad Raza(8)	1324	1906

Notes:

(8) These two were great scholars of Islam at that time and were most reverend and respected amongst Scholars. They were impressed by the Fatwa of Ahmad Raza and his approach to the problems. Once upon Imam Ahmad Raza called on Sheikh Mirdad at Makka and on departure touched his knees, Sheikh said in Arabic, "We should be in your feet and shoes".

Event	Hijri	AD
10. Final permission for awarding religious verdicts(4)	1293	1876
11. Oath of religious allegiance and permission to take Oath (5)	1294	1877
12. Maiden book in Urdu	1294	1877
13. First Haj pligrimage and visit to sacred places in Makka and Madinatul Munawwara	1295	1878
14. Permission for authentic quoting and explanation of Ahadees from Sheikh Ahmad bin Zain Bin Dahlan Makki, and		
(ii) from Mufti-e-Makka Sheikh Abdur Rehman Siraj Makki and		
(iii) from Sheikh Abid al-Sindhi, pupil Imam Kaaba Sheikh Hussain Bin Swaleh Jamalull Lail Makki (6)		
15. Imam Kaaba Sheikh Hussain Bin Swaleh Jamalull Lail Makki observed hallow (divine) light on the face of Ahmad Raza.	1295	1878
16. Revelation of absolution at Masjid Haneef, Makka (7).	1295	1878

Notes:

(4) when his verdicts were to be taken as final word of authority on religious matters.

(5) "Baat and Khilafat" as they are called. When a person submits himself to a religious Scholarly and Pious person - takes Oath or ba'at and when he is permitted to take Oath from others - Khilafat.

(6) "ilm-e-Hadees" - knowledge of Prophet's (SALLALLAHO-ALAIH-E-WASALLAM) sayings. As these sayings (Ahadees) are the great source, after Quran of commentments. A person has to prove his ability of memorising the Ahadees and narrating with all the sources. It is examined tallied ans certified by the authorities having such authorities in Ahadees. Sheikh Ahmad bin Zain Bin Hallan Makki and Sheikh Abdur Rehman Siraj and Imam Kaaba Sheikh Hussain bin Swaleh Jamalull Lail Makki were three source of Ilme-Hadees at that time.

(7) Through meditation God Almighty revealed the acceptance of submission, devotion and prayers of Ahmad Raza.

CHRONICLE OF *IMAM AHMAD RAZA (Alaihe arrahma)*

BY
PROFESSOR DR. MHAMMAD MASOOD AHMAD
TRANSLATED AND ANNOTED BY
RASHID HASAN QADRI
SENIOR VICE PRESIDENT
HABIB BANK LIMITED
KARACHI

Event	AH	AD
1. Birth	10th Shawwal 1272 AH	14th June 1856 AD
2. Completion of Holy Quran (1)	1276	1860
3. Maiden Speech	1278	1861
4. Maiden Literary work in Arabic	1285	1868
5. Conferment Certficate for meritorious learning (2)	1286	1869
6. Incipience of giving verdict on religious matters conferred. (3)	1286	1869
7. Introduction of teaching and guidance	1286	1869
8. Marriage	1291	1874
9. Birth of first Son, Maulana Mohammad	1292	1875

Note:

(1) In Muslims, as a tradition, the child is first taught to read Quran as the first book in his educational Carrier. Usually a child when is of age of 4 years 4 months 4 days, he is given the first lesson, the ceremony is called "Bismillah".

(2) When a person completes a prescribed final course which includes Tafseer, Hadith, Fiqh, Logic, Philosphy etc. in Arabic, he is confered qualification of his accomplishement which is called "Dastat-e-Fazilat".

(3) A person unless confirmed by authorities (in the form of Dastar-e-Fazilat) cannot give the verdicts.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

DUST WE ARE

Translated by: Prof. G.D. Qureshi

1. Dust we are; return to it we must
   Adam, our ancestor, was created from dust.

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا — خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

2. Reduce us to it in your search,
   O God! Dust is our medal from our dear Lord.

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں — یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

3. That dust on which Prophet set his feet.
   For us is better than a heavenly seat.

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم — اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

4. Sky was hurt deeply by the sharp irony.
   When Earth said, "Madinah is located on me".

خم ہو گئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے — سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

5. Prophet described Ali as "dust's father"
   Who is our wise guide and brave leader.

اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا — جو حیدرِ کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

6. O seekers! walk humbly in right earnest
   Under this earth is our Prophet's place of rest.

اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے — اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

7. Prophet's grave and Kaabah are made with dust
   So respect it always every-where we must.

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین — معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

8. Raza! in Allah's eyes we will have no worth
   If we do not love Madinah on this earth.

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی — آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

HOLY
QURAN

Revealed at Mecca
THE OPENING

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

(Allah in the name of The Most Affectionate, The Merciful)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

1. All praise unto Allah, Lord of all the worlds.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿١﴾

2. The most Affectionate, the Merciful.

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿٢﴾

3. Master of the Day of Requittal.

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿٣﴾

4. We worship You alone, and beg You alone for help.

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿٤﴾

5. Guide us in the straight path.

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿٥﴾

6. The path of those whom You have favoured.

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬

7. Not of those who have earned Your anger and nor of those who have gone astray.

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

منزل اول
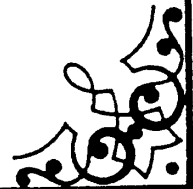
Since the publication of more and more articles and books on the multidimensional personality of the Ala-Hazrat, not only fulfils the demands of our English readership, but also helps in introducing this great genius of the East at the International level, we request our readers to please help us by providing English Articles from their own sources or intimate us at least with the names and addresses of those who may contribute their write-ups in this regard.

IDARA

FOREWORD

With the noble object of introducing the grand personality and the great works of Ala Hazrat Imam Ahmed Raza Khan Rehmat-ullah Alaih, the English Section in the Maarif-e-Raza was introduced in 1986. It was appreciated by our readers, particularly in the overseas who were desirous to read the precious books and articles of the Ala-Hazrat, transformed into English from Arabic, Persian and Urdu. However, we regret to say that we could present so far a very small portion from the oceanic store of knowledge, the innumeral valuable books the Ala-Hazrat has left for the posterity.

In this issue an article "A Forgotten Omniscient", written by Mr. Rashid Hassan Qadri, a renowned banker, briefly reflects the God-gifted ability and un-parallel skill of the Ala-Hazrat in interpreting the Quranic commandments and the Shariah instructions regarding the economical aspects. Very aptly the writer has quoted a few Fatwas and has rightly emphasised that, had these been given proper study and consideration it would have been much easier the task of transforming our economic system in terms of Islamic Values.

The Naatia Poetry of Imam Ahmed Raza is undoubtedly unmatched and can be presented in the world classics. A review on the "Hadaiq-e-Bakhshish", the poetical works of the Ala-Hazrat, is being presented here under the heading 'Imam Ahmed Raza's Collection of Religious Poetry', written by Prof. G.D. Qureshi. Besides, this issue has also been decorated with English translation of two beautiful and famous Naats of the Ala-Hazrat.

It is a part of our strategy to provide more and more reading material on the life and works of Imam Ahmed Raza Khan to the renowned scholars and gentle readers at national and International levels, and especially to those who have never read him and at the same time request them to forward their comments. For the benefit of our readers, we are publishing in this issue the viewpoint of a number of well known figures about Imam Ahmed Raza received by us during the last few years.

CONTENTS

MA'ARIF-E-RAZA

Vol. IX 1989

IDARA-I-TAHQEEAT-E-IMAM AHMED

RAZA (REGD)

234/7, Stretchen Road, Karachi.
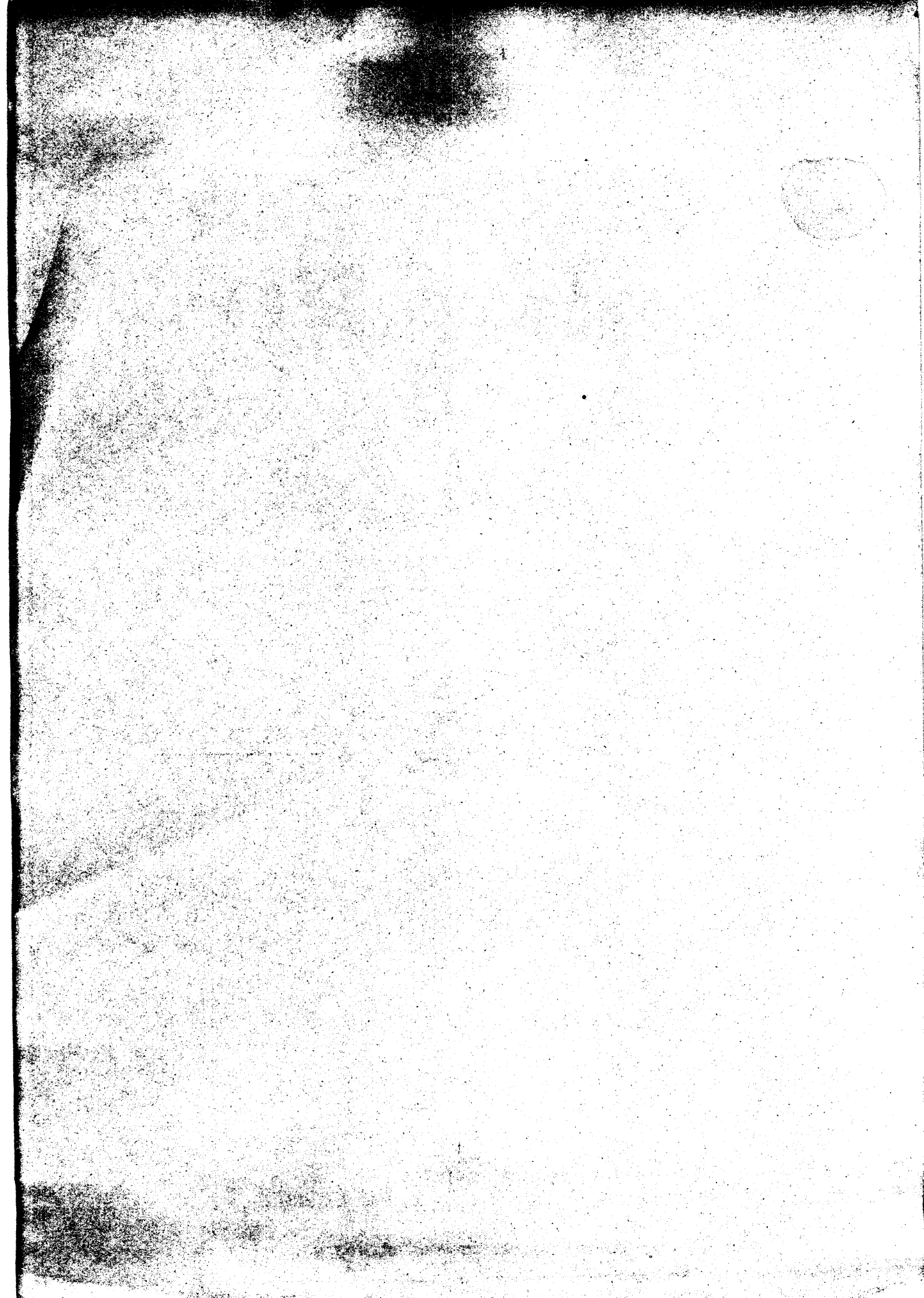
MAARIF -E- RAZA

VOL: IX

1989

Idara-i-Tahqeeqat-e-Imam Ahmed Raza (Regd),
234/7, 3rd. Floor, Nasheman Building, Stretchen Road, Karachi (Pakistan).